پرویز مشرف
پارلیمنٹ سے بازارِ حُسن تک
پرویز مشرف و دیگر سیاستدانوں کی رنگین راتوں کی ہوش رُبا تفصیلات
شفقت رسول

(نام کتاب)

پارلیمنٹ سے بازارِ حسن تک (پرویز مشرف ایڈیشن)

(مرتب)

شفقت رسول (معروف نوجوان جرنلسٹ)

قیمت:-/300 روپے

اے بی پبلشرز مین اردو بازار، لاہور

Ph: 042-35039657 E mail: psbht@yahoo.com

انتساب

عوام

کے

نام

جو آج بھی

انہیں ووٹ دے کر

کامیاب بنا رہے ہیں

فہرست

دیباچہ

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو عورت کے وجود سے اتنا رنگین بنا دیا ہے کہ ہمیں تقریباً ہر شعبہ میں عورت کا وجود نظر آتا ہے یہاں تک کہ سگریٹ، موٹر سائیکلوں وغیرہ جیسے اشتہاروں سے لے کر حکومتی ایوانوں تک عورت ہی نظر آتی ہے۔ اس زمانہ میں عورتوں کی حکمرانی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ظاہری طور پر تو مرد حکومت کرتا ہے لیکن حکم عورت کا ہی چلتا ہے۔ چاہے وہ حکومت کسی کی بھی ہو۔

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ قرآن میں شراب پر ممانعت کے واضح احکامات کے باوجود ہمارے مغرب زدہ سفارت کار لوگوں کے ذہنوں میں شکوک وشبہات پیدا کر کے اسلام سے دوری کا ذریعہ بن رہے ہیں جو انتہائی افسوس ناک ہے۔

جب تک کوئی نااہل، ظالم اور امانت میں خیانت کرنے والا تھانیدار کسی بھی تھانہ کا انچارج ہوتا ہے تو اس کے ماتحت اور عوام علاقہ مصلحت آمیز خاموشی اختیار کیے رکھتے ہیں اور تھانیدار بہادر کے جملہ کالے کرتوتوں سے آگاہ ہونے کے باوجود خاموش رہتے ہیں اگرچہ اسلام میں اسی طرح کی خاموشی کو مجرمانہ قرار دیا گیا ہے اور یہ طرزِ عمل قرآن کریم کی تعلیمات کے بالکل اُلٹ ہے کیونکہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا واضح حکم ہے کہ وہ ہمیں بے حیائی، برائی اور زیادتی سے منع فرماتا ہے۔

ہر دور میں کچھ ''سر پھرے'' ایسے بھی ہیں جو اس ظلم اور ناانصافی کے خلاف آواز اٹھاتے رہے ہیں لیکن اُن کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر رہی ہے اور دوسرا ہر جو لمحہ اب گزر رہا ہے اس میں طاغوتی طاقتوں کی حمایت اور طاقت میں مزید اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے اس لئے سچ اور حق کی آواز معدوم اور کمزور ہوتی چلی گئی ہیں۔

قارئین کرام! یہ صرف کہانیاں ہی نہیں ہیں بلکہ وہ سچی حقیقتیں ہیں جن کو ہم جھٹلا نہیں سکتے۔ ریڈیو، ٹی وی، اخبارات میں ہمیں دن رات اخلاقیات کے لیکچر دینے والی ان ہستیوں کے مکروہ چہروں کو دیکھ کر آپ حیرت میں ڈوب جائیں گے اور یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ کیا یہی وہ مصلح قوم ہیں جو مختلف غلاظتوں میں ڈوبے ہوئے ہیں اور اپنے ناجائز مفادات کو پورا کرنے کے لئے کیسے کیسے اسٹیج سجائے ہیں۔

پاکستان ایک اسلامی جمہوری ریاست ہے اور پاکستانی عوام اکیسویں صدی میں جنم لے رہے ہیں لیکن ہمارے رہنماؤں کی تمام تر عادات و حرکات سولہویں صدی کے مختارکل سمجھے جانے والے شہنشاہوں سے کسی طور کم نہیں۔ محمد شاہ رنگیلا اور راسپوٹین کے یہ وارث آج بھی گل رخ حسینوں کے تھرکتے جسموں کے سہارے زندگی گزارنے کو اولیت دیتے ہیں۔ انارکلی کو دیوار میں چنوانے اور عوام کے خون پسینے کی کمائی سے اپنی اپنی ''ممتاز'' کی یاد میں ''تاج محل'' تعمیر کرانے کی حسرت آج بھی ان کے دلوں میں تازہ ہے بلکہ بعض تو اب بھی اپنی محبوباؤں کے نام سے کئی یادگاریں تعمیر کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور یہ یادگاریں جو پارکوں، فواروں، میناروں اور پلوں کی صورت میں تعمیر ہوئیں ان سے باشعور عوام بخوبی واقف ہیں کہ یہ کن راہنماؤں نے کس کے لئے تعمیر کیں؟

''......ہیرا منڈی میں بڑے بڑے سیاستدانوں، جاگیرداروں، گدی نشینوں، صنعت کاروں اور بیوروکریٹس کی بیٹیاں موجود ہیں۔ یہ بیٹیاں اپنے باپوں کو جاننے کے باوجود انہیں

باپ نہیں کہہ سکتیں کیونکہ اس کا کوئی قانونی ثبوت موجود نہیں ہوتا۔ ان کے باپ انہیں بیٹیاں نہیں مانتے یا شاید اب وہ انہیں جانتے تک نہیں۔'' لیکن میرے علم میں ایسے واقعات ہیں کہ کسی باپ نے اپنی ہی بیٹی کا رقص دیکھا اور پھر اسے شب بسری کے لئے بھی لے گیا......''

زیر نظر کتاب ''پارلیمنٹ سے بازارِ حسن تک (مشرف ایڈیشن)'' جو آپ کے ہاتھوں میں ہے یہ اُن روشن دنوں کی سیاہ تاریخ ہے جس میں ارضِ پاک کے ''مسیحا'' اس کی عزت سے کھیلتے ہوئے نظر آئیں گے۔ پاکستان کے سرکردہ سیاستدانوں کی وہ تاریخ ہے جو انہوں نے اقتدار کے ایوانوں سے نکل کر حسن کے بالا خانوں ''کی کلب''، عشرت کدوں اور قحبہ خانوں میں بیٹھ کر جنم دی ہے اور اس عیاشی کو وہ عوام کی نظروں سے چھپانا چاہتے ہیں لیکن عوام اسے جاننا چاہتے ہیں۔

یہ کتاب ان سیاستدانوں سے نفرت یا کسی دشمنی کا شاخسانہ نہیں ہے بلکہ تاریخ کی امانت ہے جسے تاریخ کے سپرد کیا جا رہا ہے۔ یہ کتاب اُن لیڈروں کے لئے آئینہ خانہ ہے جن کا ہر عمل عوامی پراپرٹی کے زمرے میں آتا ہے نیز یہ کتاب ان لیڈروں کے لئے باعث عبرت ہے جن کے کالے کرتوتوں نے پوری دنیا کو عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ یہ کتاب اُن سیاستدانوں کی جو پبلک پراپرٹی ہوتے ہیں کے گذشتہ ۶۳ برسوں پر محیط پھیلی ہوئی اور ان کے عشرت کدوں میں جنم لینے والی ہوش ربا اور رنگین و سنگین داستانوں کا مجموعہ ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ جمہوری ادوار میں اخبارات کی زینت بن چکا ہے۔

آخر میں اللہ تعالیٰ سے دُعا گو ہوں کہ وہ ہم سب کو صحیح اور غلط میں تمیز کرنے کی توفیق دے اور ہمیں سیدھے راستہ پر چلائے۔ آمین

ادارہ

میں کسی خوف سے خاموش نہیں رہ سکتا
ظلمتِ شب کو میں صبح نہیں کہہ سکتا

پرویز مشرف

سابق صدر پرویز مشرف کا شمار پاکستان کے ان جرنیلوں میں ہوتا ہے جنہوں نے آئین کو پامال کرتے ہوئے حکومت پر قبضہ کیا اور پھر اپنے کھوکھلے نعروں سے عوام کا دل بہلاتے رہے۔ سابق صدر پرویز مشرف کا دورِ حکومت پاکستان کی تاریخ کے بدترین ادوار میں سے ایک ہے۔ اس دور میں پاکستان میں دہشت گردی کو فروغ ملا اور آج ہونے والے خودکش حملے مشرف دور کا ہی ایک تحفہ ہیں جس میں مساجد' مزارات اور امام بارگاہیں بھی محفوظ نہیں ہیں۔

سابق صدر پرویز مشرف بھی شراب و شباب کی محافل کے رسیا تھے اور ان کے دور حکومت میں ان محافل کو بے پناہ فروغ حاصل ہوا۔ مشرف کی حکومت کے کئی وزراء کے سکینڈلز منظر عام پر آئے جن میں ارباب غلام رحیم اور نیلوفر بختیار کے سکینڈلز نمایاں ہیں جبکہ پرویز مشرف کی ناچ گانے کی ویڈیوز بھی منظر عام پر آئیں۔ پرویز مشرف جو کے گانے اور ناچ کے رسیا ہیں ان کی ایک ویڈیو جس میں استاد حامد علی خان ایک پرائیوٹ فنکشن میں پرفارم کر رہے تھے جس میں موصوف بھی شریک تھے نے خود گانا شروع کر دیا۔

اسی طرح ایک اور ویڈیو بھی سابق صدر پرویز مشرف کی منظر عام پر آئی جس میں انہیں فلم ایکٹر شان اسٹیج پر لے کر آئے اور انہوں نے فلمی اداکاروں اور اداکاراؤں کے ہمراہ رقص کیا۔ مشرف اس نام نہاد آزادی کے حق میں تھے جو یورپ اور امریکہ میں ہے، جس میں شراب و شباب کو زندگی کا ایک نمایاں حصہ تصور کیا جاتا ہے۔

ہم یہاں پر مشرف کے لڑکپن کے عشق کا واقعہ بیان کرتے ہیں جو کہ کچھ اس طرح سے

پرویز مشرف گھبرا کر اپنا پسینہ پونچھتے ہوئے

سابق صدر پرویز مشرف اپنی بیگم کے ہمراہ گانا گاتے ہوئے

پرویز مشرف انڈین فنکارہ رانی مکھرجی سے ملتے ہوئے

پرویز مشرف ادارہ میرا کے ساتھ

ہے کہ جب وہ پندرہ سال کی عمر کو پہنچے تو وہ اپنی ایک ہمسائی کے عشق میں بُری طرح سے مبتلا ہو گئے۔ اُس کی عمر بقول پرویز مشرف کے مجھ سے ایک سال زیادہ تھی یا پھر وہ میرے ہی ہم عمر تھی۔ میں ہر وقت اُس کے بارے ہی میں سوچتا رہتا تھا۔ مجھے اُردو سے کوئی خاص رغبت نہیں تھی اور انگریزی سے اُس کو کچھ زیادہ لگاؤ نہیں تھا۔ اس لئے ہم دونوں کا ایک مشترکہ دوست جو میرے انگریزی میں لکھے ہوئے خط کو اُردو میں ٹرانسلیشن کر کے لکھتا تھا اور اُس کے اردو میں لکھے ہوئے خط کو مجھے پڑھ کر سناتا تھا۔ خط لے جانے اور لانے کی ذمہ داری میرے ایک دوست کے بھائی کے ذمہ تھی جو کہ چھریرے بدن کا تھا اور کئی جگہوں میں بڑی آسانی سے آجا سکتا تھا۔ وہ میری ہمسائی کے گھر میں چپکے سے جاتا اور میرے خط اس کو پہنچاتا تھا۔

سابق صدر پرویز مشرف کا یہ عشق اس قدر بڑھ گیا کہ اس میں اُس کی نانی بھی نادانستہ طور پر ملوث ہو گئیں۔ وہ اس طرح اُس کی نانی بڑی محبت کرنے والی اور قدامت پسند خاتون تھیں۔ پرویز مشرف اکثر اپنی نانی سے کہتے تھے کہ ہمسایوں سے اچھے تعلقات رکھنے چاہئیں اور اُن کے ہاں آنا جانا چاہیئے۔ پرویز مشرف اپنی نانی کو اپنی ہمسائی کے گھر بھیج دیتے چونکہ اُن کی نانی برقعہ پہنا کرتی تھیں پرویز مشرف اُن کے برقعہ کی جیب میں اپنا رقعہ رکھ دیتے اور اپنی ہمسائی کو پہلے ہی خبر کر دیتے کہ رقعہ کہاں رکھا ہے۔

پرویز مشرف اپنے اس عشق کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ لڑکی بہت خوبصورت تھی لیکن میری یہ محبت وقتی تھی حقیقت میں یہ میرا دیوانہ پن تھا جو میرے والدین کے گھر بدلنے تک رہا۔

پرویز مشرف اپنے دوسرے عشق کے بارے میں بتاتے ہیں کہ جس سے میں محبت کرنے لگا وہ ایک خوبصورت اور شادی شدہ بنگالی لڑکی تھی۔ دراصل یہ کافی پوچ اور بے معنی عشق تھا۔ پرویز مشرف کو اکثر اس بنگالی لڑکی کے خواب بھی آتے رہے۔

پرویز مشرف مشروب پیتے ہوئے

سابق صدر پرویز مشرف مس سونیا احمد اور عائشہ گیلانی کے ساتھ

سابق صدر پرویز مشرف کی ایک اور ویڈیو بھی منظر عام پر آئی جس میں وہ اس وقت کے وزیراعظم شوکت عزیز کی فرمائش پر کھڑے ہوئے اور ڈانس کرنا شروع کر دیا۔ پرویز مشرف کا اس طرح شوکت عزیز کی فرمائش پر ڈانس کرنا ثابت کرتا تھا کہ ان دونوں کے درمیان کتنی ذہنی ہم آہنگی تھی اور پرویز مشرف جو کسی کی بات ماننا اور سننا گوارا نہیں کرتے تھے کہ وہ کس طرح شوکت عزیز کی فرمائش پر ڈانس کے لئے کھڑے ہو گئے۔

شوکت عزیز
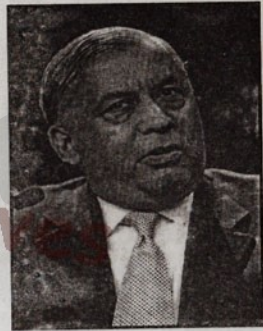
ہمارا وطن عزیز ہمیشہ ہی مفاد پرست' ابن الوقت اور بوالہوس سیاست دانوں کی چیرہ دستیوں کا شکار رہا ہے۔ اور تو اور جب مفاد پرست ٹولے کو ملک میں کوئی اپنے مفادات پورے کرنے والا نہیں ملا تو مذکورہ ٹولے نے باہر سے لوگوں کو بلا کر مملکت پاکستان کے سب سے بڑے عہدے پر فائز کر دیا۔ یہ سوچنے کا مقام ہے کہ ملک میں رہتے ہوئے ملک دشمن جب ملک کو کھاتے ہوئے شرم محسوس نہیں کرتے تو باہر سے آئے ہوئے نام نہاد پاکستانی کیا گل نہیں کھلائیں

گے؟ کیا آپ معین قریشی وغیرہ کو بھول گئے مگر ہم شوکت عزیز کو نہیں بھول سکتے۔ یہ شائستہ بھولی صورت والا بہاری ملک کو نہاری کی طرح پکا کر کھا گیا۔ ایک ملک کا ملازم ملک کے خزانے کا مالک بنتا ہے تو اسے ہیر پھیر اعداد و شمار کے الٹ پھیر میں بہت آسانی ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ اعداد و شمار سے لوگوں کو ٹھگتا ہوا اپنی تجوری کے منہ بھرتا رہتا ہے۔ ''ہاں جی'' کے یہ غلام وزیر اعظم اپنے مداحوں کے خزانے کم اور اپنے خزانوں میں زیادہ ڈالرز بھرتی کرتے ہیں۔ لوگوں کو سبز باغ دکھا کر اپنے مفادات پورے کرتے ہوئے انہیں ذرا بھی فکر نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ انہیں کسی کو جواب نہیں دینا ہوتا۔ کوئی ان کا احتساب کرنے والا نہیں ہوتا۔ وہ وقتی طور پر کسی بھی پارٹی میں شامل ہو کر اپنے کھیل دکھاتے ہیں اور پھر جادو کی طرح اکیلا منظر سے غائب ہو جاتے ہیں۔ جیسے شوکت عزیز الیکشن 2008ء کے بعد اچانک ملک سے فرار ہو گئے۔ یہ غیر ملکی بن کر بے شک اپنی فیلڈ کا

سابق وزیر اعظم شوکت عزیز اداکارہ انجلینا جولی سے ہاتھ ملاتے ہوئے

ماہر اور اعداد و شمار کے گورکھ دھندوں کا ماسٹر مائنڈ تھا۔ امریکہ میں شوکت عزیز کی اربوں ڈالر کی جائیداد اس کی مہارت کی دلیل ہے۔ کچھ لوگ چہرے مہروں سے نہایت ہی شائستہ، مہذب اور ملنسار نظر آتے ہیں لیکن شام ڈھلتے ہی جب ان کے ہاتھوں میں جام چھلکتے ہیں ان کی شائستگی سے بھرپور پیکر شیطانیت کا لبادہ اوڑھ لیتا ہے۔

شوکت عزیز بھی ایسے ہی لوگوں میں شامل کئے جاتے ہیں۔ نہایت ہی سادہ رنگین مزاج طبیعت کے حامل، حسن پرست، کچی کلیوں کے رسیا بھنورا صفت، ہوس پرست یہ شوکت عزیز دن کے اجالے میں کچھ اور رات کے اندھیرے میں کچھ ہوا کرتے تھے۔ یہ اپنے سائے سے ہی ڈرتے ہوئے بڑے سے بڑا گناہ کر جاتے تھے اور کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی تھی۔ ہر رات ایک نیا جسم ان کے خفیہ بستر پر پامال ہونا معمول کی بات تھی۔ ظاہر ہے یہ انتظام وہ خود نہیں کرتے تھے اور کوئی صاحب اقتدار یہ کام خود انجام نہیں دیتا۔ پرسنل سیکرٹری نمبر 2 یہ کام انجام دیا کرتے ہیں۔ صاحب کے مزاج میں دخیل یہ دلال نما سیکرٹری بالا ہی بالا حسین اور کچے جسموں کی سوداگری کرتے ہوئے ہیر نما ہیرے صاحب کے بستر تک پہنچا کر وہ کچھ حاصل کر لیا کرتے ہیں جو حقدار حاصل نہیں کر پاتے۔

بات ہو رہی تھی سابق وزیراعظم پاکستان شوکت عزیز کی انہیں جہاں اپنی شان و شوکت پیاری تھی وہیں اپنی جیسی زندگی کی سرگرمیاں بھی بہت عزیز تھیں۔ گلاب کی کچی کلیاں جب ان کے بستر پر کھلا ہوا گلاب بن کر مسکراتی تھیں تو انہیں اپنی مردانگی پر فخر ہوتا تھا۔ نہ جانے انہوں نے کتنی ہی کچی کلیوں کو چوس چوس کر کھیلتے ہوئے پھول بنا دیا تھا مگر آفرین ہے ان کی منصوبہ بندی پر ان کے یہ گھناؤنے واقعات اسی کمرے میں معدوم ہوتے رہے ہیں جہاں وہ دادِ عیش دیا کرتے تھے۔ کوئی بھی واقعہ اس کمرے سے باہر نہیں آ سکا مگر ہمیشہ گھر کا بھیدی ہی لنکا ڈھاتا ہے۔ پرسنل سیکرٹری نمبر 2 شوکت عزیز کے فرار ہونے کے بعد ان کے خفیہ گوشوں کی

سابق وزیراعظم شوکت عزیز اداکارہ انجلینا جولی سے باتیں کرتے ہوئے

نقاب کشائی میں مصروف ہو کر فخریہ طور پر ایسے ہی رنگین مزاج صاحبانِ اقتدار کی توجہ حاصل کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں اور اس کے کریڈٹ پر جو خفیہ کام موجود ہے وہ عیاش سیاستدانوں کے لئے قابل اطمینان ہے۔

رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

ایک اطلاع کے مطابق شوکت گروپ سیکس کے بھی رسیا تھے۔ مرد وہ اکیلے ہوا کرتے تھے مگر کئی پھول ان کے بستر پر اٹھکیلیاں کرتے ہوئے ان کی جنسی طاقت سے لطف اندوز ہوتے۔ یہ لمحے شوکت عزیز کے لئے بہت ہی باعث فخر ہوتے تھے۔ ظاہر ہے ایک توپ خانے سے تین تین مضبوط قلعوں کو سر کرنا شانِ مردانگی کا مظہر ہوتا ہے۔ اگر شوکت عزیز یہ فخر حاصل کرتے تھے تو ان کے لئے یہ سب کچھ باعث طمانیت ہوتا تھا اور صبح اٹھ کر اسی فخر سے اپنی ہیرا پھیری والی عادت میں مصروف ہو کر اپنے اربوں ڈالروں میں مزید کروڑوں ڈالروں کا اضافہ کر کے ملک کی طاقت گھٹاتے ہوئے اپنی طاقت بڑھاتے تھے۔

چودھری پرویز الٰہی

چودھری پرویز الٰہی نے جہاں کرپشن اور بدعنوانیوں میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی وہاں موصوف نے ہوس پرستی میں بھی سابقہ تمام سیاستدانوں اور حکمرانوں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ لالی وڈ کی ایک درجن سے زائد معروف کال گرلز اور فلمی پریاں جن کے بارے میں یہ شواہد بھی ملے ہیں کہ وہ

ان کے بلاوے پر اسلام آباد پہنچائی جاتی تھیں جہاں نہ صرف وزیر موصوف بلکہ ان کے دیگر دوست واحباب اور حکومت کی دیگر اعلیٰ شخصیات ان کو دادِ عیش دیتی رہی ہیں۔ ذرائع کے مطابق جہاں خوبرو لڑکیاں ہر رات کو پہنچائی جاتی تھیں وہاں کسی اور کو آنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ چودھری صاحب نے اسلام آباد کے ایک بڑے ہوٹل میں ہال کرائے پر لے کر اس کی خوب سجاوٹ کرائی جہاں اس نے ایک حامی سیاسی و بزنس مین دوست کے لئے اداکارہ نرما' ریما اور ثناء کے علاوہ دیگر طوائفوں کے مجرے کا اہتمام کیا تھا۔ وہ جب چاہتا اپنے پسندیدہ فنکاراؤں اور کال گرلز کو صرف ایک فون کال پر طلب کر لیتا اور ان اداکاراؤں کو اپنے خاص دوستوں کو خوش کرنے کے لئے انہیں تحفہ کے طور پر بھیج دیا کرتا تھا اور بعض اوقات پرویز الٰہی کی فراخ دلی کو دیکھتے ہوئے مذکورہ اداکارائیں ان کی ایک فون کال پر ضروری سے ضروری شوٹنگ ادھوری چھوڑ کر چلی جاتی تھیں جبکہ بعض اوقات اگر وہ بیرونِ ملک سے انہیں کال کرتا تو وہ حسینائیں بارہ گھنٹوں کے دوران ہی اپنے سب سے قیمتی سپانسر کے پاس اڑ کر پہنچ جایا کرتی تھیں۔ اس طرح

فلمسازوں اور گھر والوں کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوتی تھی۔ صائمہ' میرا' لیلیٰ اور ریشم اکثر اوقات چودھری صاحب کو ٹیلی فون کر کے اور جھوٹا رونا رو کر اپنی سچی محبت کا یقین دلاتیں اور گلہ کرتیں کہ وہ دوسری اداکاراؤں میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہا ہے؟ کیا میں تمہاری خواہش کو پورا نہیں کرتی یا مجھ میں دیگر کے مقابلے میں کوئی کمی ہے؟

پچھلے دنوں بلیو ایریا اسلام آباد میں ٹیکس لازہ پر پولیس نے چھاپہ مار کر مشہور اداکارہ زارا اکبر کو شراب کے نشہ میں رنگ رلیاں مناتے ہوئے گرفتار کر لیا۔ گرفتاری کے وقت ایک ٹرالی پر قیمتی شراب کی متعدد بوتلیں' بیئر کے ڈبے پڑے ہوئے تھے جبکہ دونوں گلاسوں میں شراب بھری ہوئی تھی اور کمرے میں ٹی وی' وی سی آر پر بلیو فلم چل رہی تھی۔ زارا اکبر کے ساتھ ایک اور لڑکی فوزی بھی تھی۔

ایس ایس پی راجہ الطاف حسین کی ہدایت پر ایس ایچ او ناصر وڑائچ اور سب انسپکٹر غلام مصطفیٰ نے مشترکہ چھاپہ مارا۔ دونوں ملزمان لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ اس دوران فوزی نے فوری طور پر موبائل پر کسی سے فون کرنے

کی کوشش کی مگر ایس ایچ او نے منع کر دیا۔اس چھاپے میں چند اور لوگ بھی موجود تھے جو موج میلہ منا رہے تھے۔ پولیس نے دونوں کے خلاف امتناع منشیات آرڈیننس کے تحت مقدمہ درج کر لیا۔ بعدازاں دونوں کا پولی کلینک اسلام آباد میں طبی معائنہ کروایا گیا۔میڈیکل آفیسر نے فوزی کو شراب کے نشہ میں اور زارا اکبر کو ہوش وحواس کی حالت میں قرار دیا۔بعض اطلاعات کے مطابق زارا کو مے نوشی کے الزام سے بچانے کے لئے اثر ورسوخ استعمال کیا گیا۔فوزی کو چودہ دن کے عدالتی ریمانڈ پر جیل بھجوا دیا گیا۔جبکہ سٹی مجسٹریٹ اسلام آباد ملک ظفر اقبال اعوان نے فوری طور پر زارا اکبر کو پچاس ہزار روپے کے مچلکے داخل کرانے پر ضمانت پر رہا کر دیا۔جبکہ انسپکٹر نے عدالت میں بیان دیتے ہوئے کہا تھا کہ ڈاکٹر نے اپنی رپورٹ میں زارا اکبر کو حاملہ قرار دیا ہے۔

زارا اکبر کے والد میاں اکبر نے کہا کہ پارٹیوں میں سب شراب پیتے ہیں' میری بیٹی زارا نے پی لی تو کون سا جرم کیا؟

زارا اکبر کے گھر واقع بیدیاں روڈ کینٹ سے جب رابطہ کیا گیا تو ان کی والدہ نے جو سیاہ دھوتی کرتہ پہنے ہوئی تھیں کہا: ''مجھے نہیں معلوم کہ آخر میری بیٹی کس جرم میں گرفتار ہوگئی؟'' پھر کچھ دیر توقف کے بعد وہ اپنے مخصوص لہجے میں بولیں: ''کڑی تے کم تے گئی سی کیڑے نامراداں پھڑ لیا؟''

اداکارہ زارا اکبر کا کہنا ہے کہ میرے خلاف اس لئے کاروائی ہوئی کہ میں نے چھاپہ مارنے والوں کی بات نہیں مانی۔ اگر کوئی میرے عشق میں خود بخود مبتلا ہو جائے تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟

پھر زارا نے بتایا۔ ''میں نے شراب نہیں پی ہوئی تھی لیکن میں دعوے سے کہتی ہوں کہ ایسا کون ہے جو شراب نہیں پیتا؟ مجھے بتائیں کتنے وزیر، کتنے ایم این اے اور کتنے ایم پی اے ہیں جو شراب سے شغل نہیں کرتے۔ پولیس نے جن لوگوں کے کہنے پر میرے گھر چھاپہ مارا ہے انہی میں سے ایک نے لاہور میں 17 دسمبر 1996 کو میری سالگرہ کی پارٹی پر آنے میں یہ شرط عائد کی تھی کہ میں انہیں سوڈے کی بول میں شراب ملا کر پلاؤں۔ میں نے انکار کیا مگر وہ نہ مانے۔''

زارا اکبر نے مزید کہا۔ ''شراب تو آج کل سب ہی تھوڑی بہت پیتے ہیں اور اسلام آباد میں ویسے بھی اکثر مقامات پر شراب چلتی ہے۔ دراصل وہ جب مجھ سے بات کر رہے تھے تو ان کی ہولناک نظریں میرے گریبان سے اندر سینے کے زیر و بم پر جمی ہوئی تھیں۔ چنانچہ ان کی نظروں کا اشارہ بھانپ کر میں نے انکار کر دیا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ میں ان کے ساتھ ہم بستری کر لوں۔''

ضمانت پر رہا ہونے کے بعد اخبار نویسوں سے باتیں کرتے ہوئے اداکارہ زارا اکبر نے مزید کہا کہ وہ ایک روشن خیال اور حقیقت پسند لڑکی ہے جو موجودہ سماج میں رائج تمام روایات سے نمٹنے کا حوصلہ رکھتی ہے۔ زارا نے بتایا کہ اسے اس واقعے سے قطعاً کوئی شرمندگی نہیں ہے کیونکہ ہمیں ایسے واقعات سے اکثر گزرنا پڑتا ہے۔ پھر اس میں شرمندگی کی کون سی بات ہے؟

ضمانت پر رہا ہونے کے بعد زارا اکبر فوری طور پر لاہور آگئی اور اگلے دن پھر صبح کی پرواز سے واپس اسلام آباد چلی گئی۔ اس دن اسلام آباد میں ایک وفاقی وزیر کے ساتھ زارا اکبر نے ان کے دفتر میں صبح 9 بج کر 10 منٹ پر ملاقات کی اور کہا کہ آپ جج صاحب کو فون کریں کہ جمعرات کو ہر حال میں میری سہیلی فوزی کو رہا کر دیں ورنہ برا ہوگا۔

اس کے بعد زارا اکبر تھانہ کوہسار اسلام آباد گئی اور جمعرات کو ہونے والی سماعت کے بارے میں پولیس آفیسر سے کہا کہ وہ صبح سویرے ریکارڈ لے کر آئیں تاکہ فوزی کی ضمانت ہو جائے۔ جیل میں اگر فوزی کو کچھ ہوا یا کسی نے اس کے ساتھ جنسی کاروائی یا زیادتی کی کوشش کی تو میں اوپر تک جاؤں گی۔

ضمانت کی منظوری کے بعد تفتیشی آفیسر نے دونوں لڑکیوں کو مجسٹریٹ کے ریٹائرنگ روم میں بلایا اور وہاں سے ان کو گھر بھجوا دیا۔ زارا اکبر کو فوزی کے دوست اپنی کار میں لے گئے اور جبکہ ایک اور نئے ماڈل کی کار میں فوزی کو جیل پہنچا دیا گیا۔ نیز زارا اکبر کو رات کے وقت ویمن تھانہ میں ایک تفتیشی آفیسر کے کمرے میں رکھا گیا جہاں پر اس کے پاس موبائیل فون اور دیگر پرتکلف خورد و نوش کی اشیاء موجود تھیں۔ تمام رات وہ ایک ''مہمان خانے'' میں رہیں۔ ان کے لئے صبح کا ناشتہ ایک فائیو اسٹار ہوٹل سے منگوایا گیا۔

اس واقعہ پر اپنا ردعمل ظاہر کرتے ہوئے اس وقت کے وزیر داخلہ چودھری شجاعت حسین نے کہا کہ جس کام پر پولیس نے زارا اکبر اور فوزی کاظمی کو گرفتار کیا یہ کام کہاں نہیں ہو رہا اور کون نہیں کر رہا؟ انہوں نے کہا کہ یہ بڑی زیادتی ہے یہ نہیں ہونا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے اس آپریشن کے لئے نہیں کہا تھا۔ خدا جانے یہ کس کے کہنے پر کیا گیا؟ انہوں نے کہا کہ یہ جوڑا نہ تو کسی کو تنگ کر رہا تھا اور نہ ہی وہ کوئی جرم کر رہے تھے نہ ہی انہوں نے غل غپاڑہ کیا ہے اور نہ ہی امن و امان کا کوئی مسئلہ پیدا کیا ہے۔ اس لئے ان کی پرائیوٹ جگہ پر چھاپہ مارنا درست نہیں بلکہ پولیس نے انہیں خوفزدہ کر کے خود جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ ان

سے زیادتی ہوئی ہے میں کراچی سے واپسی پر اس سلسلہ میں وزیر اعظم میاں نواز شریف سے بات کروں گا۔

زارا اکبر نے کہا کہ چودھری شجاعت حسین نے میرے جذبات کی ترجمانی کی ہے مجھے ان کے بیان سے خوشی ہوئی ہے کیونکہ شراب کون نہیں پیتا؟ پکڑنے والے اپنے گریبان میں جھانکیں۔ انہوں نے کہا کہ ایس ایچ او نے مجھ سے معذرت کی ہے۔ دریں اثناء حکومت نے ایس ایچ او کو جنوبی افریقہ ڈیپوٹیشن پر بھجوا دیا جہاں وہ سرکاری فرائض سرانجام دیں گے۔

زارا اکبر اور فوزی کاظمی کو شراب نوشی کی حالت میں گرفتاری کو شوبز سے تعلق رکھنے والے افراد نے سیاسی انتقام قرار دیا۔ ان حلقوں کے مطابق اسلام آباد میں شراب نوشی کثرت سے کی جاتی ہے اور اس سے قبل بے شمار فنکار بھی نشہ کی حالت میں گرفتار ہو کر رہا ہو چکے ہیں لیکن کبھی کسی فنکار کی اتنی کردار کشی نہیں کی گئی۔

ضمانت کے بعد زارا اکبر دبئی چلی گئی جہاں بطورِ کلب ڈانسر ملازمت اختیار کر لی۔ کچھ عرصہ قبل وہ واپس لوٹ آئی اور آج کل دوبارہ ٹی وی اور اسٹیج ڈراموں میں نظر آ رہی ہے۔

ارباب غلام رحیم

ڈاکٹر ارباب غلام رحیم سابق وزیراعلیٰ وزارت کے دوران خوب دولت سمیٹتے رہے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ دولت مندوں کو عیش کرانا تھا۔ خوبصورت اور جوان عورتوں کا بندوبست کر کے سرمایہ داروں کی راتوں کو رنگین بنانے کا کام سنبھالا ہوا تھا۔ اس طرح وہ اپنی دولت میں خوب اضافہ کر رہا تھا۔

اس کے دور کا ایک واقعہ تھر کے علاقے میں بہت مشہور ہوا تھا۔ تھر کی دو کمسن لڑکیاں عرب شیوخ کو پیش کی گئیں۔ دو دن بعد دونوں لڑکیوں کی موت واقع ہوگئی۔ اس پر اس علاقے میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی مگر ایک وڈیرے سے ٹکر لینا غریبوں کے بس کی بات نہیں تھی اس لئے یہ معاملہ جلد ہی دب کر رہ گیا۔ دونوں لڑکیاں غریب گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔

کہتے ہیں کہ ارباب رحیم کا یومیہ خرچہ 17 لاکھ روپے کے لگ بھگ تھا۔ اس کے اردگرد خوشامدیوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ اس کے دورِ وزارت میں حسین و خوبرو لڑکیاں غیر ممالک کے عیش پرست لوگوں کے ہاتھ فروخت کی جاتی تھیں اور ان کے عوض خوب زرمبادلہ کمایا جاتا تھا۔ اس کا یہ کاروبار آس پاس کے ممالک میں بہت بڑے پیمانے پر پھیلا ہوا تھا۔

اپنی پراگندہ شخصیت کو اجاگر کرنے والے ارباب رحیم ذہنی طور پر مادر پدر آزاد معاشرے اور کھلے ڈھلے جنسی تعلقات کے حامی اور داعی ہیں۔ اس کا خیال ہے کہ سوسائٹی میں انسان کو کسی قسم کی پابندی قبول نہیں کرنی چاہی۔ اسے اپنے سفلی جذبات کی تسکین اور جسمانی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ہر وقت ہر حربہ استعمال کرنے کا حق ہے۔

ارباب رحیم ایک کینہ پرور ذہن کا مالک تھا۔ وہ ہمیشہ اپنی ٹیم کے اعلیٰ افسروں کو خوش کرنے کے لئے نئے نئے ہتھکنڈے استعمال کرتا تھا تاکہ اپنے اثر و رسوخ اور سیاسی طاقت کے لحاظ سے پاکستان کی ممتاز شخصیت بن جائے بلکہ عوامی مقبولیت کے لحاظ سے بھی اس کا نہ صرف سندھ میں کوئی ثانی نہ ہو بلکہ پاکستان بھر میں بھی اس کی پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا جائے۔

وہ اپنے علاقے میں ایک آمر وڈیرہ سمجھا جاتا تھا اور دوسرے آمروں کی طرح چاہتا تھا کہ اس کی ہر بات کو "حکم شاہی" سمجھا جائے اور اس کی بے چون و چرا تعمیل کی جائے۔ اس کے دلال گاؤں گاؤں حسین و جمیل دوشیزاؤں کی تلاش میں بھٹکتے پھرتے تھے جہاں کسی خوبصورت لڑکی کے بارے میں اطلاع ملتی وہ دلال اپنے صاحب کو مطلع کرتے۔ پھر صاحب یعنی ارباب

رحیم اس خوبصورت لڑکی کے باپ سے لڑکی کا سودا کرتا۔ انکار کی صورت میں وہ آپے سے باہر ہو جاتا۔ اس کے شیطانی دماغ میں ایک اسکیم ہوتی تھی جس کی وجہ سے ایک طرف تو وہ لڑکی کے والد سے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینا چاہتا تھا اور دوسری طرف حکم عدولی کی سزا دینا چاہتا تھا۔

وہ اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مناسب موقع کی تلاش میں رہتا۔ پھر بیٹھے بیٹھے لڑکی کے والد کو بلا کر تحکمانہ لہجے میں مخاطب کرتا۔ ''میرو! تم شاید اپنی اصلیت بھول چکے ہو تم ایک معمولی ہاری ہو جسے میں نے زمین سے اٹھا کر آسمان پر بٹھا دیا ہے لیکن اب مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ میں تمہیں پہچاننے میں سخت غلطی کا مرتکب ہوا ہوں۔''

''مائی باپ میرا غلطی، میرا قصور..........؟'' لڑکی کا باپ دونوں ہاتھ جوڑ کر نظریں جھکائے ہوئے نہایت دھیمی آواز میں پوچھتا۔

''تم نے میرا دل توڑ دیا ہے۔ تم نے میری بے عزتی کی ہے۔ میں تمہیں اپنا وفادار سمجھتا تھا لیکن تم نے میری مہربانیوں کا یہ صلہ دیا ہے کہ ایک حقیر لڑکی کی خاطر میری پیشکش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے اور میری بے عزتی کے مرتکب ہوئے ہو۔''

''مگر سائیں! لڑکی کی منگنی ہو چکی ہے۔'' باپ عاجزی سے کہتا۔

''کیا کہا لڑکی کی منگنی ہو چکی ہے یعنی ہماری بات سے زیادہ برادری کی اہمیت ہے۔ تم ایک محسن کش انسان ہو۔ تم نے لڑکی کا سودا نہ کر کے میری قربانیوں کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے۔ میں تمہیں اس کی سزا دوں گا۔''

انہوں نے دورِ وزارت میں ایسے ہی مجبور لوگوں کو حیلے بہانوں سے ورغلا کر ان کی کمسن لڑکیوں اور کم عمر خوبصورت بیویوں کو لالچ کے جال میں پھانس لیا۔ پھر غیر ممالک کے عیاش لوگوں کے ہاتھوں بیچ ڈالا۔ اس طرح اس کے گھناؤنے کاروبار کے ذریعے کروڑوں روپیہ کما لیا۔

یہ ہمیشہ ہمارے ملک کی بدقسمتی رہی ہے کہ اس میں اونچے طبقات کی اکثریت مسلمانوں جیسے نام رکھنے کے باوجود اسلام کے ہر شعار کا مذاق اڑانے اور کافرانہ طرزِ عمل پر اصرار

کرنے سے باز نہیں آتی۔ نہ ان میں اتنی جرأت ہے کہ کھلے عام اسلام کا انکار کر دیں اور نہ اتنی شرم و حیا کہ اسلام کا مذاق اڑانے کی ریت ترک کر دیں۔

تھر میں دو معصوم لڑکیوں کی لاشیں اس بات کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں کہ ارباب رحیم کیا ہیں؟ اس اسکینڈل کی وجہ سے تھر کے علاقے میں کہرام مچ گیا تھا اور ان کے خلاف غم و غصے کی لہر دوڑ گئی تھی۔ ہزاروں لوگ احتجاج کے لئے سڑکوں پر نکل آئے تھے مگر شاباش ہے اس وزیراعلیٰ کے کہ اپنے کئے پر نہ پریشان ہوئے نہ پشیمان۔ سچ کہا ہے لکھنے والوں نے کہ متاعِ کارواں کا لٹ جانا تو ویسے بھی قابل افسوس ہوتا ہے مگر احساس زیاں کا کھو جانا اس سے بھی بڑا المیہ ہے۔

مندرجہ بالا واقعے نے پوری قوم کا سر شرم سے نیچا کر دیا ہے۔ اس واقعہ کے بعد سابق وزیراعلیٰ ارباب رحیم کا سخت ترین محاسبہ ہونا چاہئے تھا مگر محاسبہ کون کرتا؟ بدقسمتی سے حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف میں ایک ہی قدر مشترک ہے اور وہ ہے مغربی تہذیب کی نقالی اور محبت .... ایسے عناصر نے تو وزیر موصوف کے اس ''سیاہ کارنامے'' پر سکھ کا سانس لیا ہوگا۔

سیّد مشاہد حسین

سیّد مشاہد حسین نے اداکارہ فریال گوہر سے دوستی رکھی اور انہیں پروموٹ کرتے رہے۔ مشاہد حسین کراچی آمد سے قبل خواتین خصوصی طور پر پہنچائی جاتی تھیں۔ جہاں مشاہد حسین

سمیت سابق وفاقی وزیر کیپٹن (ر) حلیم صدیقی سمیت کئی سیاست دان اور اعلیٰ افسران اپنی ''تھکاوٹ'' اتارنے آیا کرتے تھے۔

مشاہد حسین نے اپنی وزارت کے دورت میں اپنی رنگینیوں میں بے پناہ اضافہ کیا اور خصوصاً اداکارہ مدیحہ شاہ، روپ، نرگس اور ناری پر شاہ صاحب بے حد مہربان تھے۔ یہ اداکارائیں اکثر شاہ صاحب کی

اداکارہ روپ

اداکارہ مدیحہ شاہ

محفلیں رنگین بنایا کرتی تھیں۔ مشاہد حسین جب بھی کراچی جاتے علیم عادل کی خفیہ پناہ گاہوں میں خاص محفلیں سجا کرتی تھیں۔ شاہ صاحب کی خدمت کرنے والوں میں ایک خاص نام غلام مصطفیٰ کھر کی صاحبزادی اور معروف ماڈل گرل آمنہ حق کا بھی ہے جو کبھی شاہ صاحب کو اداس نہیں ہونے دیتی تھی۔

فیصل صالح حیات
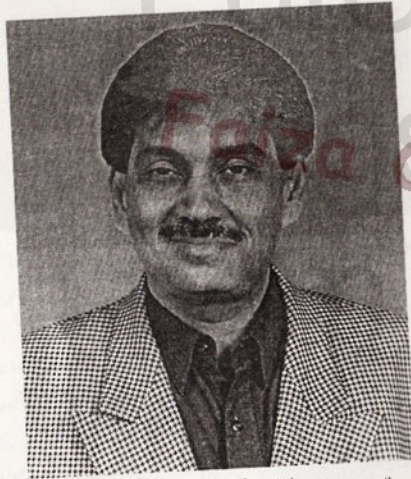
بینظیر جب طویل جلاوطنی کی زندگی بسر کرنے کے بعد واپس وطن پہنچیں تو جن لوگوں نے ان کے قدم سے قدم ملائے ان میں فیصل صالح حیات بھی شامل تھے۔ ان کا شمار بینظیر کے

انتہائی قریبی ساتھیوں میں ہوتا تھا۔ اسی قربت کے باعث یار لوگوں نے بینظیر اور فیصل صالح حیات میں شادی کی افواہیں اڑانا شروع کر دی تھیں۔

فیصل صالح حیات کا اصل معاشقہ معروف ٹی وی آرٹسٹ خالدہ ریاست کے ساتھ چلا۔ خالدہ ریاست نے ایک عرصہ تک فیصل صالح حیات کے دل پر حکومت کی لیکن ایک اداکارہ کی ایک جاگیردار سے محبت کتنے روز تک چل سکتی تھی۔ خالدہ ایک پڑھی لکھی خاتون تھی۔ فیصل نے روایتی بے وفائی سے کام لیا تو بے چاری کینسر جیسے موذی مرض کا شکار ہوگئی۔ خالدہ نے اپنے آخری ایام نہایت کربناک عالم میں بسر کئے۔ یار لوگوں کا کہنا ہے کہ خالدہ پر جتنی تکالیف آئیں ان سب کا ذمہ دار فیصل صالح حیات ہے۔

نیلوفر بختیار

گذشتہ دورِ حکومت میں اس بات پر بے حد زور دیا گیا کہ پاکستان میں روشن خیالی اور اعتدال پسندی کو فروغ دیا جائے۔ دراصل مذہبی انتہا پسندی ختم کر کے امریکی ایجنڈے کی تکمیل

میں صدر مشرف نے جدت پسندی، روشن خیالی اور معتدل پاکستان کے الفاظ اس تواتر سے استعمال کئے اور خاص طور پر میڈیا کے سامنے ان لفظوں کو اس قدر استعمال کیا کہ ہر پاکستان ان الفاظ کا عادی ہوگیا مگر پاکستانیوں کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ نئی اصطلاحیں صرف اس لغت میں اضافے یا ان الفاظ کو لوگوں میں متعارف کروانے کے لئے ہی استعمال نہیں ہو رہیں بلکہ ان کے پیچھے ایک گھناؤنا منصوبہ کارفرما ہے۔ یہ منصوبہ دراصل امریکہ کے شیطانی دماغوں کا تشکیل دیا ہوا تھا اور اس کی رو سے پاکستان میں اسلام اور اس کی تعلیمات کو بتدریج ختم کرتے ہوئے لوگوں کو مغربی مذہب کے قریب لانے کے لئے اقدامات کئے جائیں۔

اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ مذہب اور دین سے دوری اختیار کرتے ہوئے بے دینی کی طرف راغب ہو جائیں۔ چنانچہ نہ صرف روشن خیال پاکستان کی تشکیل کے لئے سابق حکومت نے بھرپور اقدامات کئے بلکہ ذرائع ابلاغ اور مخلوط تقریبات سے عریانی و فحاشی کی ایسی مثالیں قائم کی گئیں جو پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی تھیں۔ اسی منصوبے پر کام کرتے ہوئے پاکستان میں عورتوں کی آزادی اور انہیں زیادہ سے زیادہ آزادی دینے کی کوشش کی گئی تاکہ پاکستان میں مغرب

کی طرح عورتیں آزادانہ طور پر جو چاہیں کرتی پھریں اور کسی طرح کی روک ٹوک ان پر نہ ہو۔

حکومت کی انہی پالیسیوں کا نتیجہ تھا کہ پاکستان میں عورتیں اس قدر بے باک اور نڈر ہو گئیں کہ انہوں نے ہر حد کو پار کرنا جدت پسند اور ترقی یافتہ نظر آنے کا طریقہ سمجھ لیا حتیٰ کہ وفاقی حکومت میں شامل وزراء خواتین بھی کسی سے پیچھے نہ رہیں۔ نیلوفر بختیار وہ خاتون ہیں جنہیں سابقہ دور میں اپنے آزاد نظریات اور بے باک رویے کی وجہ سے خاص شہرت حاصل ہوئی۔ اس خاتون کی اسی شہرت کو دیکھتے ہوئے مسلم لیگ (ق) کے عیاش رہنماؤں نے اسے پارٹی میں آگے بڑھنے کے بھرپور مواقع فراہم کئے اور اسے سیاحت کی وفاقی وزیر کے منصب پر فائز کر دیا گیا۔

نیلوفر بختیار نے نہ صرف اس عہدے کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے اپنے اور اپنے خاندان کے لئے مراعات حاصل کیں بلکہ عریانی و فحاشی کو عام کرنے میں بھی پیش پیش رہیں۔ ذرائع کے مطابق نیلوفر بختیار نے اپنے متعدد عزیزوں کو سرکاری خزانے پر ملکی اور بین الاقوامی سیاحتی مقامات کی سیر کروائی اور طویل قیام کے دوران انہیں اعلیٰ مراعات بھی فراہم کیں۔ ان تمام اخراجات کو ملکی خزانے سے ادا کیا گیا۔ ملکی سطح پر اس ”کھلی ڈلی“ وزیر نے متعدد ایسے میلے منعقد کروائے جن میں سیاحت کو فروغ دینے کے نام پر مخلوط محفلیں منعقد کروا کر غیر ملکی مہمانوں کے ساتھ بے ہودگی اور فحاشی پر مبنی سرگرمیاں انجام دی جاتی رہی ہیں۔ ان تقریبات میں نہ صرف غیر ملکی افراد کے لئے شراب و شباب مہیا کیا جاتا بلکہ انہیں کھل کر اپنی مغربی تہذیب کے اظہار کا موقع دیا جاتا۔ یہی نہیں بلکہ ان غیر ملکی مہمانوں کی تقلید میں اور ان کے سامنے خود کو ترقی پسند اور روشن خیال ثابت کرنے کے لئے نیلوفر بختیار اور ان کے خاص مہمان جن میں خواتین کی بڑی تعداد شامل ہوتی ان محفلوں میں بالکل اسی طرح گھل مل جاتے جیسے ان کے غیر ملکی مہمان کر رہے ہوتے۔

بات یہیں تک رہتی تو شاید عام پاکستانی اپنی اس روشن خیال اور ترقی پسند وزیر کے کارناموں سے بے خبر ہی رہتے مگر اس بے باک اور نڈر خاتون وزیر نے ایک ایسا ''کارنامہ'' انجام دیا۔ جس نے نہ صرف نیلوفر بختیار کے ''کرتوت'' قوم کے سامنے کھول کر رکھ دیئے بلکہ اس کی وجہ سے پوری پاکستانی قوم کا سر بھی شرم سے جھک گیا۔ ہوا یوں کہ نیلوفر بختیار کو جب سے سیاحت کی وزارت ملی تھی وہ اسے اپنے تمام شوق پورے کرنے اور غیر ملکی افراد کے ساتھ تعلقات استوار کرنے کے لئے استعمال کر رہی تھی۔ چنانچہ اس کی ملاقات ایک ایسے غیر ملکی انسٹریکٹر سے ہوئی جو ہوائی جہاز سے پیراشوٹ کے ذریعے چھلانگ لگا کر زمین پر اترنے کا ماہر تھا۔ جلد ہی اس شخص

کی نیلوفر بختیار سے دوستی ہوئی اور اس نے نیلوفر بختیار کو پیراشوٹ جمپنگ کی خصوصی تربیت دینے کی حامی بھر لی۔

شوق کی ماری اس بے باک پاکستانی خاتون وزیر نے اپنے اس غیر ملکی انسٹرکٹر کی بانہوں میں قربت کے مزے لیتے ہوئے فضا سے پیراشوٹ کے ذریعے زمین پر آنے کی تربیت لینی شروع کر دی۔ اس خاتون نے ایک پاکستانی اور مسلمان ہونے کی تمام حدود کو بھلا کر اپنی اصل فطرت ظاہر کرتے ہوئے ایسی فضائی چھلانگیں لگائیں جن کے دوران وہ پوری طرح اپنے اس غیر ملکی انسٹرکٹر کے ساتھ چپکی ہوئی ہوتی۔۔ نیلوفر بختیار نے اسی پر بس نہیں کی بلکہ اس شوق کا مظاہرہ عوام کے سامنے کرنے کی ٹھان لی۔

نیلوفر بختیار کے قریبی حلقوں نے اسے سمجھانے کی کافی کوشش کی کہ عوام کے درمیان ایسا مظاہرہ کسی طور پر مناسب نہ ہوگا اور یہ کھلم کھلا عوامی غیض وغضب کو دعوت دینے والی بات ہوگی مگر نڈر نیلوفر بختیار نے کسی کی نہیں سنی اور اپنے اس غیر ملکی دوست کے ساتھ پیراشوٹ کے ذریعے چھلانگ لگانے کا عوامی مظاہرہ کرنے پر بضد رہی۔ بالآخر اس نے اپنی اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایسا گھناؤنا منصوبہ بنایا جو اخلاقی اور معاشرتی لحاظ سے انتہائی نامعقول تھا۔ نیلوفر بختیار نے زلزلہ زدگان کے لئے چیریٹی فنڈ حاصل کرنے کے نام پر یہ ''چھلانگ'' لگانے کا فیصلہ کیا۔ جب یہ خبر اخبارات اور ٹی وی چینلز کے نمائندوں کو ملی تو وہ کافی حیران ہوئے تاہم اس حیرت انگیز واقعہ کی کوریج کے لئے ملکی اور غیر ملکی میڈیا کے لوگ پہنچ گئے۔

وفاقی وزیر سیاحت نیلوفر بختیار نے ان میڈیا کے نمائندوں کے سامنے ہوائی جہاز سے پیراشوٹ کے ذریعے ''چھلانگ'' لگا دی۔ ایسی حالت میں کہ وہ خود پیراشوٹ جمپنگ کے لئے مخصوص انتہائی چست ٹراؤزر اور جیکٹ پہنے ہوئی تھی اور اس کے غیر ملکی انسٹرکٹر دوست نے اسی لباس میں نیلوفر بختیار کو پیچھے سے پوری قوت کے ساتھ اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔ فضا سے زمین تک آنے تک کا سفر دونوں نے اسی حالت میں ایک دوسرے کو بھینچتے ہوئے طے کیا بلکہ نیلوفر بختیار

"ڈر" کی وجہ سے اپنے دوست کو مضبوطی سے تھامنے کے لئے کہتی رہی اور وہ اسے نعمت سمجھ کر اپنی گرفت مضبوط کرتا رہا۔

میڈیا کے نمائندوں نے اس چھلانگ کی بھرپور کوریج کی اور غیر ملکی ٹی وی کیمروں نے ایک ایک منظر کو فلم بند کیا۔ چھلانگ لگا کر زمین پر اترنے کے بعد بھی ہماری وفاقی وزیر کا دل نہیں بھرا تھا بلکہ شاید وہ اس پر انتہائی رنجیدہ تھی کہ فضا سے زمین تک کا یہ قربتوں بھرا سفر ختم کیوں ہوگیا کیونکہ ہماری اس انتہائی بے باک خاتون وزیر نے زمین پر اترتے ہی پیراشوٹ کی رسیوں سے خود کو آزاد کیا اور پھر ساری دنیا کے کیمروں اور میڈیا کے لوگوں کی پرواہ کئے بغیر دوڑ کر اپنے انسٹرکٹر سے لپٹ گئی۔

اس منظر کو دیکھ کر وہاں اکثر پاکستانیوں کی نظریں جھک گئیں مگر اس بے شرم وزیر کو قطعاً شرم نہ آئی اور اس نے اپنے انسٹرکٹر کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اس سرور سے سرشار ہونے کا مژدہ سنایا جو اس "چھلانگ" کے دوران اس پر طاری رہا تھا۔ نیلوفر بختیار نے تو اپنی بے ہودگی اور بے باکی کا شرمناک مظاہرہ کر دیا مگر اس کے بعد میڈیا میں جب اس واقعہ کی بھرپور کوریج ہوئی اور پاکستانی

اخبارات میں ہماری اس "بولڈ" وزیر کے کارناموں کی رنگین تصاویر شائع ہوئیں تو ملک بھر میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ ملک بھر کی مذہبی تنظیموں نے اس پر شدید غم وغصہ کا اظہار کیا اور نیلوفر بختیار کو وزارت سے ہٹانے کے لئے احتجاج شروع کر دیا۔

باخبر ذرائع کا کہنا ہے کہ حکومتی حلقوں نے بھی اپنی اس بے باک وزیر کی "چھلانگ" کو پسند نہیں کیا اور اسی لئے مذہبی حلقوں کی طرف سے اعتراضات کا جواب دینے یا وضاحت کرنے کی کسی حکومتی عہدیدار نے زحمت نہیں کی۔ عوامی سطح پر بھی اس "کھلی ڈلی" وزیر کے لئے غم وغصہ پایا گیا اور یہ وزیر جہاں جاتی اس سے اس غیر ملکی انسٹرکٹر دوست اور اس کے ساتھ چپک کر لگائی "چھلانگ" کی بابت دریافت کیا جاتا۔ نتیجتاً جب عوامی اور مذہبی حلقوں کا دباؤ حد سے بڑھ گیا اور نیلوفر بختیار کو مسلم لیگ (ق) کی طرف سے بھی کسی قسم کی کوئی سپورٹ نہ ملی تو اسے مجبوراً اپنی وزارت سے مستعفی ہو کر اپنی جان چھڑانا پڑی۔

اس بے باک عورت کو شرم پھر بھی نہیں آئی بلکہ وہ یہی کہتی رہی کہ میری اپنی جماعت نے میرا ساتھ نہیں دیا ورنہ ان مذہبی تنظیموں کو تو میں اپنی جوتی کی نوک پر رکھتی ہوں۔ نیلوفر بختیار نہ صرف مذہبی تنظیموں کو جوتی کی نوک پر رکھتی ہے بلکہ مذہبی تعلیمات پر بھی غور کرنا گوارا نہیں کرتی لیکن اس کی بے باکی اور بے شرمی نے اس سے ایک ایسی "چھلانگ" لگوا دی جو اسے سیاست کی گہری کھائی میں ضرور لے گئی۔

محمد علی درانی

محمد علی درانی بقول چودھری اعتزاز احسن ''محمد علی عرف غلط بیانی'' کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ان کا تعلق محکمہ اطلاعات ونشریات سے تھا۔ وہ خوشامدی کے فن میں خوب ماہر تھے۔ وزارت کے دوران ہمہ وقت دولت کے لوٹ کھسوٹ میں لگے رہے۔

محمد علی درانی میں سیاست دانوں والی کوئی خوبی نہیں تھی، نیز ان کو کوئی سیاسی تجربہ تھا بلکہ سیاست سے زیادہ وہ جنس کا شوقین تھا۔ ان کی جنسی خواہشات کی کوئی حد نہیں تھی۔ بہت کم عمری

میں بہت سی حسینائیں اس کے دامِ الفت کا شکار تھیں اور جنسی سرگرمیاں اس کی تفریح کا حصہ تھیں۔

اپنی وزارت کے کچھ ہی عرصے بعد وہ ایسے سرگرم عاشق کے نام سے مشہور ہو چکا تھا جو ہر طبقے کی عورت کو اپنی ہوس رانی کا شکار بنا لیتا تھا۔ نرم و نازک گداز بدن درانی کی بنیادی کمزوری تھا۔ صحت مند، تروتازہ بھرا بھرا جسم دیکھتے ہی منہ سے رال ٹپکنا شروع ہو جاتی تھی۔ خاص طور پر وہ خواتین کی چھاتیوں کا عاشق تھا اور اسے فلمسٹار صائمہ بے حد پسند تھی کیونکہ صائمہ کے سینے کا اٹھان واقعی قیامت خیز تھا۔

ایک رپورٹ کے مطابق محمد علی درانی بدعنوانیوں کے شرمناک واقعات میں سرفہرست تھا۔ کروڑوں کی رقم سیاسی رشوت کے طور پر وصول کی۔ قومی خزانے سے لوٹ کھسوٹ میں بھرپور

حصہ لیتا رہا اور خوشامدی و چاپلوسی میں پیش پیش رہا۔ وزارت کے دوران حکومت کے لئے خوشامدانہ بیانات دے کر بڑا مال کمایا۔ ہمیشہ حقیقت پسندی کا مخالف رہا اور اپنی اسی خصوصیت کی بدولت ایک مشہور و معروف شخصیت سے ''غلط بیانی'' کا نام پایا۔

ایک معروف اخبار نویس لکھتے ہیں کہ درانی اپنی نوعمری کے دور میں زبردست ٹھاٹ دار لباس پہنتے تھے۔ جلد ہی شراب اور خوبصورت لڑکیوں میں دلچسپی کا مشغلہ بھی اختیار کر لیا۔ ان کی عادات ایسی تھیں جن میں شراب نوشی اور ہر رات ایک نئی لڑکی کے ساتھ رات بسر کرنا شامل تھا۔ اس دور میں وہ اکثر خوبصورت لڑکیوں کا پیچھا کیا کرتے تھے۔ جب وہ وزیر بن کر اسلام آباد پہنچا تو انہیں ایک عیاش تماش بین شخص کے طور پر شناخت کر لیا گیا۔ اس بناء پر وہ اسلام آباد کے آزاد فیشن ایبل گھرانوں میں رونق افروز ہونے لگا۔ اسلام آباد میں بہت سے اعلیٰ افسروں کی بیویوں کے ساتھ رنگ رلیاں منانے کے قصے اور ان کی عشق بازی عروج پر پہنچ گئی۔

وقت وہ تاریخ ہے جس کے لمحوں پر قوموں اور حکمرانوں کے اعمال اور کارنامے حرف بہ حرف رقم ہو جاتے ہیں۔ تاریخ کے ان اوراق کو نہ گردشِ زمانہ مسخ کر پاتی ہے اور نہ نشیب و فراز کی دھول انہیں دھندلا سکتی ہے۔ زوال اگر رہا ہے تو صرف جاہ و چشم کو' عروج اور طاقت کو۔ قیصر و کسریٰ کی حکومتیں ہوں یا فرعون کی فرونیت' قارون کے خزانے ہوں یا شداد کی جنت' اس کارخانہ ہست و بود میں گر ثبات ہے تو صرف فنا کو یا ماضی کو جو اس جہانِ فانی میں قدم قدم ہمراہ ہے اور جہانِ عدم میں نامہ اعمال کی صورت میں نوشتۂ جزا و سزا۔

مکر و فریب کے لبادے میں سیاست کے نام سادہ لوح عوام کی طاقت کا استحصال اور پھر اس طاقت کے بل بوتے پر دولت و ثروت کے تعاقب میں سفید کو سیاہ اور سیاہ کو سفید کرنا' گرگٹ کی طرح رنگ بدلنا' پرانے اتحاد توڑنا' نئے ٹولے بنانا' مستحق کو نظر انداز کرنا' نااہل کو ترجیح دینا' سیاست کی شطرنج میں یہ سب بھیڑ چال کے مہرے ہیں۔ دورِ جدید میں بعض سیاستدانوں نے سیاست کے معنی بدل کر رکھ دیئے ہیں۔ ان کے نزدیک سیاست وہ بزنس ہے جس میں کامیابی کے بعد خسارے یا نقصان جیسے الفاظ کا کہیں وجود نہیں۔ پاکستان کے ماضی قریب نے جاگیردار اور کاروباری حلقوں سے انتخاب کے ناپ پر قیادت کے امانت دار حکمرانوں کی حکمرانیاں دیکھیں' عوام کے خون سے چوسی ان کے چہروں کی لالیاں دیکھیں' کچھ ادائیں دیکھیں' کچھ کج ادائیاں

دیکھیں۔ اگرچہ ان کے بہت سے روپ سامنے آئے مگر یہاں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ

بہت روپ نکلے لیکن پھر بھی کم نکلے

زیرِ نظر سطور میں محمد علی درانی کا اصل کردار ملاحظہ فرمایئے جو خود کو پارسا سمجھتے ہیں اور اپنی پارسائی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان اوراق کی روشنی میں جو کچھ آپ کے سامنے آئے گا وہ اس لئے ضروری ہے کہ پاکستان کے سادہ لوح عوام نعروں' کھوکھلے وعدوں اور خون کی لالیوں سے روشن سرخ نقابوں کے پیچھے اصل چہرے دیکھ سکیں۔ کیا یہ پاکستان کے لئے شرم اور افسوس کی بات نہیں کہ ایسے لوگ جن کی وجہ سے سارا سیاسی نظام اور اس کی ساکھ متاثر ہو رہی ہے۔ لوگوں کا سیاستدانوں سے اعتبار اٹھتا جا رہا ہے اور انہیں جمہوریت سے نفرت ہو رہی ہے۔ کیا یہ لوگ اس قابل ہیں کہ دوبارہ منظرِ عام پر لائے جائیں؟ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ کوئی اور پاکستان کے مفادات کا تحفظ نہیں کر سکتا یا یہ کہ کروڑوں عوام کے مفاد کا خیال نہیں رکھ سکتا تو وہ بہت بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہے۔ آنے والا وقت ثابت کرے گا کہ پاکستانی عوام اور پاکستان کے وقار کے سامنے جان و مال کی قربانیاں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔

حامد ناصر چٹھہ

حامد ناصر چٹھہ جونیجو صاحب کی پارٹی کے ایک اہم رہنما جنہوں نے آج بھی مسلم لیگ جونیجو کا وجود قائم رکھا ہوا ہے ایسے ہی شرفاء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ یحییٰ خاں کی محبوبہ اقلیم اختر عرف جنرل رانی کی بیٹی عروسہ عالم کے ساتھ چودھری صاحب کی جذباتی ملاقاتیں اب کوئی راز نہیں رہیں۔ پیپلز پارٹی کے دورِ حکومت میں جب حامد ناصر چٹھہ کی نہایت قلیل نشستوں والی پارٹی پنجاب میں برسرِ اقتدار تھی تو چودھری صاحب کی سفارش پر ڈپٹی کمشنر گوجرانوالہ نے جنرل رانی کے بیٹے محمد بلال شاہین کو دس کنال اراضی قواعد وضوابط سے ہٹ کر الاٹ کردی۔ محکمہ ہائی ویز کی یہ زمین ننانوے سال کی پٹہ پر دی گئی۔ 15 لاکھ روپے فی کنال کے حساب سے عروسہ عالم کے صدقہ میں بلال شاہین کے سپرد کردی گئی۔

الٰہی بخش سومرو

اکتوبر 1997ء میں قومی اسمبلی کے اسپیکر الٰہی بخش سومرو کی ایک تصویر شائع ہوئی جس میں موصوف ایک مصورہ افشاں شعیب سے گلے مل رہے تھے۔ ایک نوجوان مصورہ سے دن دیہاڑے گلے ملنا پاکستانی معاشرے کے لئے خاصی انوکھی بات تھی۔ ہوسکتا ہے الٰہی بخش سومرو کے لئے یہ معمولی قصہ یا معمول کا عمل ہو لیکن پاکستان کے سیاسی رہنماؤں خاص طور پر اپوزیشن نے اس تصویر کے خوب لتے لئے۔ خاص طور پر علماء کرام نے اس پر جی جان سے لب کشائی کی۔ جے یو آئی کے مرکزی رہنما اور سینٹر حافظ حسین احمد نے یہاں تک کہہ دیا کہ یہ تصویر سورج کی روشنی میں سومرو کی ایک جھلک ہے۔ قوم خود ہی سوچ لے کہ نیم تاریک کمروں میں کیا ہوتا ہوگا؟

اعجاز الحق

مسلم لیگ کے سینئر نائب صدر اعجاز الحق کے بارے میں انکشاف ہوا ہے کہ ان کے اداکارہ ارم حسن سے تعلقات رہے ہیں۔ جسے اعجاز الحق کو ایک معروف اخبار نویس نے تحفے میں پیش کیا تھا۔ یہ انکشاف اخبار میں شائع ہونے کے باوجود جناب اعجاز الحق نے نہ تو اس کی تصدیق کرنا مناسب سمجھی اور نہ ہی تردید۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ ان کے والد کے قریبی شخص کا کہنا ہے کہ جنرل ضیاء الحق نے ملک بھر میں فحش فلموں کے خلاف انتظامیہ کو خصوصی مہم چلانے کا حکم دیا تھا اور

بعض دفعہ موصوف مذکورہ پکڑی جانے والی فلمیں منگوا کر بڑے انہماک سے دیکھتے اور اس پر اپنی مادری زبان میں تبصرے کرتے تھے۔

نواز شریف کی آٹو بائیوگرافی ''ماڈل ٹاؤن کا بیٹا'' میں ایم شریف لکھتے ہیں:

''جنرل ضیاء الحق کبھی کبھی ایوانِ صدر سے پراسرار طور پر غائب ہو جاتے۔ ایک دفعہ جنرل صاحب کے سیکیورٹی افسر نے میاں نواز شریف کو بتایا کہ وہ ایوانِ صدر سے غائب ہو کر بیگم عطیہ عنایت اللہ کی پناہ میں چلے جاتے ہیں۔''

اداکارہ وگلوکارہ ارم حسن گانا گاتے ہوئے

یہ امر قابل ذکر ہے کہ اسلام کے نام پر پاکستان پر گیارہ برس تک حکمرانی کرنے والے موصوف کے دورِ حکومت میں پہلی دفعہ پاکستانی اداکارہ انیتا ایوب نے عالمی مقابلہ حسن میں شرکت کی اور کراچی کے ایک ہوٹل میں فیشن شو کے نام سے مقابلہ حسن منعقد کیا گیا اور پاپ میوزک کو بھی انہی کے دور میں فروغ حاصل ہوا۔ یہاں تک کہ پاکستان ٹیلی ویژن پر لڑکے اور لڑکیوں کے مشترکہ ڈانس دکھائے جانے لگے۔ تاہم بعدازاں مذہبی جماعتوں کے پرزور احتجاج پر پی ٹی وی میں دوپٹہ پالیسی کا انعقاد ہوا اور لچر پروگراموں پر عارضی طور پر پابندی عائد کر دی گئی۔

شیخ رشید

شیخ رشید احمد نے متوسط گھرانے میں آنکھ کھولی۔ زمانہ طالب علمی سے ہی سیاست میں دلچسپی لینا شروع کر دی۔ تحریک نظامِ مصطفیٰ میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں لیکن جب اس غریب زادے کے ہاتھ اقتدار آیا تو اس نے بھی عیاشیوں کے وہ سب ریکارڈ توڑ ڈالے جوان

لوگوں نے قائم کئے تھے' دولت جن کے گھر کی لونڈی تھی۔ بالی وڈ اداکاراؤں سے لے کر اسلام آباد کی مخصوص محفلوں کو رنگین بنانے والی جسم فروش کسی عورت کا نام اٹھا کر دیکھ لیجئے اس کی زندگی کے کسی نہ کسی گوشے سے آپ کو شیخ رشید جھانکتے نظر آئیں گے۔ بات صرف یہاں تک رہتی تو اور بات تھی شیخ صاحب نے تو اقتدار اور ریاستی قوت بھی اپنے بدن کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے استعمال کی۔ کوئی مجبور نوکری لینے آئی تو عزت گنوا بیٹھی' کسی کو شادی کا لالچ اور کسی سے شادی کر کے مکر گئے۔

کہنے کو تو شیخ رشید بھی ''سدا بہار'' سیاسی کنواروں میں شامل ہیں لیکن شہناز بیگم نے خود کو شیخ رشید کی بیوی کہہ کر ان کی اصلیت بے نقاب کر دی۔ شہناز بیگم کا کہنا ہے کہ انہوں نے مئی 1996ء میں شریعت محمدی اور اسلامی قوانین کے مطابق شیخ رشید احمد سے امریکہ میں نکاح کیا جو باقاعدہ رجسٹر کیا گیا۔

''میں شادی کے بعد تقریباً پندرہ دن تک شیخ رشید کی رہائش گاہ آئی ٹن تھرڑی سٹریٹ 9

شیخ رشید کی مبینہ بیوی شہناز بیگم

شیخ رشید کی مصروفیات

مکان نمبر 159 میں مقیم رہی۔ انہوں نے شادی سے قبل اپنے بھائی اور بہن سے اجازت لی۔''
شہناز نے کہا کہ شیخ رشید کے بھائی اور بہن قسم اٹھا کر بتائیں کیا یہ سب کچھ ایسے نہیں ہوا؟ شہناز نے نہایت الجھے ہوئے لہجے میں بتایا کہ میں تو شیخ رشید کے جسم پر نشانات کی تفصیل تک بتا سکتی ہوں۔ یہ تفصیل ایک بیوی کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔ شہناز کا کہنا ہے کہ رشید نفسیاتی مریض ہیں وہ اکثر میرے فون ٹیپ کرواتے۔ اعصابی قوت کی دوائیں اور انجکشن استعمال کرتے ہیں۔ پاکستان آمد کے بعد شیخ رشید نے مجھے ذہنی و اخلاقی طور پر تباہ کر دیا۔ لوگ مجھے ان کی داشتہ سمجھتے ہیں حالانکہ میں ان کی باقاعدہ قانونی بیوی ہوں۔

شہناز کہتی ہیں کہ شیخ رشید کی گھٹیا طبیعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے مجھے کئی بار شہباز شریف کے آگے پیش کرنے کی کوشش کی جو میں قوتِ ارادی سے ٹال گئی۔ دراصل خود شیخ رشید کہتے ہیں کہ دورانِ تعلیم کالج کے لڑکے مجھ سے زیادتی کرتے رہے اب میں ان کی بہنوں سے زیادتی کر کے انتقام لے رہا ہوں۔

شہناز کہتی ہیں کہ میں رشید کو سمجھاتی رہی کہ سب فضول اور گھٹیا باتیں ہیں لیکن وہ بجائے سمجھنے کے الٹا رونا شروع کر دیتے۔ شہناز شیخ رشید کی زندگی کے گھناؤنے کردار سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہتی ہیں کہ لاتعداد خواتین اس بھیڑیئے کے ظلم کا شکار ہوئیں۔ خاص طور پر مجھے وہ طالبہ کبھی نہیں بھولے گی جس کو صرف داخلے کے حصول کے لئے شیخ رشید کی جسمانی ہوس کی تسکین کرنا پڑی۔

شہناز بیگم نے تو جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے حق کی خاطر آواز بلند کی۔ ان کے ساتھ تو معروف وکیل حبیب وہاب الخیری اور پاکستان عوامی تحریک کے سربراہ جناب ڈاکٹر طاہر القادری بھی خم ٹھونک کر میدان میں آ گئے لیکن اَن گنت زخم خوردہ عورتیں ایسی بھی ہیں جو شہناز جیسی ہمت نہیں رکھتیں اور نہ ہی اپنی وجہ سے اپنے خاندان کو مزید رسوائی میں دھکیلنا چاہتی ہیں۔

شیخ رشید جن دنوں وزیر ثقافت ہوا کرتے تھے تب ان کی پانچوں گھی میں اور سر ''کڑاہی'' میں ہوتا تھا۔ جس اداکارہ پر شیخ رشید کی نظر کرم پڑ جاتی وہ ملک کی سب سے بڑی اداکارہ سمجھی جانے لگتی۔ جو حسین چہرہ شیخ کی رات رنگین بنا دیتا سب سے مقبول چہرہ بن جاتا اور جو انکاری ہوتا اسے ذلیل و خوار کر دیا جاتا۔ اس طرح کا ایک واقعہ معروف اداکارہ انجمن کے ساتھ پیش آیا۔ ہوا یوں کہ انجمن کو شیخ رشید کی جانب سے دعوت نامہ ملا جس میں خوشخبری سنائی گئی کہ آپ کو نیف ڈیک ایوارڈ دیا جا رہا ہے۔ انجمن اپنے خاوند مبین ملک اور بچوں کے ہمراہ اسلام آباد پہنچ

دردانہ رحمٰن شیخ رشید کے ساتھ

گئیں۔ رات کو شیخ صاحب نے عالم سرمستی میں فون کیا کہ انجمن ان کے ساتھ اکیلی ''چائے'' پینے آئیں۔ انجمن نے معذرت کر لی کہ وہ خاوند اور بچوں کی موجودگی میں ان کی دعوت قبول نہیں کر سکتیں جس پر شیخ رشید کا پارہ چڑھ گیا۔ اس پیچ و تاب کی وجہ صرف یہ تھی کہ انہوں نے انجمن کی وجہ سے لال حویلی میں ایک رنگین محفل کا اہتمام کیا تھا۔ شیخ صاحب بار بار انجمن کو فون کرتے اور انجمن بار بار ان سے معذرت کرتی۔ تنگ آ کر شیخ صاحب نے ریما کو طلب کر لیا جو شاید ایسے ہی کسی موقع کے انتظار میں تھی۔ ریما نے حویلی کی شراب و شباب کی محفل کو چار چاند لگا دیئے۔ اگلے

روز جب نیف ڈیک ایوارڈ کا اعلان کیا گیا تو انعام کی حقدار انجمن کی بجائے ریما قرار پائیں اور یوں شیخ رشید کی چائے کی دعوت ٹھکرانے کا انجمن کو خمیازہ بھگتنا پڑا۔

لال حویلی کی بھی ایک اپنی تاریخ ہے۔ قیامِ پاکستان سے قبل یہ ایک ہندو نائیکہ ''بدھو بائی'' کی ملکیت ہوا کرتی تھی۔ تقسیم کے بعد بدھو بائی تو یہاں سے کوچ کر گئی لیکن شیخ صاحب نے حویلی کی تاریخی روایات برقرار رکھتے ہوئے محفل ناؤ نوش اور ساز و آواز کا سلسلہ برقرار رکھا۔ اس حوالے سے شیخ رشید کو تاریخ سے محبت کرنے والا قرار دیا جا سکتا ہے۔

مذکورہ تقریب میں ریما نے اپنے ناز و ادا اور ''فنی مہارت'' سے شیخ رشید پر جادو کر دیا۔ نیف ڈیک ایوارڈ کی تقریب میں جب ریما شیخ صاحب سے ایوارڈ وصول کرنے اسٹیج پر آئیں تو

اداکارہ انجمن جس کو شیخ رشید نے اسلام آباد آنے کی دعوت دی
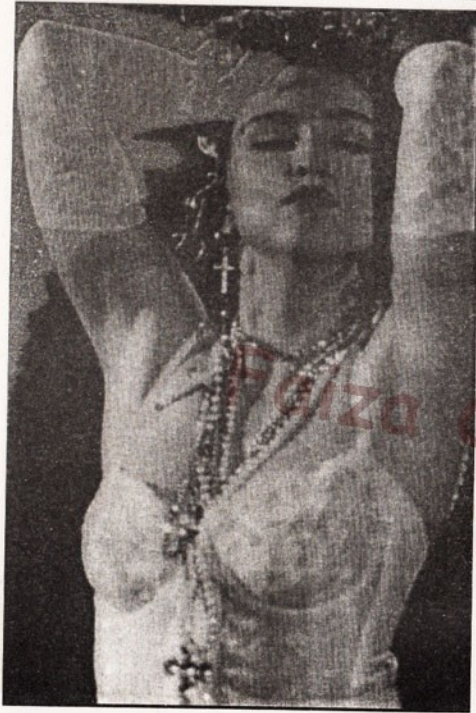
میڈونا جسے شیخ رشید پاکستان لانا چاہتے تھے

اداکارہ ریما ایک خوبصورت پوز

سازندوں نے بیک گراؤنڈ میں شادی کی دھن بجانا شروع کر دی۔ اللہ جنت نصیب کرے دلدار پرویز بھٹی مرحوم کو جو پروگرام کو کنڈکٹ کر رہے تھے موقع کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے یہ گرہ لگا کر بات چٹکیوں میں اڑا دی کہ ”شیخ صاحب برا نہ منایئے گا یہ سازندے بھی ایجنسیوں کے کارندے ہیں۔“

شیخ رشید اور ریما کی محبت کے تذکرے اتنے عام ہوئے کہ ایک روز ریما نے بے خودی کے عالم میں کہہ دیا کہ شیخ صاحب نے شادی کی آفر کی تھی لیکن بات آگے نہ بڑھ سکی۔ واقفانِ حال تو یہاں تک کہتے ہیں کہ شیخ رشید نے ریما کی ماں کو ہاتھ جوڑ کر منت سماجت کی تھی اسے اپنی ”فرزندی“ میں لے لیا جائے لیکن بیٹی کے خوبصورت بدن کی کمائی کھانے والی اس حوا زادی نے خالصتاً کاروباری انداز میں جواب دیا کہ ”ریما اب بھی تمہارے ساتھ بیویوں سے بڑھ کر وقت گزارتی ہے تمہیں شادی کی کیا ضرورت ہے؟“

شیخ رشید ریما سے عشق میں اس حد تک چلے گئے تھے کہ ایک ایک رات میں دو دو لاکھ روپے وار دیتے تھے۔ عیاشی کے لئے انہوں نے رقم کون سی اپنی جیب سے ادا کرنا ہوتی تھی۔ سرکاری کھاتے اسی کام کے لئے استعمال ہوتے تھے۔ 13 جولائی 1993ء کو انہوں نے دو لاکھ روپے کی ادائیگی کی اور یہ رقم گھی کارپوریشن کے اکاؤنٹ سے چیک نمبر 82447124 کے ذریعے کی گئی۔ یہ چیک ریما جی نے یونائیٹڈ بنک کی دیال سنگھ برانچ سے کیش کروایا۔

شیخ رشید کی اسی قسم کی حرکتوں سے نواز شریف بھی تنگ آ چکے تھے وہ اس حد تک بے باک ہو چکے تھے کہ ان کی موجودگی کی پرواہ کئے بغیر بھنورے کی مانند ”کلیوں“ سے اٹکھیلیاں شروع کر دیتے۔

ایک مرتبہ میاں نواز شریف اپنے چہیتے ساتھیوں کے ساتھ لاہور سے کوئٹہ جا رہے تھے۔ طیارے میں موجود لڑکیوں نے نواز شریف سے آٹوگراف لینا شروع کر دیئے۔ نوخیز حسن دیکھ کر

شیخ رشید احمد
ایم اے، ایل ایل بی

Sheikh Rasheed Ahmed
M.A. LL.B

MEMBER NATIONAL ASSEMBLY
NEW CENTRAL JAIL, BAHAWALPUR

Dated: [illegible]

جانِ من

آج عید پڑھنے کی تو اجازت
نہیں تھی تو تمہیں عید مبارک کہنے
کا موقع ہے

آپ ذرا صبر سے اب جیل کے دن
تھوڑے ہیں

تمہارا
شیخو

بہاولپور جیل سے شہناز کے نام شیخ رشید کا خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ISLAMIC CENTER
NORTHRIDGE

IN THE NAME OF ALLAH MOST MERCIFUL MOST COMPASSIONATE

On May 07, 1991 at ____ before me, Taj Mohammad ____ in the Islamic Center Northridge located at 9424 Tampa Avenue, Northridge, California 91324, took place the marriage of the following:

NAME OF THE BRIDEGROOM: RASHID SHEIKH AHMED
OCCUPATION: BUSINESS
NATIONALITY: PAKISTANI
DATE OF BIRTH: 17-2-1950
COUNTRY OF BIRTH: PAKISTAN
ADDRESS:
ID / PASSPORT: 212-85-034900
NAME OF THE BRIDEGROOM'S MOTHER: KHURSHID BEGUM
NAME OF THE BRIDE: SHEHNAZ HAMID HUSAIN
[illegible]
OCCUPATION: NIL
NATIONALITY: PAKISTANI
DATE OF BIRTH: 22-4-60
COUNTRY OF BIRTH: PAKISTAN
ADDRESS:
ID / PASSPORT: 518-93-468376
NAME OF THE BRIDE'S MOTHER: KAISAR JEHAN BEGUM
The Bride's representative received: NIL ____ as the advance dowry
and the sum of: NIL ____ as a postponed dowry

A legal and religiously recognized marriage took place between the two parties. The marriage was witnessed by:
NAME: MOHD JAVED MASOOD
ADDRESS: —
SIGNATURE: Javeed
NAME: MR. ASGHAR.
ADDRESS:
SIGNATURE:
and verified by: [signature]

نکاح سے پہلے دولہا دلہن کی لی گئی تفصیلات کا عکس

شیخ رشید احمد
Shiekh Rasheed Ahmed
M.A. LL.B.
MEMBER NATIONAL ASSEMBLY
NEW CENTRAL JAIL, BAHAWALPUR
Dated 26.12.95

اچھی شانو

شیخ رشید کا محبت نامہ، شہناز بیگم کے نام

شیخ صاحب بے قابو ہو گئے انہوں نے آٹوگراف لینے والی لڑکیوں کو گھیر لیا اور جنسی مذاق شروع کر دیا۔ ہر لڑکی کے پاس جاتے اسے اپنا ٹیلی فون نمبر دیتے۔ لڑکیوں نے جواباً انہیں سخت سست کہا اور انہیں ریما تک محدود رہنے کی ہدایت کی۔ شیخ صاحب حسن کی برہمی دیکھ کر مچل گئے اور کہنے لگے کہ میں حسن پرست ہوں۔ میری حیثیت مقناطیس کی سی ہے میں جہاں بھی جاتا ہوں لڑکیاں کچے دھاگے سے کھینچی چلی آتی ہیں۔ میں سرینا ہوٹل میں ٹھہروں گا آپ بھی مجھ سے ملنے ہوٹل ضرور آئیں۔ لڑکیوں نے بمشکل ان سے جان چھڑائی تو شیخ صاحب عبدالستار لالیکا کو کہنے لگے کہ میاں دیکھ لینا یہ صبح مجھے ملنے ضرور ہوٹل آئیں گی۔ یہ سارا تماشا میاں نواز شریف کی موجودگی میں ہوتا رہا لیکن انہوں نے اس موقع پر شیخ صاحب کی کوئی سرزنش نہیں کی بلکہ مسکرا کر ٹالتے رہے۔

آج شیخ رشید نورین اور اس جیسی بے شمار معصوم عزتوں کا لٹیرا بن کر معاشرے کے سامنے موجود ہے۔

سابق صوبائی وزیر اطلاعات ونشریات راجہ بشارت کی معروف ٹی وی آرٹسٹ کنول کے ساتھ نکاح کی خبریں، بہت عرصہ تک اخبارات کی زینت بنتی رہیں۔ گو کہ راجہ بشارت کی طرف سے اس سلسلے میں وضاحتیں پیش کی جاتی رہیں لیکن کہنے والے اپنے مؤقف پر قائم رہے۔ ان کا کہنا تھا کہ راجہ صاحب نے کنول کو اسلام آباد میں کروڑوں روپے مالیت کی کوٹھی خرید کر دی۔ گاڑی اور موبائیل بھی راجہ صاحب کی محبت کا تحفہ ہی تھا۔ کنول ڈراموں کے سلسلے میں جب کبھی اسلام آباد سے لاہور جاتیں تو جہاز کا ٹکٹ بھی راجہ صاحب ہی ادا کرتے تھے۔ اتنا کچھ یا تو محبوبہ کے لئے ہوتا ہے یا بیوی کے لئے .... آخر کچھ تو ہے، جس کی پردہ داری ہے۔

نامور ٹی وی آرٹسٹ عتیقہ اوڑھو اور کنول

شاہد خاقان عباسی

شاہد خاقان عباسی اکثر کوشش کرتے تھے کہ رنگین محفلیں ملک سے باہر جا کر جمائی جائیں۔ اداکارہ ریشم کے ساتھ وقت گزارنے کے لئے انہوں نے لندن کو ہی منتخب کیا۔ ریشم کی نئی ہنڈا اسوک کار اور گھر میں فرش کی تعمیر کے لئے برطانیہ سے قیمتی پتھر اور دیگر قیمتی گھریلو سامان کی برآمد بھی عباسی صاحب کی ریشم پر نظرِ التفات کا ہی نتیجہ تھی۔ معلوم ہوا ہے کہ ریشم نے گارڈن ٹاؤن میں اپنی رہائش کے ساتھ خالی پلاٹ کو باغ بنانے کے لئے خریدا جس میں انہوں نے ایک آبشار اور بیرونِ ملک سے آنے والا مذکورہ قیمتی پتھر بھی لگایا۔

اداکارہ ریشم کا ایک خوبصورت انداز

یہ بھی انکشاف ہوا ہے کہ شاہد خاقان عباسی کی طرح ریشم کی کئی بڑے لوگوں سے ملاقات شمیم مرزا کے گھر پر ہوتی رہی۔ ریشم فلم انڈسٹری میں آنے سے قبل اپنی بڑی بہن کے ہمراہ گارڈن ٹاؤن میں شمیم مرزا کی رہائش گاہ پر ''مخصوص محفلوں'' میں شرکت کیا کرتی تھیں جہاں ریشم کی بیوروکریٹس اور پیسے والے لوگوں سے ملاقات ہوا کرتی تھی۔

پی آئی اے کی ایک ایئر ہوسٹس کے ساتھ بھی شاہد خاقان عباسی کے معاشقے کو خصوصی شہرت ملی لیکن عباسی صاحب دھن کے پکے تھے۔ یہ تو بھلا ہو بیگم عابدہ حسین کی امریکہ میں پڑھنے والی صاحبزادی کا جنہوں نے عباسی صاحب کی تمام تر توجہ اپنی جانب مبذول کروالی وگرنہ عباسی صاحب ایئر ہوسٹس کے ہو کر رہ جاتے۔

شاہد خاقان عباسی ایک سال میں 52 مرتبہ صرف بیگم عابدہ حسین کی بیٹی کو ملنے کے لئے امریکہ گئے اور یہ تمام دورے سرکاری کھاتے سے ہوئے۔ ایک اخبار نے جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے جب ان 52 سرکاری دوروں کا پس منظر بیان کیا تو شاہد خاقان عباسی نے پی آئی اے میں اس اخبار کی ترسیل بند کرادی لیکن جو بات عوام تک پہنچنا تھی وہ بالآخران تک پہنچ ہی گئی۔ لوگ شاید صحیح کہتے ہیں کہ عشق اور مشک لاکھ چھپائیں نہیں چھپتا۔

بیرسٹر سلطان محمود

جب ملک بھر کے سیاستدان لوٹ مار اور عیاشیوں میں مصروف ہوں تو بھلا آزاد کشمیر کے ''رہنما'' اپنی ''تھکن'' اتارنے کا اہتمام کیوں نہ کریں۔ وہ تو پاکستانی سیاستدانوں سے بھی زیادہ ''سخت اور کٹھن'' کام سرانجام دے رہے ہیں۔ کشمیر کی آزادی کے ''متوالوں'' کو بھی تو آخر

کچھ ''آرام وسکون'' کی ضرورت ہے۔اس طرح کا آرام وسکون تلاش کرنے کی خاطر بیرسٹر سلطان محمود نے بھی اپنے کارندے چھوڑ رکھے ہیں جو کہیں نہ کہیں سے اپنے رہنما کے لئے کوئی نہ کوئی مرمریں بدن ڈھونڈ ہی لاتے ہیں۔

''مجھ سے بڑا کنجر کوئی نہیں ہے اگر کوئی ہے تو میرے مقابلے میں ناچ کر دکھائے۔ تابندہ بھی اس میدان میں نووارد ہے۔ کشمیر ہاؤس نواز شریف کے باپ کا نہیں میں کشمیر کا وزیراعظم ہوں جو چاہوں کروں' کوئی مجھے نہیں روک سکتا۔ جو لوگ میری پشت پر ہیں نواز شریف ان کی ہوا سے بھی بھاگتا ہے۔''

شراب وشباب کی محفل عروج پر تھی' ریشمی بدن طبلہ کی تھاپ پر تھرک رہے تھے اور آزاد کشمیر کے وزیراعظم سلطان محمود چودھری نشے میں بولتے چلے جا رہے تھے۔ کہتے ہیں کہ نشے میں انسان بہت سی سچی باتیں اگل دیتا ہے۔ وزیراعظم آزاد کشمیر نے بھی مندرجہ بالا الفاظ کی شاید نشہ کی زیادتی میں کہہ ڈالے ورنہ ایک سیاستدان سے برسر محفل اتنی سچی گفتگو کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

بیرسٹر سلطان محمود کے ہاتھوں تباہ ہونے والی لڑکیوں کی فہرست بھی کوئی کم طویل نہیں ہے۔ تاہم شہلا اور شکیلہ کے ساتھ جو ظلم ہوا وہ شاید مقبوضہ کشمیر میں ظالم ہندو بنئے نے بھی مسلمان عورتوں کے ساتھ روا نہ رکھا ہوگا۔ ذرا ملاحظہ کیجئے کہ شکیلہ اور شہلا کے ساتھ کیا کیا ظلم ان کے اپنے آزاد وطن کے ایک وزیراعظم نے کیا۔ شکیلہ بتاتی ہیں کہ وہ آئی نائن اسلام آباد کی ایک بسکٹ فیکٹری میں کام کرتی تھیں جہاں تقریباً 400 دیگر لڑکیاں بھی ملازم تھیں۔ لڑکیاں جو سپروائزر اور نائٹ شفٹ انچارج تھیں اور اس میں شک نہیں کہ وہ حسن و جمال میں اپنی دیگر ساتھیوں میں یکتا تھیں لیکن انہوں نے ہمیشہ محنت کی عظمت کو ہی مقدم جانا اور اسی اصول کے تابع وہ فیکٹری میں کام کر رہی تھیں۔ اس بسکٹ فیکٹری کا ڈائریکٹر طارق مسعود نامی شخص تھا جس کا بیرسٹر سلطان محمود چودھری سے بڑا گہرا دوستانہ تھا۔ وہ بیرسٹر سلطان محمود چودھری کی طرح شراب وشباب اور حسن و شباب کا رسیا ہے اس کی اس قسم کی حرکات نے بسکٹ فیکٹری کا دیوالیہ کر دیا۔

کارکن بے روزگار ہو گئے' فیکٹری بند ہو گئی ہم لوگ گھروں کو چلے گئے۔ ایک دن بیرسٹر سلطان محمود چودھری کا سیکرٹری ایاز اور ڈرائیور ارشد اس کے پاس آیا اور کہا کہ تمہیں آزاد کشمیر گورنمنٹ میں سرکاری نوکری دی جا رہی ہے وزیراعظم سے ملنے چلو۔ اس نے کہا کہ ہر چند کہ میں آپ لوگوں کو جانتی ہوں آپ پہلے بھی فیکٹری میں آتے رہتے تھے لیکن اس طرح آپ کے ساتھ چلنے کو تیار نہیں ہوں۔

اگلے دن وہ جمیلہ آنٹی نامی خاتون کو ساتھ لے کر آ گئے جو بسکٹ فیکٹری میں کام کرتی تھی اور طارق مسعود کے اعتماد کی عورت تھی۔ اس نے آ کر کہا کہ جب روزگار کے دروازے تم پر کھل رہے ہیں اور لکشمی دیوی تمہارے گھر چل کر آ گئی ہے تو پھر تم کیوں کفرانِ نعمت کر رہی ہو اٹھو اسی وقت چلو اور وزیراعظم صاحب سے جا کر ملو۔ پھر میں ان کے ساتھ جمیلہ آنٹی کے ہمراہ اسلام آباد کی کوٹھی نمبر 282 گلی نمبر 3 ایف ٹین 3 میں گئی جہاں وزیراعظم بیرسٹر سلطان محمود چودھری میرے منتظر تھے۔

انہوں نے مجھے دیکھتے ہی کہا کہ تم عجیب لڑکی ہو تمہیں اپنے مستقبل کی ذرا پرواہ نہیں۔ مجھے ارشد اور ایاز نے بتایا کہ تم بے روزگاری کے ہاتھوں بری طرح تنگ دستی کا شکار ہو چکی ہو۔ مجھے تمہاری صلاحیتوں کا اعتراف ہے لہٰذا اپنے علاوہ دوسری سہیلی جو نائٹ شفٹ سپروائزر تھی اسے بھی لے آؤ تا کہ تم دونوں کا کیس ایک ساتھ منظور ہو جائے۔ میں حالات کے ہاتھوں تنگ ان کی باتوں میں آ گئی۔ میں اسے مسیحا سمجھ بیٹھی۔ میں سمجھ رہی تھی کہ کشمیر کی آزادی اور اس کی تحریک میں لٹنے والی عصمتوں کا بھرم رکھنے والا وزیراعظم کتنا بڑا اور شفیق ہے۔ جس نے مجھ جیسی بے سہارا لڑکی کو روزگار دینے کے لئے کتنا تردد کیا ہے؟

میں اگلے دن مقررہ وقت پر اپنی دوسری ساتھی کو لے کر ارشد کے ہمراہ اسی جگہ پہنچی جس کا ذکر پہلے کر چکی ہوں۔ ہمیں ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا گیا جہاں وزیراعظم آزاد کشمیر بیرسٹر سلطان محمود ایک تصویر میں جائے نماز پر سجدہ ریز تھا۔ ایک اور تصویر میں بینظیر کے ساتھ براجمان تھا۔ چند

غیر ملکیوں کی تصویریں ڈرائنگ روم میں تھیں۔ ڈرائنگ روم کے ایک کونے پر غلاف میں لپٹا قرآن پاک موجود تھا۔قرآنی آیات پر مشتمل قالین بھی دیوار پر آویزاں تھے۔ایسا لگا جیسے ہم بہت بڑے صوفی کی بیٹھک میں آ گئے ہیں۔ہم دونوں بے روزگار سہیلیاں ابھی ان خیالات میں کھوئی بیرسٹر سلطان محمود چودھری کو دیوتا سمجھ کر ان کے بارے میں ایک تصوراتی خاکہ بنا رہی تھیں کہ بیرسٹر سلطان محمود چودھری کمرے میں داخل ہوئے۔

ہم احتراماً کھڑی ہو گئیں۔انہوں نے کہا کہ نہیں آپ بیٹھیں آپ دونوں بہادر لڑکیاں ہیں۔ پختون ہونے کے ناطے آپ جرأتوں اور ہمتوں کی داستانیں ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ڈرائیور ارشد 3 گلاس شربت لے کر آ گیا۔ایک بیرسٹر سلطان محمود چودھری کو دو ہمیں دے دیئے گئے۔ہم نے گھونٹ بھرا تو وہ شربت کڑوا تھا۔ہم نے کہا ہم یہ نہیں پئیں گی۔جس پر انہوں نے کہا کہ دراصل یہ پیپسی ہے جو اونچی محفلوں میں پی جاتی ہے۔ وزیراعظم سے کم مرتبے کا آدمی اسے افورڈ نہیں کر سکتا تم خوش قسمت ہو کہ وہی پی رہی ہو جو شاہوں کی محفلوں میں پیا جاتا ہے انکار مت کرو۔

بیرسٹر سلطان محمود چودھری کے اٹھ کر چلے جانے کے بعد ڈرائیور ارشد کہنے لگا کہ تم کتنی خوش نصیب ہو کہ بیرسٹر سلطان محمود چودھری نے تمہارے لئے صرف نوکری کا ساماں نہیں کیا بلکہ کتنی چاہت سے تمہیں پیپسی پینے کو کہا ہے۔ پھر ارشد نے معذرت خواہانہ انداز اپناتے ہوئے کہا کہ پیو نا تا کہ تمہارے کیس ان تک پہنچا دوں۔ پھر ہم نے کڑوا گھونٹ نگل لیا۔اس وقت شام کے چھ بجے تھے جب ہماری آنکھ کھلی تو رات کے گیارہ بج چکے تھے۔پیپسی کی آڑ میں وسکی کے جام ہم انڈیل چکی تھیں جب حواس ہمارے قابو میں نہ رہے تو بیرسٹر سلطان محمود چودھری کے کارندوں نے ہمیں بے لباس کر دیا۔ ہماری ویڈیو فلم بنائی گئی' تصویریں کھینچی گئیں اور جب ہم ہوش میں آئیں تو کمرے میں موجود ٹیلی ویژن پر فلم چلا کر دکھائی گئی۔ پھر پولرائیڈ کیمرے سے بنائی گئی تصویریں ہمیں دکھائی گئیں اس کے ساتھ ہی کمرے میں رکھا ہوا قرآن مجید بیرسٹر سلطان محمود چودھری نے

باری باری ہمارے سر پر رکھ کر کہا کہ آج کی ملاقات کا ذکر کسی سے نہ کرنا اس میں تمہاری بہتری ہے۔

ہم جب برباد ہو چکیں' ہماری عصمتوں بھرا آنگن لٹ گیا' ہم بوجھل قدموں سے گھر کی طرف نکلیں تو ارشد ہمارے راستے میں آ کھڑا ہوا اور کہا کہ میں تم لوگوں کو گھر اتار دیتا ہوں۔ ہم نے اس سے کہا کہ ارشد تم پر خدا کی لعنت' ہم محنت کار لوگ تھے ہمیں تو نے بدکار بنا دیا۔ وہ کہنے لگا کہ میں حلفاً کہتا ہوں کہ تمہارے ساتھ غنودگی کے عالم میں کوئی بے ہودگی نہیں کی گئی صرف تصویریں بنائی گئی ہیں۔ ہم نے اس سے پوچھا کہ اس سارے کھیل کی کیا ضرورت تھی ہم اتنے بااثر لوگ نہیں تھے پھر کس چیز کا انتقام لیا گیا؟ تو گاڑی میں بیرسٹر سلطان محمود چودھری کا سیکرٹری ایاز بول اٹھا کہ تم دونوں جب کسی لڑکی کو بیرسٹر سلطان محمود چودھری سے فری نہیں ہونے دیتی تھیں تو انہیں اس بات کا رنج پہنچتا تھا انہوں نے وہ بات ذہن نشین کر لی تھی۔ میں بیرسٹر سلطان محمود چودھری سے کہوں گا کہ وہ تمہیں تمہاری تصویروں اور ویڈیو کو واپس کر دیں گے۔ وہ جیب کی طرح دل کے بھی غنی ہیں اس طرح چند دنوں بعد اس امید پر ارشد ہمیں ساتھ لے کر چلا گیا کہ ہمیں تصویریں واپس کر دے گا۔ وہ ہمیں ایف ٹین 3 والی کوٹھی میں لے گیا تو بیرسٹر سلطان محمود چودھری نے مجھے دیکھتے ہی کہا کہ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔

شکیلہ نے بیرسٹر سلطان محمود چودھری سے گزارش کی کہ آپ ہوش میں نہیں ہیں میں آپ سے تصویریں لینے آئی ہوں عمر بھر کا نباہ کرنے نہیں۔ بیرسٹر سلطان محمود چودھری نے اپنے ڈرائیور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ جاؤ جاؤ مولوی پکڑ لاؤ اور سائے کشمیر ہاؤس لے جاؤ وہاں ہم نے نکاح کرنا ہے۔ میں نے اس کی منت سماجت کی کل آ جاؤں گی آپ ہوش میں نہیں ہیں۔ یوں میں وہاں سے بھاگ نکلی۔ ایاز نے پیچھا کیا لیکن میں ٹیکسی میں بیٹھ کر گھر پہنچ گئی۔ چند دنوں بعد میں دوسری ساتھی شہلا کو ساتھ لے کر بیرسٹر سلطان محمود چودھری کے وعدے کے مطابق تصویریں لینے گئی تو اس نے کہا کہ تصویریں وغیرہ نہیں ملیں گی میرے دوستوں کو خوش رکھو جن سے میں نے

کام نکلوانے ہوتے ہیں۔ شہلا اور شکیلہ دونوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ بیرسٹر سلطان محمود چودھری ڈانس تو بہت اچھا کر لیتا ہے مگر اس وقت بڑا بے ہودہ نظر آتا ہے جب بے لباس ہو کر ناچتا ہے۔

ایک اور واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ایک دفعہ وہ ہمیں کشمیر ہاؤس لے گیا۔ بیرسٹر سلطان محمود چودھری نے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ہم دونوں کو دائیں بائیں بٹھا لیا۔ کشمیر ہاؤس میں داخلے کے وقت بیرسٹر سلطان محمود چودھری نے ترنگ میں آ کر کہا کہ میں کشمیر کا وزیر اعظم ہوں، کشمیر ہاؤس میرا ہے نواز شریف کے باپ کا نہیں۔ یوں تصویروں کے مطالبے کی آڑ میں ہم کئی بار کشمیر ہاؤس گئیں۔ کئی دفعہ گاڑی کی ڈگی میں بٹھا کر لے جایا گیا اور ہمیں وہاں بیرسٹر سلطان محمود چودھری کے دوستوں کا دل بہلانے کے دوزخ میں جھونک دیا جاتا۔ اکثر ڈانس کی محفلوں میں فلم ڈانسر تابندہ بھی بیرسٹر سلطان محمود کے ساتھ محو رقص ہوتی جو ٹی وی سیریل مسٹر جے میں کام کرتی رہی ہے۔ ہم اپنے گھر والوں سے بھی ذکر کرنے سے خوفزدہ تھیں۔ معاشرہ اور حالات بھی ہمیں اجازت نہیں دیتے تھے کہ اپنے لٹنے کی داستان سنا سکیں۔ عرصہ تک مختلف اخبارات کے ایڈیٹرز کو ٹیلی فون کے بعض دفعہ کئی ایک کے پاس گئیں لیکن ہماری شکایت کو کم اور جسموں پر نظریں زیادہ ٹھہرتیں۔

وہ دونوں جب یہ داستان سنا چکی تھیں تو ان کے چہرے مارے شرم کے زمین ناپنے میں لگے ہوئے تھے۔ ان دونوں نے بیرسٹر سلطان محمود چودھری سے آخری ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ 13 دسمبر 1998ء کی ایک سرد شام تھی جب بیرسٹر سلطان محمود چودھری کا سیکرٹری ایاز اور ڈرائیور ارشد ہمارے پاس آئے اور کہا کہ بیرسٹر سلطان محمود نے حلفاً کہا کہ آپ آئیں اور تصویریں لے جائیں۔ ہم اس کے ساتھ چلی گئیں۔ وہ مکان نمبر 273-A ایف ٹین 4/2 میں ہمیں لے گئے وہاں بیرسٹر سلطان محمود چودھری کے علاوہ برطانیہ سے آئے ہوئے اس کے دوست چودھری حمید اور اخبار نویس توصیف احمد بھی موجود تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی انہوں نے کہا کہ وہ آ

گئیں جن کا انتظار تھا۔ پھر اس کے ساتھ بیرسٹر سلطان محمود چودھری نے کہا کہ آپ لوگ گپ شپ لگائیں میں آپ کے لئے مرغا پکاتا ہوں۔

بیرسٹر سلطان محمود چودھری اس گھر میں موجود کچن میں مرغا پکانے چلے گئے۔ ایک بار ہاتھ میں چمچہ اٹھائے ڈرائنگ روم تک آیا اور کہا کہ ابھی تک آپ نے باقاعدہ گپ شپ شروع نہیں کی اور پھر اونچی آواز میں ڈیک لگا کر اچھلتا کودتا کچن کی طرف چلا گیا جبکہ شکیلہ، توصیف احمد کے پاس بیٹھی رہی۔ توصیف نے جب شکیلہ سے فرینک ہونے کی کوشش کی تو اس نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا جس پر توصیف نے کہا کہ میں بیرسٹر سلطان محمود کا دوست بھی ہوں اور مہمان بھی اور اس کے مہمانوں کا خیال نہ رکھنے والے لوگ گھاٹے میں رہتے ہیں۔ تم نے میرا ہاتھ جھٹک کر اچھا نہیں کیا۔ ہم دونوں کے درمیان جب تو تکار بڑھی تو ڈیک کی آواز میں ہماری دیگر آوازیں دب کر رہ گئیں کہ اچانک ارشد کمرے میں داخل ہوا اور بیرسٹر سلطان محمود کو صورتحال سے آگاہ کیا تو اس نے آ کر کہا کہ بے وقوف مت بنو اٹھو اور ناچو۔ اس نے ساتھ والے دروازے پر دستک دی اور شہلا اور حمید کو بھی باہر بلوا لیا۔ سب کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر ایک زنجیر بنائی اور ڈیک کی تان پر ناچنے لگے۔ وہ کبھی میرا ہاتھ توصیف کے ہاتھ میں دیتا کبھی توصیف کے ہاتھ شکیلہ کی طرف کھینچتا اور کبھی اپنے ہاتھ ہمارے جسموں میں دیتا۔

وہ باؤلا ہوا جاتا تھا کہ ہم احتجاجاً وہاں سے باہر نکل آئیں۔ بیرسٹر سلطان محمود اندر رک گیا اور ارشد اور ایاز بھاگتے ہوئے آئے اور کہا کہ تم لوگوں نے اپنے لئے خود بدنامی کے راستے اختیار کئے ہیں۔ ہم جب یہ تصویریں کل مارکیٹ میں پھینکیں گے تو تم لوگوں کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔ بس اس وقت ہم نے تہیہ کر لیا کہ تصویریں پھینکیں یا ویڈیو سے ہم مزید بلیک میل نہیں ہوں گے۔ ہر چیز کی حد ہوتی ہے اس کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ جن لوگوں سے کام نکلوانا ہو وہاں ان جیسی لڑکیوں کو بطورِ نمائندہ دل پشوری کرنے بھجوا دیتا ہے۔

تیسری لٹنے والی لڑکی شازیہ نے بھی ان کے ساتھ آفس آنا تھا لیکن اسقاطِ حمل کے

باعث وہ نہیں آسکیں۔ البتہ اس نے اپنا بیان حلفی ٹیلی فون گفتگو اور چند دیگر شواہد پہنچا دیں۔
''حرمت'' نے تینوں لڑکیوں کی روداد کی تصدیق کے لئے جب سلطان ذی وقار کے قریبی حلقوں سے رابطہ قائم کیا تو وہ چونکہ آزاد خطے کے وزیراعظم ہیں اس لئے آزادی ان کا بنیادی حق ہے چاہے وہ مادر پدر آزادی ہو یا کوئی اور اس لئے وہ اپنے بنیادی حق سے دستبردار نہیں ہوسکتے۔ ان حلقوں نے یہ بھی بتایا کہ جب وہ ترنگ میں آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آزاد خطے میں ایک آزاد معاشرہ کا قیام عمل میں لایا جانا چاہیے۔ اگر ہم آزاد معاشرہ قائم نہیں کریں گے تو بین الاقوامی برادری ہمارے آزادی کے نصب العین کو کیسے سمجھے گی؟

عبدالحفیظ پیرزادہ

سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو جنوبی کوریا کے دورے پر گئے تو نہ جانے کیوں وہاں جمناسٹک کے مظاہرے ان کے دل کو بھاگئے۔ واپسی پر انہوں نے جسمانی تربیت اور جمناسٹک کے ایک قومی پروگرام کا اعلان کر دیا جس کے تحت نیشنل یوتھ آرگنائزیشن قائم کی گئی۔ چونکہ یہ شعبہ نوجوان نسل سے متعلق تھا لہٰذا وفاقی وزیر برائے تعلیم وثقافت جناب عبدالحفیظ پیرزادہ کو اس کا سربراہ مقرر کر دیا گیا۔

جناب پیرزادہ بھٹو کے بڑے لاڈلے وزیر تھے۔ ایوب دور سے حفیظ پیرزادہ کا اقتدار کے ایوانوں میں بڑا رعب و دبدبہ تھا۔ بھٹو نے تو نیشنل یوتھ آرگنائزیشن جنوبی کوریا سے متاثر ہو کر قائم کی تھی لیکن پیرزادہ صاحب نے اسے اپنی رنگ رلیوں کا ذریعہ بنالیا۔ بطور وزیر تعلیم پہلے ہی ان کے روابط خواتین اساتذہ سے قائم تھے۔ یوتھ کونسل میں تو نیا خون بھی شامل ہو سکتا تھا۔ اسی دوران ایک تقریب میں پشاور کی خوبرو مس ثمینہ نے جناب پیرزادہ پر جادو کر دیا۔ حفیظ پیرزادہ نے عشق کی بازی جیتنے کی خاطر ثمینہ کو یوتھ آرگنائزیشن کا ڈپٹی ڈائریکٹر مقرر کر دیا اور یوں حفیظ اور ثمینہ ایک دوسرے کے مزید قریب آ گئے۔ ملاقاتوں کے لئے آرگنائزیشن کی ایک اور اعلیٰ عہدیدار مسز مجتبیٰ کا گھر استعمال کیا جاتا جو ایک بہترین میزبان کا فرض خوش اسلوبی سے ادا کرتیں۔ بالآخر لوگوں کے گھروں میں ملاقاتوں سے تنگ آ کر ان دو دیوانوں نے فیصلہ کیا کہ

شادی کرلی جائے لیکن کہیں سے اڑتی اڑتی یہ خبر حفیظ پیرزادہ کی پہلی بیوی سعدیہ کے کانوں میں پڑگئی۔ سعدیہ بیوی تو پیرزادہ کی تھیں لیکن ان کے تعلقات ذوالفقار علی بھٹو سے بہت گہرے تھے۔ لہٰذا جب انہوں نے واویلا کیا تو ثمینہ نکاح کے کاغذوں میں پیرزادہ کی نہ ہوسکی اور سعدیہ کا واویلا کام آگیا۔

یہ سعدیہ وہی تھیں جنہوں نے خود کسی دور میں پیار کے دیپ جلا کر حفیظ پیرزادہ کا دل موم کیا تھا اور پیرزادہ نے ایک دوست کی پیٹھ میں چھرا گھونپتے ہوئے اس کی عزت پامال کی تھی۔ قصہ کچھ یوں تھا سعدیہ کی پہلی شادی ہارون جعفر سے ہوئی تھی۔ ہارون اور حفیظ گہرے دوست تھے۔ دونوں کا ایک دوسرے کے گھروں میں خاندان کے فرد کی طرح آنا جانا تھا۔ اکثر حفیظ ہارون کے گھر مہمان بنے رہتے اور اس کی وجہ ہارون کی پریوں جیسی بیوی سعدیہ تھی جس کے حسن و جمال کے چرچے پورے ایلیٹ کلاس میں پھیلے ہوئے تھے۔ حفیظ اپنی دل پھینک طبیعت کے باعث سعدیہ پر لٹو ہوگئے۔ بالآخر ان کی محنت رنگ لائی اور سعدیہ شوہر کو چھوڑ کر حفیظ کے ساتھ غائب ہو گئی۔ عاشقوں کا یہ جوڑا دو ہفتے تک تو من کی پیاس بجھاتا رہا لیکن اسی دوران ان دونوں کے پیار کی شدت نے ایک تیسری زندگی کی بنیاد رکھ دی۔ حفیظ سعدیہ کو لے کر ہارون کے پاس آگئے۔ ہارون اپنی بیوی کی بے وفائی اور دوست کی بے حیائی پر آرزدہ تھے۔ انہوں نے سعدیہ کو رکھنے سے انکار کردیا۔ سعدیہ نے ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے طلاق کا مطالبہ کردیا جس پر ہارون نے کہا کہ پہلے تمام زیورات اور کوٹھی واپس کرو پھر طلاق ملے گی۔ سعدیہ نے سوچا کہ مکان اور زیورات کے بدلے حفیظ جیسا شوہر مل جائے گا لہٰذا اس نے شرط قبول کرلی اور طلاق ہوگئی۔ یوں سعدیہ حفیظ کے عقد میں آگئی۔

سعدیہ اپنی نجی زندگی میں بہت ''کھلی ڈلی'' خاتون کی شہرت رکھتی ہیں۔ حفیظ پیرزادہ کے اعلیٰ عہدے اور حکمرانوں کے قرب کے انہوں نے بہت فائدے اٹھائے۔ ایک مرتبہ وہ

دورے پر گئیں تو انہیں ایک لگژری پسند آگئی۔ محترمہ نے تمام قانونی تقاضوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے گاڑی ڈرائیو کی اور اسے گھر لے آئیں۔ ڈپٹی کلکٹر فیض محمد کو معلوم ہوا تو انہوں نے مؤدبانہ گذارش کی کہ ''گاڑی واپس کردیجئے ابھی تو کلیئر بھی نہیں ہوئی اگر آپ لینا چاہتی ہیں تو اس کے مالک سے بات کرلیجئے۔''

فیض محمد کے یہ الفاظ سعدیہ صاحبہ کی طبع نازک پر گراں گزرے انہوں نے نہایت غصیلے لہجے میں کہا کہ ''تمہاری یہ جرأت تم مجھ سے اس لہجے میں بات کرو۔'' بس پھر کیا تھا فیض محمد کی بدقسمتی کا آغاز ہوگیا۔ پے در پے انکوائریوں کے بعد انہیں نوکری سے ہاتھ دھونا پڑے۔ پیرزادہ صاحب کی محبتوں کے قصے سعدیہ اور ثمینہ تک محدود نہیں تھے بلکہ انہوں نے فلمی دنیا کے حسین چہروں کی خاطر بھی بدنامی مول لی۔ جناب کی حالت یہ تھی کہ جب بھٹو نے انہیں اپنی کابینہ میں شامل یا تو حضرت جھنڈے والی کار پر ہی کراچی کے بازارِ حسن کی ''یاترا'' پر نکل کھڑے ہوئے اور بابرہ شریف کی چوکھٹ پر حاضری دی۔ اس حرکت پر بھٹو بہت ناراض ہوئے لیکن حفیظ پیرزادہ دل کے ہاتھوں مجبور تھے کیا کرتے۔ بہرحال بھٹو کی ڈانٹ کے بعد انہوں نے کچھ احتیاط برتنا شروع کردی اور محفوظ مقامات پر ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا۔ اس کے لئے انہیں پیپلز پارٹی کے ایک رہنما جناب سلمان بروہی کا تعاون لینا پڑا۔ سلیمان چاکیواڑہ اور ڈرگ روڈ تھانے میں معروف ہسٹری شیٹر تھے۔ حفیظ کو جب بھی ضرورت محسوس ہوتی وہ شفیع جاموٹ کے بنگلہ پر پہنچ جاتے جہاں سلیمان، بابرہ شریف اور اس کی بہن فاخرہ کو پہنچانے کا بندوبست کرتے۔ پھر یہ دونوں بہنیں ''قوم کے لئے دن رات محنت کرنے والے'' وزیر تعلیم کی تھکاوٹ اتارتیں۔ ان بہنوں کے علاوہ ایک اور نازنین بھی پیرزادہ صاحب کو اکثر حفیظ کہہ کر بلاتی تھیں۔ جناب حفیظ نے عشق میں کیسی مجبوری کے مصداق تمام تر قصے کہانیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے انہیں یوتھ آرگنائزیشن کا ڈپٹی ڈائریکٹر مقرر کردیا۔

ملک عطاء محمد

سیاسی مخالفین پر الزامات لگانے اور ان کی کردار کشی کرنے والے حکمرانوں کی خود اخلاقی کی حالت یہ ہے کہ وہ برائیوں کی دلدل میں سرتاپا غرق اور گناہوں کی انتہائی پستیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ شیشے کے گھر میں بیٹھ کر دوسروں پر پتھر پھینکنے والے ان وزیروں' مشیروں اور آف دی ریکارڈ اخبار نویسوں کو جو کچھ معلوم ہے وہ اتنا زیادہ ہے کہ حکمرانوں کی بجائے عوام کی گردنیں ہی شرم سے جھکا دینے کے لئے کافی ہے۔

لندن کے ایک ہوٹل میں وفاقی وزیر شیخ رشید کے دادِ عیش کی جو رپورٹیں اکتوبر میں اخبارات میں شائع ہوئیں ان پر اگر مٹی ڈال دی جائے تو بھی مسلم لیگ فتح جنگ سے اپنے ایک رکن اسمبلی ملک عطاء محمد کے بارے میں کیا کہے گی؟ جس کے لئے لاہور کے ایک اخبار نے تفصیلی رپورٹ میں بتایا تھا کہ وہ وزیراعظم نواز شریف کا قریبی دوست اور مسلم لیگی ہونے کے ناطے قانون سے بالاتر ہے۔ اس نے دوسری تنظیموں سے زیادہ بھیانک عقوبت خانے قائم کر رکھے ہیں۔ وہ اپنے گروہ کے ذریعے نہ صرف ڈاکے ڈلواتا ہے بلکہ جعلی کرنسی اور عورتوں کا کاروبار بھی کرتا ہے۔ اس نے ریاست کے اندر اپنی ریاست قائم کر رکھی ہے اور یہ سب کچھ وہ اسلام آباد کے پڑوس میں کر رہا ہے مگر کوئی پوچھنے والا نہیں۔ قتل کرا دینا اور مخالفین کو اغوا کر کے ٹارچر کرانا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل اور محبوب مشغلہ ہے۔ اس الزام کی تصدیق تو اس بات سے بھی ہوگی کہ

جس اخبار نے رپورٹ شائع کی تھی اس کے مقامی نمائندے ممریز خان کو قتل کرا دیا گیا اور اس کا مقدمہ بھی درج نہیں ہوا۔

ایم این اے رانا نذیر نے اسلام آباد میں دوسری شادی بھی کی تھی۔ شاہد خاقان عباسی ایک خاتون رکن اسمبلی کی بیٹی سے ملنے ہر ماہ نیویارک جاتے تھے تاہم ان کا ایک معاشقہ پی آئی اے کی ایک ائیر ہوسٹس سے بھی تھا۔ ان کے میڈیا ایڈوائزر رنادر چودھری نے بھی ایک ائیر ہوسٹس سے خفیہ شادی کی۔ علاوہ ازیں شاہد خاقان عباسی فلمی اداکارہ ریشم کو لے کر لندن بھی گئے تھے۔

سلمان تاثیر
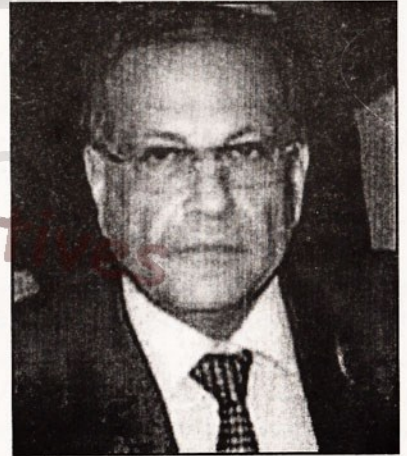
پیپلز پارٹی کے مرکزی رہنما بینظیر بھٹو کے قریبی ساتھی اور موجودہ گورنر پنجاب سلمان تاثیر نے اپنی خفیہ شادی کو چھپانے کی بے حد کوشش کی لیکن ان کی منکوحہ تولین سنگھ راز کا بوجھ نہ

سہار سکیں کیونکہ بات صرف ان کی نہیں تھی بلکہ آٹھ سالہ آتش بھی ان کے ساتھ تھا جو سلمان اور تولین کے یادگار دنوں کی نشانی تھا۔ تولین سنگھ کا شمار بھارت کی مایہ ناز خاتون صحافیوں میں ہوتا ہے۔ تولین گئے دنوں کو یاد کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ والدین کا مجھ سے ایک ہی تقاضہ تھا شادی! میرا تعلق قدامت پسند سکھ گھرانے سے تھا لیکن شادی کے معاملے میں میرا نقطہ نظر خاصہ مردانہ قسم کا تھا۔ میں ان لڑکیوں میں سے نہیں تھی جو جم خانہ کلب میں بیٹھ کر "ممی" کا انتظار کرتی ہیں کہ وہ آ کر ان کے لئے درست آدمی کا انتخاب کریں۔ رفتہ رفتہ دنیا کی ہر لڑکی کی طرح مجھے بھی شادی کی خواہش ہونے لگی .... اپنے گھر کی خواہش! انہی دنوں میری ملاقات سلمان تاثیر سے ہوگئی۔ میں ان سے دہلی میں ملی۔ اس نے ایک کتاب لکھی تھی اور اس کی اشاعت کے لئے دہلی آیا تھا۔ میں اس کا انٹرویو کرنے گئی اور اس کی محبت کی اسیر ہوگئی۔ وہ بہت خوبصورت تھا۔ کبھی کبھی چیزیں یوں بھی وجود میں آجاتی ہیں۔ میرے لئے یہ حیران کن احساس تھا۔ یہ تقمیل بھی تھی اور تکمیل بھی۔ شادی پہلی بار میرے لئے کوئی اہم چیز بن کر سامنے آئی۔ میں چاہتی تھی میری شادی ہو جائے .... لیکن وہ شادی شدہ تھا۔ اس کے بچے تھے۔ اس لئے ہمیں بہت خاموشی کے ساتھ

سلمان تاثیر اپنی بیوی اور مشہور ڈیزائنر حسن شہریار یاسین کے ہمراہ

بڑے خفیہ طریقے سے شادی کرنا پڑی۔ میں اس کی محبت میں ڈوب چکی تھی۔

سلمان نہ صرف ایک بڑی پارٹی کے مرکزی رہنما تھے بلکہ ان کا اپنا خاندان مرتبہ و وقار کے لحاظ سے عزت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ ایم ڈی تاثیر کے صاحبزادے ہونے کے ناطے سے سلمان کی عزت دھندلا جاتی ہے۔ لیکن ایک سکھ ناری سے خفیہ شادی اور اسے آخر وقت تک خفیہ رکھنے کی کوشش یہ سب سلمان کے دل میں چھپی منافقت کا ثبوت تو ہو سکتی ہے کوئی مجبوری نہیں۔

کیونکہ تولین سنگھ کا کہنا ہے کہ ان کی شادی کوئی تین برس تک چلی۔ ہم دونوں میں ہر چیز مشترک تھی۔ فلموں سے لے کر لکھنے پڑھنے کے موضوعات تک، پھر میں اس کی بیٹی کی ماں بن گئی۔ آتش کو پا کر میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ تب میں 29 سال کی تھی۔ میرے والدین ہماری شادی سے خوش نہ تھے۔ لیکن آتش کی پیدائش کے بعد وہ لندن آئے اور ہمارے ساتھ قیام کیا۔ تب انہیں احساس ہو گیا کہ ہم تو بنے ایک دوسرے کے لئے ہیں۔ قطع نظر اس کے وہ پاکستانی اور مسلمان ہے تولین ماضی کی راکھ کریدتے ہوئے بتاتی ہیں۔ ''پھر شادی کا یہ بندھن ٹوٹ گیا۔ میں سمجھتی ہوں جہاں تعلق بہت گہرا ہو جائے وہاں علیحدگی ناگزیر ہو جاتی ہے۔ میرے خیال میں دنیا کا سب سے پائیدار رشتہ دوستی کا رشتہ ہے۔ میری شادی کا انجام بہت برا ہوا۔ علیحدگی بہت گندے اور بھدے طریقے سے عمل میں آئی جس میں رتی بھر نفاست نہیں تھی۔ ایک پاکستانی متنازعہ آدمی کے لئے کسی بھارتی لڑکی سے محبت یا شادی کرنا خودکشی کے مترادف ہے۔ یہ اگرچہ ایک المیہ تھا مگر مجھے اس پر کوئی معذرت نہیں وہ میرا بہترین دوست تھا اور اس کی دوستی سے محرومی مجھے سب سے زیادہ محسوس ہوتی ہے۔''

سلمان تاثیر تو باقاعدہ شادی کے بندھن میں بندھے لیکن ان کی اولاد تو اس طرح کا بھی جھنجھٹ پالنے کی روادار نہیں ہے۔ سلمان کے صاحبزادے سے ایک معروف اداکارہ (ش)

کے ساتھ رنگ رلیوں میں مصروف تھے۔ سکیورٹی کے کچھ لوگوں نے چھوٹے تاثیر صاحب کو تو ذرا ''سائیڈ'' پر کر دیا اور اداکارہ کو اجتماعی زیادتی کا نشانہ بنا دیا لیکن سلمان تاثیر کی جانب سے اخبارات میں کہا گیا کہ نوجوان اپنی منگیتر کے ساتھ پھر رہے تھے۔ سکیورٹی والوں نے گھٹیا سلوک کا مظاہرہ کیا۔ لیکن ابھی تک تو نہ چھوٹے تاثیر صاحب نے شادی کی اور نہ منگیتر کا اس کے بعد کبھی کوئی تذکرہ ہوا۔ لیکن یہ ہوتا بھی کیسے کیونکہ وہ منگیتر نہیں، بازارِ حسن کی (ش) تھی جسے تاثیر خاندان وقتی عیاشی کے لئے بطور ٹشو پیپر تو استعمال کر سکتا ہے، گھر کی رانی نہیں بنا سکتا۔

گوہر ایوب

روایت ہے کہ کفن چور کے بیٹے نے مردوں کی ہڈیاں بھی چرانا شروع کر دیں تو مردوں نے احتجاج شروع کر دیا تھا۔ فیلڈ مارشل ایوب خان نے تو اپنے معاشقوں میں بھی وضع داری کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا لیکن ان کے صاحبزادے جناب گوہر ایوب تو تمام حدود پار کر گئے۔ نہ صرف جنسی بلکہ مالیاتی حوالے سے بے ضابطگیوں میں بھی انہوں نے بڑا ''نام کمایا'' ہے حتیٰ کہ انہیں حسن پرستی کی وجہ سے وزارتِ خارجہ کے قلم دان سے بھی ہاتھ دھونا پڑا۔

گوہر ایوب آج بھی اپنی عادات پر سختی سے قائم ہیں۔ نواز شریف جب وزارتِ عظمیٰ کے عہدہ پر فائز تھے تو ان دنوں گوہر ایوب وزارتِ خارجہ کی ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے تھے۔ اتنے حساس عہدے کے باوجود گوہر ایوب جنسی تسکین کی خاطر تمام تر فرائض فراموش کر بیٹھے تھے۔ ''دامن کوہ'' میں برسرِ عام ایک بیوروکریٹ کی اہلیہ سے ماحول کو رنگین بنانے کے دوران ڈاکوؤں کے ہاتھوں لٹنے کا واقعہ تو آج بھی زبان زدِ عام ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جناب گوہر ایوب سروقد حسینہ کے بل کھاتے بدن کو لبوں کے سجدے دے رہے تھے کہ چند ''عاقبت نااندیش'' مسلح افراد نے رنگ میں بھنگ ڈال دی۔ حسینہ کو زیورات اور نقد رقم سے محروم کر کے اپنی راہ چل دیئے۔ بات شاید دب جاتی لیکن خاتون کو اپنے زیورات کا غم کھائے جا رہا تھا۔ اس نے گوہر ایوب سے کہا کہ میں بغیر زیورات کے گھر گئی تو اس سلسلے میں پوچھا جائے گا۔ لہٰذا مجھے نیا زیور خرید کر دیں۔ گوہر تو اس پر راضی نہ ہوئے لیکن ان کے ایک ''رازدان'' نے معاملے کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے ''خود'' نئے زیورات لا دیئے اور یوں اس خاتون نے گھر جانے کی حامی بھر لی۔ عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتے اور یہ واقعہ تو کھلی فضاؤں میں روپذیر ہوا تھا لہٰذا آناً فاناً اخبارات کی زینت بن گیا۔ گوہر کی تمام تر وضاحتوں کے باوجود نواز شریف کو ان کے خلاف ضابطے کی کارروائی کرنا پڑی۔

یورپ میں جنسی بے راہ روی گو کہ ان کے کلچر کا حصہ بن چکی ہے لیکن اس کے باوجود وہاں کے عوام اپنے رہنماؤں کو اس لعنت سے پاک دیکھنا چاہتے ہیں اور جب بھی کسی سیاستدان یا حکومتی عہدیدار پر اس طرح کے الزامات لگائے جاتے ہیں تو اگر ان میں ذرا سا بھی حقیقت کا شائبہ ہو تو وہ لوگ از خود عہدہ چھوڑ کر عوام کی عدالت میں پیش ہو جاتے ہیں۔ ان کا یہی عمل وہاں کے جمہوری نظام کے استحکام کی ضمانت بن جاتا ہے۔

اس کے برعکس ہمارے ہاں اس طرح کی کوئی روایت جنم نہیں لے سکی بلکہ جس شخصیت نے ملکی اقدار اور اسلامی روایات کو جتنا پامال کیا اسے اتنا بڑا عہدہ اور اختیارات دیئے گئے۔ مثال

کے طور پر 27 اکتوبر 1989ء کو قومی روزناموں میں گوہر ایوب صاحب کی ایک غیر ملکی خاتون کے ساتھ رقص کرتے ہوئے تصاویر شائع ہوئیں۔ جس پر نہ صرف مذہبی جماعتوں بلکہ عام شہریوں نے بھی ردعمل کا اظہار کیا لیکن گوہر ایوب نے بجائے اپنی کوتاہی قبول کرنے کے اس واقعہ کے متعلق فرمایا کہ ''انڈونیشیا کے سفارتخانے میں ڈانس معمول کی بات تھی۔ یہ ایک اسلامی ملک کا روایتی رقص تھا۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس میں کوئی برائی ہے اس مسئلہ پر میرا ضمیر مطمئن ہے۔''

جس مسئلہ پر گوہر ایوب کا ضمیر مطمئن تھا یہی حرکت اگر کسی عام شہری سے سرزد ہوئی ہوتی تو اس ملک کا قانون حرکت میں آ گیا ہوتا اور وہ شہری حدود کیس میں سزا بھگت رہا ہوتا لیکن یہ معاملہ چونکہ ایک رکن اسمبلی اور وزیر کا تھا لہٰذا یہاں آ کر قانون بے بس ہو گیا۔

قدرت اللہ شہاب نے ایوب خان کے متعلق تذکرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''انہیں جاگیریں بنانے کا بہت شوق تھا'' ان کی یہی سوچ گوہر ایوب میں بھی سرایت کر گئی تھی۔ 1966ء میں جب برطانیہ سے فوجی سازوسامان کی خریداری کا معاہدہ ہو رہا تھا تو ایوب خان کو صرف ایک فکر لاحق تھی کہ اس سودے سے گوہر ایوب کو کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے؟ جو ان دنوں خود بھی فوج میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔

گوہر ایوب 1968ء تک کئی ایک اداروں کے سربراہ بن چکے تھے جن میں گندھارا انڈسٹریز، گوہر حبیب لمیٹڈ، گندھارا منرل اینڈ ٹریڈنگ کمپنی وغیرہ کا نام قابل ذکر ہے۔ ہر جائز اور ناجائز انداز میں حاصل کی گئی دولت کو گوہر ایوب نازنینوں کی اداؤں پر قربان نہ کریں تو آخر کیا کریں؟

الطاف حسین

ایک پیر صاحب کے بارے میں مشہور تھا کہ جب بھی کوئی خاتون قبول صورت ان سے جھاڑ پھونک کروانے یا تعویذ وغیرہ لینے آتی تو پیر صاحب فوراً تخلیہ کا حکم صادر کرتے اور فریادی خاتون کو ازار بند کھولنے کا کہتے۔ خاتون تعمیل ارشاد کر دیتی تو پیر صاحب کی پانچوں گھی میں ہوتیں۔ اگر کوئی ''گستاخ و بے ادب'' خاتون برہمی کا اظہار کرتی تو پیر صاحب فوراً پینترا بدلتے ہوئے کہتے ''میں تو وہ سامنے کھونٹی پر بندھے ازار بند کی بات کر رہا تھا'' (ڈرامہ کو حقیقی رنگ دینے کے لئے انہوں نے واقعی سامنے کی دیوار پر کھونٹی سے آزار بند بندھا رکھا ہوتا)

پاکستان کی سیاست بھی اس طرح کے شعبدہ باز پیروں سے بھری پڑی ہے۔ ان بازی گروں میں ایک نام ایم کیو ایم کے رہنما الطاف حسین کا بھی ہے۔ ظاہری طور پر کنوارے لیڈر کی اصلی زندگی کا دامن بے شمار بے بس حسیناؤں کی عزتوں کے خون سے داغدار ہے۔ الطاف حسین آج کل لندن میں خود ساختی جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہے ہیں لیکن جب ان کے قدم کراچی کی سرزمین پر اٹھا کرتے تھے لاتعداد لڑکیوں کے دل ڈھل جایا کرتے تھے۔ خود کو قائد انقلاب کہلوانے والے الطاف حسین نے پارٹی میں خواتین کی ممبر سازی کے لئے مذکورہ پیر صاحب کی طرح نہایت شرمناک طریقہ کار رکھا ہوا تھا۔ ایم کیو ایم کی ایک خاتون کارکن نے ''قائد انقلاب'' کے بارے میں انکشاف کیا کہ جس لڑکی کو ایم کیو ایم میں داخل کیا جاتا تو اسے نائن زیرو

قائد انقلاب کے سامنے پیش کیا جاتا اور اس سے قائد کی وفاداری کا حلف اٹھوایا جاتا اور پھر پوچھا جاتا کہ تم قائد کے لئے کیا کرسکتی ہو؟ نو وارد کارکن جوش میں کہتی کہ میں جان بھی قربان کرسکتی ہوں تو الطاف حسین کہتے کہ اچھا پھر قمیص اتارو۔ کارکن عمل کر دیتی تو پھر باقی لباس بھی درجہ بدرجہ اتروا دیا جاتا اور پھر ننگ وطن رہنما اس جانثار و بے لباس لڑکی سے کیٹ واک کی فرمائش کرتے۔ اگر کوئی باضمیر لڑکی قائد کے حکم پر بے لباس نہ ہوتی تو الطاف حسین فوراً شاہی انداز میں تالیاں بجا کر اسے داد دیتے اور کہتے پارٹی کو تمہارے جیسی باعصمت اور پاک باز لڑکیوں کی ضرورت ہے جو اپنی عصمت پر حرف نہ آنے دیں اور اگر کوئی لڑکی انکار کر دیتی تو الطاف حسین فوراً کہتے میں تو آزما رہا تھا۔

کراچی یونیورسٹی کے یونین الیکشن سے لے کر لندن جلاوطنی تک ان کی اپنی پارٹی پر گرفت قابل تعریف ہے۔ ان کے پارٹی کارکن آج بھی ان کے ایک اشارے پر اپنا ''تن من دھن'' قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ مرکزی عہدیدار سے لے کر عام کارکن تک سب کی سرگرمیوں کی رپورٹس انہیں لندن بیٹھے موصول ہو جاتی ہیں۔ ان کی جماعت کا معروف ترین نعرہ ہے ''جو قائد کا غدار ہے وہ موت کا حقدار ہے۔'' آیئے! ذرا ان کے رخ روشن سے نقاب اٹھا کر دیکھیں کہ شیخ رشید کے بعد دوسرے معروف کنوارے سیاستدان کس حال میں ہیں؟ ''قائد انقلاب'' کی زندگی کے یہ پوشیدہ پہلو شاید ہمارے سامنے نہ آتے لیکن بھلا ہو ایم کیو ایم کے باغی لیڈروں کا جنہوں نے ''قائد انقلاب'' کی خفیہ صلاحیتوں کو سربازار عریاں کر دیا۔

ایم کیو ایم الطاف حسین کے باغی گروپ کے لیڈروں نے انکشاف کیا ہے کہ سلیم شہزاد اور عمران فاروق، الطاف حسین کو لڑکیاں سپلائی کیا کرتے تھے۔ ان کی یہ بات تو الزام بھی ہو سکتی ہے لیکن لوگوں کا یہ معلوم ہونے پر کوئی حیرت نہیں ہونی چاہئے کہ الطاف حسین کی سالگرہ کی ایک تقریب میں اداکارہ ریما نے کراچی کی جدید آبادی کی ایک کوٹھی میں رقص کیا تھا۔ اس مقصد کے

لئے جب الطاف حسین کے دو قریبی ساتھی کراچی سے لاہور آئے تو ریما نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ ریما کو کسی نے بتایا تھا کہ ایم کیو ایم والے لڑکیوں کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کرتے۔ ریما بعد میں اس یقین دہانی پر ایک رات مجرا کرنے کے لئے آمادہ ہوگئی کہ مجرا کرتے وقت نہ اس کی تصویر بنے گی اور نہ ہی وڈیو فلم اور اس میں عام لوگوں کو شریک نہیں کیا جائے گا۔ اطلاعات کے مطابق الطاف حسین کے دوستوں نے ریما کو ''مجرا'' کے لئے ایک لاکھ ایڈوانس دیا تھا۔ خود ریما بعد میں اپنے قریبی حلقوں کے اندر بڑے فخریہ انداز میں یہ ذکر کیا کرتی تھی کہ اس نے الطاف حسین کی سالگرہ کے موقع پر رقص کا مظاہرہ کر کے لاکھوں روپے کمائے تھے۔ یہ خصوصی تقریب کراچی کی ایک جدید آبادی میں منعقد ہوئی تھی اس کا اہتمام غیر سرکاری طور پر کیا گیا تھا لیکن اس میں ایک سابق وزیراعلیٰ کے علاوہ سندھ کی ممتاز سیاسی اور سرکاری شخصیتوں نے شرکت کی تھی۔

الطاف حسین کے باغی ساتھیوں نے انکشاف کیا ہے کہ سالگرہ کی اس خصوصی تقریب کے شرکاء سرمایہ دار، صنعت کار، جاگیردار اور سرکاری افسر تھے جنہوں نے شراب کے نشہ میں لاکھوں روپے بظاہر الطاف حسین پر لیکن حقیقتاً ریما پر نچھاور کر دیئے۔

''قائد انقلاب'' کے نقش قدم پر باقی ایم کیو ایم بھی چل رہی ہے۔ برطانیہ کی شہریت رکھنے والی ایک لڑکی ریٹا کی کہانی کو بیرونی ذرائع ابلاغ نے بہت اچھالا۔ ریٹا نے بتایا کہ وہ کراچی کی تفریح گاہ ہاکس بے کا نظارہ کرنے کے لئے صبح صبح سمندر پر گئی۔ اس نے کراچی کے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں رہائش رکھی ہوئی تھی۔ وہ ہاکس بے پر سمندر کا نظارہ کر رہی تھی کہ چار نوجوان میری طرف آئے۔ وہ بہت پڑھے لکھے معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے نہایت سلجھے ہوئے انداز میں انگریزی زبان میں اپنا تعارف کروایا۔ میں یہ سن کر حیران ہوگئی کہ وہ میرے ہوٹل اور میرے کمرہ نمبر تک سے آگاہ ہیں لیکن جب انہوں نے بتایا کہ وہ لاہور سے آئے ہیں اور اس کے

ساتھ والے کمرہ میں رہائش پذیر ہیں تو میں نارمل ہو گئی۔ انہوں نے مجھے ''انجوائے'' کرنے کی غرض سے نہایت سلیقہ سے دعوت دی جو میں نے قبول کر لی۔ چاروں نوجوان خوش پوش اور خوش شکل تھے اور ان کے پاس پجارو تھی۔ یہ نوجوان مجھے اپنے ساتھ لے گئے لیکن جب وہ پجارو جیپ سے اتر کر تنگ و تاریک گلیوں کی طرف چلنے لگے تو میں نے دریافت کیا کہ ''ہم لوگ کدھر جا رہے ہیں؟'' پوچھنے کا یہ انداز ان لوگوں کو پسند نہ آیا اور وہ غصے میں کہنے لگے جو کچھ ہم کہتے ہیں کرتی جاؤ ورنہ گولی مار دیں گے۔ جب میں نے دیکھا کہ ان کے ارادے اچھے نہیں ہیں تو میں خاموش ہو گئی۔ ہم سیڑھیاں اترتے ہوئے ایک تہہ خانے میں داخل ہو گئے جہاں بالکل اندھیرا تھا۔ ایک نوجوان نے بلند آواز میں کہا ''ٹونی.......... ہم ہیں۔'' اچانک روشنی ہو گئی اور مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں کسی جاسوس کے کمرے میں آ گئی ہوں یا کسی قتل گاہ میں۔ ارد گرد انسانی کھوپڑیاں پڑی ہوئی تھیں.......... میری چیخ نکلی اور بے ہوش ہو گئی.......... تھوڑی دیر کے بعد مجھے ہوش آیا تو ان میں سے ایک نوجوان میرے پاؤں سہلا رہا تھا جبکہ دوسرے نوجوان شراب پی رہے تھے۔ میں سمجھی کہ میں اغوا ہو چکی ہوں اور پاکستان کے انگریزی اخبارات کی شہ سرخیاں میری آنکھوں کے سامنے گھومنے لگیں جو ''اغواء برائے تاوان'' سے متعلق ہوتی تھیں۔ میں نے ہمت کر کے نوجوان سے پوچھا ''کیا مجھے تاوان کی غرض سے اغوا کیا گیا ہے؟'' نوجوان نے نہایت تحمل سے جواب دیا کہ ''نہیں ہم صرف انجوائے'' کرنا چاہتے ہیں۔ یوں کئی دنوں تک یہ نوجوان ''انجوائے'' کرتے رہے اور میں یہ سوچتی رہی کہ نہ جانے یہ لوگ مجھے زندہ بھی چھوڑیں گے یا نہیں؟ میں انتہائی خوفزدہ تھی۔ میں سیر و سیاحت کی دنیا سے تعلق رکھتی ہوں۔ قید کا ایک لمحہ بھی میرے لئے اذیت کا باعث تھا۔ چار روز کے بعد مجھے وہی نوجوان ہاکس بے چھوڑ آئے۔ جب مجھے نجات ملی تو میں نے پاکستان میں دیگر مقامات کی سیر کا تصور چھوڑ دیا اور واپس برطانیہ چلی آئی۔''

ریٹا بتاتی ہے کہ وہاں رادھا' تانی اور شبانہ نام کی لڑکیاں بھی تھیں.......... عیاشی کرنے

والے ان نوجوانوں کی تعداد بھی ایک درجن سے زیادہ تھی۔ وہ دن کے وقت اکثر غائب رہتے تھے جبکہ رات کو شراب اور کھانے پینے کی دیگر اشیاء لے کر آ جاتے تھے۔ دن کے وقت ہم لڑکیوں کے اکٹھے بیٹھنے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ ان کے لباس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کھاتے پیتے گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ قید کے دوران انہوں نے کسی لڑکی سے غالباً اس لئے بدتمیزی نہیں کی کہ کسی لڑکی نے ان کی پیشکش قبول کرنے سے انکار نہیں کیا تھا۔ مجھے یہ اندازہ لگانے میں کوئی مشکل محسوس نہیں ہوئی کہ رادھا' تانی اور شبانہ کو بھی میری طرح ہی چکمہ دے کر یہاں لایا گیا ہے۔ تانی نے بتایا کہ وہ حیدر آباد کی رہنے والی ہے اور اپنے محبوب کے ساتھ ایک ہوٹل میں تفریح کے لمحات گزار کر گھر جا رہی تھی کہ اسے کسی نے اغواء کر لیا۔ وہ کئی دنوں تک اندرونِ سندھ کے ایک دیہاتی مقام پر رہی۔ دیہات سے مجھے ایک شخص نے ڈاکوؤں کے حوالے کر دیا اور وہ مجھے جنگل میں لے گئے۔ جہاں سے میں بھاگ نکلی اور سڑک پر آئی تو چند نوجوانوں کے ہتھے چڑھنے کے بعد اس ''حیرت انگیز'' جگہ پر پہنچ گئی۔

رادھا ایک ہندو لڑکی تھی۔ اس نے بتایا کہ وہ ایم کیو ایم کے ایک کارکن دلشاد اختر کی محبوبہ تھی۔ دلشاد کی بجائے میرے والدین نے میری شادی چچا زاد رتن سے کر دی۔ مجھے رتن پسند نہیں تھا میں دلشاد کے ساتھ گھر سے بھاگ نکلی۔ بعد میں دلشاد نے ایم کیو ایم کے باغی گروپ سے رابطہ کر لیا تو نہ جانے کن لوگوں نے مجھے اغواء کر کے اس کمرے میں محبوس کر دیا اور میری آبرو ریزی کرتے ہیں۔ اب میں اپنے گھر جانا چاہتی ہوں۔ ریٹا کا کہنا ہے کہ اغواء کرنے والوں نے رادھا کو بھی رہا کر دیا ہوگا۔ اگر وہ آزاد نہیں ہوئی تو مر گئی ہوگی کیونکہ وہ اکثر کہا کرتی تھی کہ اس زندگی سے تو موت بہتر ہے۔ ریٹا کا کہنا ہے کہ شبانہ اکثر خاموش رہتی تھی۔ اس کے بارے میں مجھے رادھا نے بتایا کہ وہ اپنے بارے میں کسی کو کچھ بتانے کے لئے تیار نہیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ کسی اچانک صدمے کے باعث دماغی توازن کھو بیٹھی ہے۔

ایم کیو ایم کے قائدین کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ چند غیر معروف لڑکیوں کے اچانک مشہور ہونے کی وجہ وہ تھے۔ وہ اخبارات والوں کو ان کے انٹرویو کرنے کا حکم دیتے تھے اور زبردستی ان کے شوز کے ٹکٹ بکواتے اور انہیں بھارت کے دورے کروائے جاتے تھے۔ غالباً جاسوسی کے نقطہ نظر سے۔ زاہدہ رخسار کے بارے میں پتہ چلا کہ اس نے ایم کیو ایم کی قیادت کے نزدیک بڑی اہمیت حاصل کر رکھی ہے اور ایک انتہائی ذمہ دار عہدیدار اس کی زلفوں کے اسیر تھے۔ رخسار نے فرزانہ کے نام سے بھارت کا دورہ بھی کیا۔ اکثر محفلوں میں وہ ایم کیو ایم کے لیڈروں کے سامنے رقص کرتی رہی۔ اس ضمن میں پتہ چلا کہ بسا اوقات ایسے پروگرام بنائے جاتے جس میں کئی لڑکیاں اور لڑکے کھلم کھلا عیش و عشرت میں مشغول ہوتے۔ کراچی کے ثقافتی حلقوں میں یہ باتیں زبان زد عام تھیں کہ آخر زاہدہ رخسار، سمعیہ ناز اور اس کی والدہ ثریا ناز آئے روز بیرونِ ملک کیوں جاتی ہیں مگر ایم کیو ایم کے خلاف آپریشن کے دوران زیادہ تر کال گرلز روپوش ہو گئیں یا انہوں نے اسلام آباد میں اپنے ''عزیزوں'' کے پاس پناہ لے لی۔ سچ کہتے ہیں برے وقت میں ہمیشہ ''اپنے'' ہی کام آتے ہیں۔

ایم کیو ایم کے ایک مرکزی رکن اور خصوصی معاون خالد ندیم نے انکشاف کیا کہ الطاف حسین نہ صرف ایک سفاک اور خطرناک انسان ہے بلکہ الطاف حسین نے لاتعداد عورتوں کو بھی جنسی تشدد کا نشانہ بنایا لیکن تشدد کا شکار ہونے والی عورت اور اس کا خاندان اس خوف کی وجہ سے خاموشی اختیار کر لیتے کہ زبان کھولنے کی صورت میں شاید الطاف حسین کو نقصان تو نہ پہنچایا جا سکے لیکن ان تمام کو الطاف حسین کے جانثار ختم کر دیں گے۔ خالد ندیم نے الطاف حسین پر الزام لگایا کہ جو مہاجر لڑکیاں ایم کیو ایم کے لئے کام کرنے آتیں، الطاف حسین ان میں سے چند کا انتخاب کر لیتے اور جب وہ کسی ایک لڑکی کے لئے اپنے مسلح ساتھیوں کو اشارہ کرتے تو اسی وقت اس بدنصیب لڑکی کو وہ مسلح افراد الطاف حسین کی خدمت میں پیش کر دیتے تھے۔

خالد ندیم نے دعویٰ کیا کہ وہ الطاف حسین کے ذاتی ملازم کی حیثیت سے بھی ان کے قریب رہا۔ الطاف حسین اس کے ذریعے لڑکیوں کو بلاتے بلکہ کراچی کی معروف پیشہ ور عورتوں ناہید، شہناز، سلطانہ اور ثریا وغیرہ کو خود الطاف حسین کے لئے لے کر آتا تھا جبکہ ان عورتوں کے گھروں میں بھی الطاف حسین کا آنا جانا تھا۔

خالد ندیم کے مطابق اسلام نبی کے گھر میں کراچی کی حسین و جمیل لڑکیاں الطاف حسین کے سامنے پیش کی جاتی رہیں۔ خالد ندیم نے شعیب عرف شعیبی کے قتل کا ذمہ دار بھی الطاف حسین کو ٹھہرایا۔ خالد ندیم کے بقول شعیب عرف شعیبی کا گناہ صرف یہ تھا کہ اس نے الطاف حسین کو ایک معروف پاپ گلوکارہ کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں دیکھ لیا تھا اور جب اس سے یہ ''گناہ'' سرزد ہو گیا تو اس کو محسوس ہو چکا تھا کہ اب اس کی زندگی صرف چند لمحے ہے، اس لئے وہ اپنی جان بچانے کے لئے چھپنے کی بے سود کوشش کرنے لگا لیکن اس کو اتنی بے دردی کے ساتھ قتل کیا گیا کہ ایسے لوگوں کو عبرت حاصل ہو جو ''قائد'' کی نجی زندگی میں جھانکنے کی جسارت کرنے کا سوچتے ہیں۔

الطاف حسین حسن و فن کے دلدادہ ہیں اور کسی کو ''پروموٹ'' کرنے کے میدان میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے جس حسینہ سے خوش ہو جائیں اسے راتوں رات ملک کی معروف اداکاراؤں، ماڈلز یا گلوکاروں کی فہرست میں شامل کرا دیا جاتا ہے۔

جہانگیر بدر

جہانگیر بدر "تھڑا لیڈر" کی شہرت رکھتے ہیں گو کہ انہیں پیپلز پارٹی کا مرکزی سیکرٹری جنرل بنا دیا گیا ہے مگر ان کا دعویٰ ہے کہ وہ آج بھی معمولی کارکن کے ساتھ تھڑے پر بیٹھ کر مذاکرات کر سکتے ہیں۔ ایک عام کارکن سے وفاقی وزیر کے عہدے تک پہنچنے والی یہ شخصیت بھی

اپنے دامن میں بہت سی کہانیاں لئے ہوئے ہے۔ یہ واقعہ ایک حقیقت ہے کہ جب محکمہ انکم ٹیکس کے اہلکار ٹیکس وصول کرنے کے لئے ملکہ ترنم نور جہاں کے گھر پہنچے تو ان کا سامنا جہانگیر بدر سے ہو گیا۔ بدر نے اہلکاروں کو میڈم پر "ہولا" رکھنے کا کہا لیکن اہلکاروں نے جہانگیر بدر کو لفٹ نہ کرائی۔ انہوں نے فوراً ناہید خان سے ٹیلی فون پر بات کرنے کی کوشش کی لیکن انکم ٹیکس آفیسر نے فون چھینتے ہوئے کہا کہ ناہید خان کو جو ہماری شکایت کرو وہاں یہ بھی بتا دینا کہ تم یہ سب کچھ حنا کی خاطر کر رہے ہو۔ جہانگیر بدر سٹپٹا گئے کیونکہ وہ صرف حنا کے چاہنے والوں میں سے نہیں تھے بلکہ ظل ہما سے بھی شادی کے امیدواروں میں شامل تھے۔ میڈم نور جہاں نے موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے کہا کہ میری بیٹیوں کے عاشقوں کے جھگڑے میں مت پڑو میں مکمل انکم ٹیکس ادا کر دوں گی۔ مزدور طبقے کے نمائندہ جہانگیر بدر نے پیپلز پارٹی کے ایک کارکن اختر کو صرف اس لئے ساتھ رکھا ہوا تھا کہ وہ ان کے لئے کنواری کنیا ڈھونڈ کر لاتا تھا۔ بدر صاحب کے رازداروں کا کہنا ہے کہ وہ مسلا ہوا پھول پسند نہیں کرتے اس لئے اختر کو ان کے لئے کلیاں ہی ڈھونڈنا پڑتی تھیں۔

سردار فاروق احمد لغاری
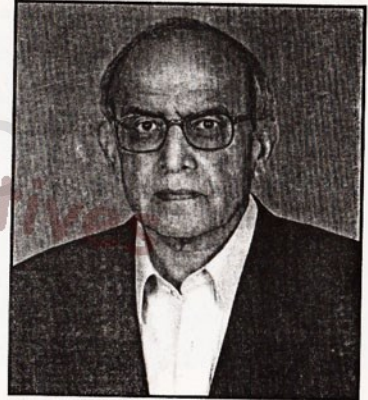
بینظیر بھٹو کے دوسرے دورِ حکومت میں 13 نومبر 1993ء کو صدرِ مملکت کے عہدے کے لئے انتخابات ہوئے جس کے نتیجے میں سردار فاروق احمد لغاری صدرِ مملکت کے عہدے کے لئے منتخب کر لئے گئے۔ جب وہ ایوانِ صدر میں داخل ہوئے تو ان کی بیگم نے پہلے سے موجود

سامانِ تعیش میں کمی محسوس کرتے ہوئے ایوانِ صدر کی مزید آرائش کے لئے 6 کروڑ کا بجٹ پیش کر دیا۔ اس بھاری رقم میں سے پردے اور سجاوٹ کی دیگر چیزوں پر 44 لاکھ روپے' نئے فرنیچر کی خریداری پر 15 لاکھ روپے' فائرنگ رینج پر 36 لاکھ روپے' قالین کی خریداری پر ساڑھے تین لاکھ روپے' گھڑ سواری کی غرض سے میدان ہموار کروانے کا سامان سوا دو لاکھ روپے کے علاوہ دیگر سامان پر لاکھوں روپے خرچ کر دیئے گئے۔

اس کے چند ماہ بعد مہران بنک سکینڈل کا چرچا ہوا جس سے سردار فاروق احمد لغاری کو مجسمہ شرافت سمجھنے والوں کو بہت صدمہ ہوا۔ اس کے بعد بہت سی خبریں منظر عام پر آنے لگیں۔ انہوں نے اپنے ایک دوست رابرٹ میک فارلین کی کمپنی کو بلوچستان کے علاقے میں پاور پراجیکٹ لگانے کے لئے لائسنس لے کر دیا اور بھاری کمیشن وصول کی۔ اسی طرح ان کے عزیز و اقارب نے بھی بینکوں سے قرض لے کر سیمنٹ فیکٹریاں قائم کیں۔

بینظیر حکومت کے ساتھ صدر فاروق احمد لغاری کے اختلافات جب شدت اختیار کر گئے تو آصف زرداری نے صدر فاروق احمد لغاری پر اپنا دباؤ قائم رکھنے کے لئے جمال لغاری اور ان کے خاندان کے چند دوسرے افراد کی خالصتاً نجی مصروفیات کی ویڈیو فلم بنائی تھی۔ اگرچہ ایوانِ صدر کے ذرائع اسے محض زرداری کی افواہ سازیوں کا کرشمہ قرار دیتے رہے اور یہ کہ ایسی باتیں بینظیر کی سیکرٹری ناہید خان کی بعض سرگرمیوں کے ثبوتوں کو سامنے نہ لانے کے لئے دھمکی کے طور پر پھیلائی جا رہی ہیں تاہم اس سلسلے میں ویڈیو فلم کا کاروبار کرنے والے دو افراد کو گرفتار بھی کیا گیا تھا۔

ایوانِ صدر کے ذرائع کے پاس ناہید خان' حسین حقانی' بیگم رعنا شیخ' شہناز وزیر علی' نواز کھوکھر' سیّد نوید قمر' جہانگیر بدر' ملک مشتاق اعوان اور ناظم حسین شاہ کی کرپشن کے ثبوت تھے تو دوسری طرف بینظیر بھٹو کے ذرائع کے پاس صدر فاروق احمد لغاری' ان کے صاحبزادوں اور چچازاد بھائیوں کی بدعنوانیوں کے دستاویزی ثبوت ہیں۔

ایک سابق وفاقی وزیر کے مطابق صدر فاروق احمد لغاری کے صاحبزادے جمال لغاری نے سوشل ایکشن بورڈ ڈیرہ غازی خاں کے چیئرمین کے طور پر جس طریقے سے قواعد و ضوابط کی دھجیاں بکھیریں اور بورڈ کے فنڈز کا جو حشر کیا صرف وہی منظر عام پر لایا جائے تو لغاری خاندان کی پاک دامنی کا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔

12 اکتوبر کو فوج کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد سابق صدر فاروق احمد لغاری کے خلاف احتساب ایکٹ کے تحت کاروائی کا فیصلہ کیا گیا۔ اس سلسلے میں جن بڑے الزامات کو بنیاد بنایا گیا ان میں مہران بنک، زرعی فرم، ہیل کاپٹر کیس اور ایوانِ صدر کے اخراجات شامل ہیں۔

ممتاز بھٹو

صنف نازک سے کھیلنا سندھی وڈیروں کی ایک خاص خوبی شمار کی جاتی ہے۔ ممتاز نے یہ روایت بڑے دھڑلے سے نبھائی۔ جن دنوں مسند سندھ پر ممتاز بھٹو فائز تھے تب چیف منسٹر ہاؤس میں فحش فلمیں بڑے اہتمام سے دکھائی جاتی تھیں۔ ممتاز بھٹو کی شرمناک سرگرمیوں سے متعلق کراچی ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے ایک اعلیٰ افسر نے قسم کھا کر کہا کہ ”سندھ کے ایک ریسٹ ہاؤس میں میری موجودگی میں عبدالحفیظ پیرزادہ اور ممتاز بھٹو دو لڑکیوں کو لے کر آئے۔ وہ سینٹ

جوزف کالج کی یونیفارم پہنے ہوئی تھیں۔ کتابیں ان کے ہاتھوں میں تھیں مگر جلد ہی انہیں اس ''بوجھ'' سے نجات مل گئی۔''

ممتاز بھٹو نے اپنی رنگین محفلوں کو شایانِ شان طریقے سے رنگین تر کرنے کے لئے لاڑکانہ میں نہایت عالیشان کمرہ تعمیر کروایا۔ جن لوگوں نے انگریزی ''ایڈونچرز'' کا یہ ناول پڑھا ہو وہ اس کمرہ کی ہیئت کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ یہ کمرہ مجسموں سے مزین تھا۔ ان کے ذریعے مرد و زن کے اختلاط کے درجنوں مناظر دیکھے جا سکتے ہیں۔ ممتاز بھٹو نے یہ کمرہ خالصتاً غیر ملکی مہمانوں کی تواضع کے لئے تعمیر کرایا۔

ممتاز بھٹو جب ریلوے کے وفاقی وزیر بنائے گئے تو کام کی غرض سے ان کا قیام اکثر لاہور میں ہوتا۔ یہاں بھی ممتاز نے اپنی شہوانی سرگرمیاں برقرار رکھیں۔ انہی دنوں پنجاب کے ایک چیف سیکرٹری کی بیوی کی خوبصورتی کے چرچے عام تھے اور کہا جاتا تھا کہ ان کے خاوند کو صرف بیوی کی خوبصورتی کی وجہ سے چیف سیکرٹری کے عہدے پر فائز کیا گیا ہے۔ یہ سرو قد حسینہ حکومتی ایوانوں کے کرتا دھرتا افراد کے دلوں پر راج کرتی تھی۔ ممتاز بھٹو بھی اس کے سحر کا شکار ہو گئے۔ ممتاز جب بھی لاہور آتے اپنا بہت سا وقت اس نازک اندام خاتون کے ساتھ بسر کرتے۔ پنجاب کے دیگر افسران بھی Talented کزن کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ممتاز کی خواہشات پوری کرنے کے چکر میں لگے رہتے۔ ان دنوں افسران میں یہ مقابلہ ہوتا تھا کہ کون سب سے زیادہ خوبصورت حسینہ ممتاز کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ ممتاز متعصب سندھی ہونے کے ناطے سے پنجاب میں صرف اور صرف پنجابیوں کی عزت پامال کرنے کے لئے آیا کرتے تھے۔ اس بات کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ جب ممتاز بھٹو ایک مزدور لیڈر کے ساتھ بیٹھ کر ہوٹل میں انگور کی بیٹی سے محظوظ ہو رہے تھے دورانِ گفتگو پنجابیوں کا تذکرہ چھڑ گیا۔ ممتاز نے کہا کہ ''پنجابی بے غیرت ہوتے ہیں۔'' مزدور لیڈر خود بھی پنجابی تھا سندھی وڈیرے کے منہ سے یہ الفاظ سن کر بپھر گیا اور کہا کہ ''بھٹو صاحب اپنے الفاظ واپس لو۔'' ممتاز نے الفاظ تو کیا واپس لینے تھے

مزید کہنے لگے کہ ''پنجابی عہدہ حاصل کرنے کے لئے اپنی عزیز ترین لڑکیاں تک لوگوں کے بستروں کی زینت بنا دیتے ہیں۔'' ممتاز بھٹو کے الفاظ مزدور لیڈر کے دماغ پر بجلی بن کر گرے۔ دوسرا شراب نے اس کے حواس خراب کر رکھے تھے لہٰذا بات تو تکار سے ہاتھا پائی تک جا پہنچی۔

مزدور لیڈر نے ممتاز کے منہ پر تھپڑ دے مارا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ سندھی وڈیرہ اپنی یہ توہین برداشت نہ کر سکا اسی رات جب ممتاز پنی توہین کے غم کو پنجابی افسروں کی طرف سے فراہم کردہ ایک خاتون کی عزت سے کھیل کر کم رہا تھا تو دوسری جانب پولیس اہلکار مزدور لیڈر کی کھال کھینچ رہے تھے۔

غلام مصطفیٰ کھر

غلام مصطفیٰ کھر نے اپنے سیاسی کیریئر کا آغاز 1664ء میں ایوب خان کے دور میں رکن پارلیمنٹ بن کر کیا۔ اس وقت ان کی عمر کوئی پچیس برس ہو گی۔ اوائل شباب ہی سے کھر ''جہاں بھی گئے داستان چھوڑ گئے'' کی شہرت رکھتے تھے۔ لاہور سے آئے تو رضیہ منیش کی مالکہ کی ائیر ہوسٹس بیٹی صفیہ دل کو بھا گئی اور کھر نے اپنی پہلی خاندانی شادی کو نظر انداز کرتے ہوئے صفیہ کو اپنی دلہن بنالیا۔ صفیہ بھی گھاٹ گھاٹ کا پانی پینے کی رسیا تھی۔ کھر کے عقد میں ہونے کے

باوجود اس نے ان کے بھائی مرتضٰی سے اکھیاں لڑانا شروع کر دیں اور بالآخر صفیہ مصطفیٰ سے طلاق لے کر مرتضٰی کی ہو گئی۔ اس واقعہ کو مصطفیٰ کھر کی ایک اور شریک حیات تہمینہ نے بھی اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''مینڈ اسائیں'' میں تحریر کیا ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

''قومی اسمبلی کے رکن کے طور پر مصطفیٰ سفر میں رہتا۔ طیاروں کے ذریعے کبھی یہاں اور کبھی وہاں۔ جلد ہی اس کی صفیہ نامی ایک ائیر ہوسٹس سے ملاقات ہو گئی۔ مصطفیٰ قومی اسمبلی کے سیشن میں شرکت کے لئے ڈھاکہ جا رہا تھا۔ طیارے پر کھانا پیش کیا جانے لگا۔ مصطفیٰ نے دیکھا کہ دو پیارے پیارے ہاتھ بڑے چمچے سے اس کی پلیٹ میں کری ڈال رہے ہیں۔ نظر اٹھائی تو سبز رنگ میں ملبوس ایک صورت دکھائی دی جس پر چھلاوے کا گمان ہوا۔ دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں۔ مصطفیٰ سماجی سیڑھی پر اوپر کی طرف گامزن تھا۔ تیس ہزار فٹ خاصی بلندی ہوتی ہے۔ طیارے سے اترتے وقت وہ ترنگ میں آ کر مڑا اور صفیہ سے دریافت کیا کہ کیا دوبارہ ملاقات ہو سکتی ہے؟ صفیہ نے لجا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ ڈھاکے میں اگلے دو دن صفیہ کے ساتھ گزارے، یہ ایک چھوٹا سا رومانوی واقعہ تھا اور بس۔''

آگے چل کر تہمینہ لکھتی ہیں کہ یہ چھوٹا واقعہ اکثر ہونے لگا اور پھر صفیہ گورنر ہاؤس اٹھ آئی۔ تہمینہ کا کہنا ہے:

''کچھ عرصہ بعد اس شادی کی بھی بس راکھ ہی باقی رہ گئی۔ سلگتے انگاروں کو وقت نے کبھی کا بجھا ڈالا تھا۔ ایک روز مصطفیٰ کے بھائی گورنر ہاؤس اس سے ملنے آئے۔ اس نے بتایا کہ صفیہ نے اس سے بے وفائی کی ہے۔ اب آپ گورنر ہیں یہ آپ کی عزت کا معاملہ ہے۔ صفیہ نے آپ کے چھوٹے بھائی غلام مرتضٰی سے ناجائز تعلقات قائم کر لئے ہیں ہم اس بات کو آپ سے

مزید نہیں چھپا سکتے۔"

مصطفیٰ کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہوگئی۔ زندگی میں یہ پہلی عورت تھی جس نے اس کی عزت پر بٹا لگانے کی کوشش کی تھی۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ اس نے صفیہ کی زندگی برباد کر دی تھی یا نو بہار سے شادی کر لی تھی یا پچھلے چھ ماہ میں صرف چند گھنٹے کے لئے اس کے پاس گیا تھا یا اسے صفیہ سے محبت کبھی تھی ہی نہیں۔ جاگیردارانہ قانون کی رو سے مرد کو یہ سب کچھ کرنے کی آزادی ہے۔ عورت اس کے ساتھ بے وفائی نہیں کر سکتی۔ یہ عظیم ترین گناہ ہے۔ اس سے مرد کی مردانگی کو زک پہنچتی ہے۔ اگر مرد کو پتہ نہ ہو تو اور اس کی بیوی کسی اور کے ساتھ دادِ عیش دے رہی ہو تو لوگ اس کی طرف انگلیاں اٹھا کر دبی دبی آواز میں ہنستے ہیں اور سرگوشیاں کرتے ہیں۔ مصطفیٰ نے شکستہ دل ہو کر کمرہ کی خلوت میں پناہ لے لی۔ پھر اس نے صفیہ کو بے دردی سے پیٹا۔ سننے میں آیا ہے کہ اس نے صفیہ اور دائی عائشہ دونوں کے اندام نہانی میں پسی ہوئی لال مرچیں بھی ٹھونسیں۔ دونوں کو ہسپتال لے جانا پڑا۔ ان کی پسلیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ مصطفیٰ نے دائی عائشہ کو تقریباً جان سے مار ڈالا۔ جسے اس معاملے کا شروع سے علم تھا۔ اس نے اپنی صفائی میں سیدھی سی بات کہی "میں آپ کو بتانے کی جرأت کیسے کرتی' میری وجہ سے خاندان میں فساد پڑ جاتا' آپ کا بھائی مجھے مار ڈالتا' وہ میری بوٹیاں ابال کر اونٹوں کو کھلا دیتا۔"

تہمینہ کی اس تحریر سے کھر کی عورت کے حوالے سے ذہنی سوچ کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔ صفیہ کی بے وفائی کے بعد کھر ایک مرتبہ تو اندر سے ٹوٹ پھوٹ گئے۔ اپنا غم غلط کرنے کے لئے انہوں نے لاہور کے بازارِ حسن کو اپنا مسکن بنا لیا۔ اسی دوران ان کی ملاقات بازار کی ایک معروف رقاصہ نو بہار سے ہوگئی۔ یہ وہی نو بہار تھی جنہوں نے ناہید کے نام سے فلموں میں بھی کام کیا۔

مصطفیٰ کو ناہید میں جانے کیا نظر آیا کہ دن رات اسی کے ہو رہے اور نوبت شادی تک پہنچ گئی۔ شادی کے بعد ناہید نے بازارِ حسن چھوڑ دیا۔ بادشاہی مسجد کے قریب فورٹ روڈ پر نئے تعمیر

شدہ گھر میں بسیرا کر لیا۔ اس دوران کھر پنجاب کے گورنر اور ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے عہدہ پر فائز ہوگئے۔ کچھ عرصہ تو ناہید ان کی آنکھوں کا تارا بنی رہی۔ پھر دوستوں نے سمجھایا کہ اب تمہارا عہدہ بہت بڑا ہو چکا ہے لہٰذا بازار کی اس لعنت سے چھٹکارا حاصل کر لو۔ بات کھر کے دل کو لگی اور یوں انہوں نے ناہید کو سوا لاکھ روپیہ اور ایک مرسڈیز کار دے کر خلاصی حاصل کر لی لیکن پیار کے اس کھیل میں کھر ناہید کے بطن سے ایک بیٹی کے باپ بن چکے تھے۔ گو کہ کھر اسے بیٹی تسلیم نہیں کرتے لیکن ناہید ہر محفل میں اس کا تعارف کھر کی بیٹی کی حیثیت سے کراتی ہے۔

گو کہ کھر گورنر کے عہدے پر فائز تھے لیکن ان کی بے لگام جنسی خواہشات انہیں کوئی نہ کوئی "گل تلنے" پر اکساتی رہتیں۔ اسی عادت سے مجبور کھر نے معروف فلم سٹار زمرد کی بہن ادا سے مراسم بڑھا لئے۔ ادا اپنے دور کی معروف رقاصہ تھی اس کی پائل کی چھن چھن نے کھر کے دل کے تاروں میں ارتعاش پیدا کر دیا۔ انہوں نے ادا کو شادی کی پیشکش کی لیکن اس نے اس کی یہ پیشکش ادائے دلبرانہ سے ٹھکرا دی۔ ادا کا کہنا تھا کہ میرے کیریئر کی ابتداء ہے آپ سے شادی کر کے اسے تباہ نہیں کرنا چاہتی۔ اصل میں اس وقت تک کھر کی شہرت داغدار ہو چکی تھی اور بازارِ حسن کی پریاں بھی یہ جان چکی تھیں کہ کھر سے دلربائی کر کے نوٹ تو کمائے جا سکتے ہیں شادی کا کوئی فائدہ نہیں۔

اس طرح ایک اور مثال اسی زمانے کی ایک معروف گلوکارہ کی بھی ہے اسے بھی کھر نے شادی کا بہکاوا دیا لیکن اس نے اس پنجرے کا قیدی بننے سے انکار کر دیا۔ غلام مصطفیٰ کھر کی حرکتوں سے نہ صرف بازارِ حسن کی دنیا واقف ہو چکی تھی بلکہ ایک مشہور شخصیت نے تو یہ بھی کہہ دیا تھا کہ "میں کبھی اپنی بیوی اور بیٹی کا تعارف کھر سے کرانا پسند نہیں کروں گا۔"

پیر بنیامین رضوی

پنجاب کے عاشق مزاج سابق وزیر پیر بنیامین رضوی کے تشدد اور شکی ہونے کی بناء پر ان کی بیوی غزالہ نے چھٹکارا حاصل کر کے انہی کے چپڑاسی سے شادی رچالی اور پیر بنیامین منہ دیکھتے رہ گئے۔ اس اجمال کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ پیر بنیامین رضوی جو پھالیہ ضلع منڈی بہاؤ الدین کے رہائشی ہیں ان کے والد پیر محمد یعقوب بہت نیک اور بزرگ تھے اور اہل خانہ ان کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ انہوں نے پیر بنیامین رضوی کی شادی ان کی ماموں زاد زہرہ بی بی سے کر دی جن سے ایک لڑکا فاروق یعقوب پیدا ہوا۔ فاروق کی پیدائش کے بعد پیر بنیامین رضوی لاہور منتقل ہو گئے اور سکندر بلاک علامہ اقبال ٹاؤن میں رہائش اختیار کر لی اور وہیں پر کتابوں کی چھوٹی سی دوکان کھول لی۔

پیر بنیامین رضوی کی وہیں پر سکندر بلاک کی رہائشی لاہور کالج برائے خواتین کی ایک طالبہ غزالہ سے ملاقات ہوئی اور غزالہ کے بقول پیر نے اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اس کا دل موہ لیا۔ یوں یہ رومانس شروع ہو گیا۔ غزالہ کے عشق میں مبتلا ہو کر پیر نے اپنی خاندانی بیوی اور شریف عورت زہرہ بی بی کو طلاق دے دی اور غزالہ کے گھر پیغام بھیجا۔ غزالہ کے گھر والوں نے شروع میں تو پیغام مسترد کر دیا لیکن آخر کار غزالہ کے اصرار اور بغاوت کی دھمکی نے گھر والوں کو پیغام منظور کرنے پر مجبور کر دیا۔

غزالہ سے شادی کے بعد پیر بنیامین رضوی کے گھر میں دو بیٹیاں شہر بانو اور اقصیٰ پیدا ہوئیں۔ غزالہ کے بقول دونوں بچیوں کی پیدائش کے بعد پیر نے اس پر ناجائز سختیاں شروع کر دیں۔ بات بات پر تشدد کرتا' غلیظ گالیاں دینا اور کردار پر انگلی اٹھانا معمول بن گئے۔ غزالہ کا کہنا ہے کہ وزیر بننے کے بعد پیر نے راتوں کو گھر سے باہر رہنا شروع کر دیا۔ پیر کے حلقہ میں لوگ اس کو ''استانی شاہ'' کے نام سے پکارنے لگے۔ غزالہ کا کہنا ہے کہ سہیل ضیاء بٹ اور اشرف بادا پیر کے ذاتی دوست ہیں جن کے ساتھ پیر کی محفلیں جمنے لگیں۔ پیر نے اپنی بیوی کو قید تنہائی میں ڈال دیا۔ وہ کسی تقریب میں ہمراہ نہ لے کر جاتے حتیٰ کہ ٹیلی فون آپریٹر کو ہدایت کی گئی کہ وہ ٹیلی فون پر بھی غزالہ کو نہ بلوایا کریں۔

وزیر بننے کے بعد پیر نے محکمہ سوشل ویلفیئر کے ملازمین کو اپنا ذاتی ملازم بنا لیا۔ وہ جس کو چاہتے گھر میں ڈیوٹی کے لئے بلوا لیتے۔ میڈیکل سوشل ویلفیئر آفیسر مینٹل ہسپتال کے دفتر میں تعینات چپڑاسی جمیل احمد کو بھی پیر نے اپنے گھر ڈیوٹی پر بلوایا تھا مگر جمیل احمد نے پیر کے گھر آ کر خدمات انجام دینی شروع کیں تو اس نے دیکھا کہ پیر کا رویہ اپنی بیوی سے بہت خراب ہے۔ چنانچہ جمیل احمد کو مجھ سے ہمدردی ہو گئی اور وہ میری دلجوئی کرنے لگا۔

پیر کے مظالم سے تنگ اور تنہائی کی ماری غزالہ کو اور کوئی ہمدرد ملا تو وہ خود پر قابو نہ رکھ سکی اور بچوں کی ماں ہونے کے باوجود جمیل سے عشق میں گرفتار ہو گئی۔ رفتہ رفتہ یہ عشق پروان چڑھ گیا اور غزالہ کے دل میں پیر سے نفرت بڑھتی گئی۔ ایک روز پیر نے کسی معمولی بات پر غزالہ پر بہت تشدد کیا اور گھر سے نکال دیا۔

غزالہ پیر کے گھر سے اپنے بھائی کے گھر چلی گئی اور پیر سے طلاق کا مطالبہ کیا۔ پیر نے عزت کے خوف سے طلاق دینے سے انکار کر دیا اور ٹال مٹول سے کام لیا لیکن غزالہ اصرار کرتی رہی۔ اس مسئلے کو حل ہونے میں ایک سال کا عرصہ گزر گیا۔ آخر کار پیر نے اشٹام پر لکھ کر طلاق

دے دی اور بذریعہ عدالت طلاق دینے سے انکار کر دیا کہ اس طرح بات پھیل جائے گی اور ایک وزیر ہونے کی حیثیت سے اس کی بدنامی ہوگی۔ پیر نے غزالہ کو دھمکی دی کہ اگر اس نے کسی جگہ پیر کے بارے میں کچھ بتایا تو وہ اس کو قتل کروادے گا۔

غزالہ نے طلاق حاصل کرنے کے بعد سبزہ زار جمیل ٹاؤن میں نکاح خواں جان محمد کے پاس جا کر جمیل احمد سے نکاح کر لیا۔ غزالہ کو گھر سے نکالتے وقت پیر نے بچیاں چھین لی تھیں۔ اس وقت غزالہ چھ ماہ کی حاملہ تھی۔ بعدازاں اس نے پیر کے بیٹے حسین یعقوب کو جنم دیا جو آج کل جمیل اور غزالہ کے پاس ہے۔

غزالہ ہفتہ میں ایک مرتبہ بڑی مشکل سے منت سماجت کر کے بچیوں سے ملاقات کرتی ہے اور اس کا کہنا ہے کہ وہ اپنی بچیوں کو حاصل کرنا چاہتی ہے۔ آج کل جمیل لاہور کی ایک آبادی جمیل ٹاؤن میں رہائش پذیر ہے جو سبزہ زار میں واقع ہے۔ مکان کرائے کا ہے جس کا کرایہ سولہ سو روپے ماہوار ہے۔

پیر بنیامین رضوی کی سابقہ بیوی غزالہ نے بتایا کو اس کو اپنے کیے پر کوئی شرمندگی نہیں کیونکہ اسے پیر کے ساتھ گزارے ہوئے دن ایک بھیانک خواب لگتے ہیں۔ غزالہ نے بتایا کہ پیر صاحب شروع میں پولی ٹیکنیک کالج میں کلرک تھے اور پارٹ ٹائم کتابوں کی چھوٹی سی دوکان بنائی تھی۔ میں نے خاندان کی مخالفت کے باوجود پیر صاحب کو اپنایا مگر اس نے امیر ہوتے ہی آنکھیں بدل لیں اور مجھ پر شک کرنا شروع کر دیا تھا۔

غزالہ نے بتایا کہ اس نے ساری زندگی پیر کو نماز ادا کرتے یا قرآن پڑھتے نہیں دیکھا اور وہ بہت بڑا بہروپیا ہے۔ وزیر تو سوشل ویلفیئر اور وومن ڈویلپمنٹ کا تھا لیکن خواتین سے اسے بات کرنے کی بالکل تمیز نہ تھی۔ غزالہ نے بتایا کہ اکثر دو نمبر خواتین سے پیر کے مراسم تھے اور بڑے ہوٹلوں میں رات گزارنا اس کا معمول بن چکا تھا۔ ایک سوشل ویلفیئر افسر رحمت علی جو بینکر

ہے اس کا کارِ خاص تھا اور بطور اسٹاف افسر ساتھ رہتا تھا اور ہر قسم کی برائی میں شریک تھا۔

غزالہ نے بتایا کہ پیر نے اس سے اپنی پچھلی شادی چھپائی تھی ورنہ وہ کبھی پیر سے شادی نہ کرتی۔ غزالہ نے بتایا کہ پیر کے والدین بہت نیک اور باعزت لوگ ہیں اور پیر کی کوئی بات بھی اپنی فیملی سے نہیں ملتی۔

غزالہ کے نئے شوہر جمیل نے بتایا کہ وہ ایک چپڑاسی ضرور ہے لیکن دل بھی رکھتا ہے کہ پیر اس کو مروا بھی سکتا ہے لیکن پیر کے غزالہ پر مظالم دیکھ کر وہ برداشت نہیں کر سکا اور اس سے عشق کر بیٹھا۔

جمیل نے بتایا کہ اس کے ذرائع آمدن محدود ہیں لیکن وہ کوشش کرے گا کہ وہ غزالہ کو خوش رکھے۔ اس نے بتایا کہ وہ نوکری کے علاوہ پارٹ ٹائم رکشہ بھی چلاتا ہے۔

آصف علی زرداری

برصغیر پاک و ہند میں مغل حکمرانوں نے اپنے صدیوں پر محیط دورِ اقتدار میں جس طرح عورتوں کی عصمتوں کو پامال کیا شاید ہی کسی اور ملک کے حکمرانوں نے اس طرح کیا ہو۔اب جبکہ برصغیر پاک و ہند میں بادشاہت کا سلسلہ ختم ہوئے کافی مدت ہو چکی ہے لیکن پھر بھی کوئی نہ کوئی ''شہزادہ'' شاہی عہد کی یاد تازہ کرنے اس خطے کے باسیوں پر سوار رہا خصوصاً پاکستان میں تو یہ سلسلہ تواتر سے جاری رہا۔

ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی کے بعد جب بینظیر بھٹو اپنے مرحوم باپ کے نام پر سیاست

کرنے کے لئے ملک میں وارد ہوئیں تو انہیں اس مشرقی معاشرے میں ایک کامیاب سیاستدان بننے کے لئے ایک مرد کے سہارے کی ضرورت تھی۔سو خاصے غور و خوض کے بعد انہوں نے بلوچ خاندان کے ایک جوان کو سر کا تاج بنالیا۔اس بلوچ مرد کا نام آصف علی زرداری تھا جو مالی اور سیاسی حیثیت سے کسی بھی طرح بھٹو خاندان کے برابر نہ تھا لیکن بھٹو خاندان کا داماد بننے کے بعد اس جوان نے وہ کارنامے دکھائے کہ ان کے سامنے مغلیہ سلطنت کے عیاش شہزادوں کے قصے بھی مانند پڑ گئے۔جب بینظیر بھٹو وزیراعظم تھیں تو ان کے شوہر آصف علی زرداری جہاں مالی بدعنوانیوں اور مسٹر ٹین پرسنٹ جیسے الزامات لگتے رہے وہاں حوا کی بیٹیوں کے ساتھ رنگ رلیاں منانے میں بھی انہوں نے خوب نام کمایا۔وہ شادی سے پہلے کراچی میں پلے بوائے مشہور تھے اور اب بینظیر بھٹو کی وزارتِ عظمیٰ کے باعث انہوں نے اپنی اس شہرت کو ان مقامات پر بھی کیش کروایا جہاں اس سے پہلے ان کے چیک ''باؤنس'' ہوتے رہے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ مردِ اول کی بداعمالیوں کے باعث وزیراعظم ہاؤس کے اندرونی حصے میں متعدد بار پانی پت کی جنگیں بھی ہوئیں جن میں بینظیر پر سختی بھی کی گئی تاہم کئی بار مردِ اول کو اسلام آباد سے نکلنا پڑا اور وہ لاہور میں جا کر پنجاب کے ایک چیف سیکرٹری کی بیٹی اور کراچی جا کر وینا حیات اور دیگر دوستوں کے ساتھ غم غلط کرتے رہے۔اپنے پہلے ایامِ اسیری میں ان پر سابق وزیراعلیٰ سندھ جام صادق علی نے خصوصی مہربانیاں کیں جس کے باعث انہیں جیل میں بینظیر بھٹو سے ملاقات کی سہولتیں فراہم کی گئیں۔یہ الگ بات ہے کہ انہوں نے زرداری کی ان ملاقاتوں کو ویڈیو میں محفوظ کر لیا جس کے عوض متعدد بار مراعات حاصل کرتے رہے۔بینظیر کے دوسرے دور میں فوزی علی کاظمی، ذوالفقار مرزا اور دیگر افراد زرداری کے دوست رہے۔

سابق مردِ اول آصف علی زرداری نے جہاں کرپشن اور بدعنوانیوں میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی وہاں انہوں نے ہوس پرستی میں بھی سابقہ تمام سیاستدانوں اور حکمرانوں کو پیچھے چھوڑ دیا۔لالی وڈ کی ایک درجن سے زائد معروف اداکارائیں جن میں ریما، نیلی، ریشم، میرا، مدیحہ شاہ، عندلیب،

لیلیٰ، صائمہ، نرما اور لاشانہ کے علاوہ دیگر فنکارائیں اور ماڈل گرلز شامل ہیں جن کے بارے میں یہ شواہد بھی ملے ہیں کہ وہ شون گروپ کے سربراہ ناصر حسین شون کے بلاوے پر اسلام آباد پہنچائی جاتی تھیں جہاں نہ صرف ناصر حسین شون بلکہ آصف علی زرداری اور سابق دورِ حکومت کی دیگر اعلیٰ شخصیات ان کو دادِ عیش دیتی رہی ہیں۔

اداکاراؤں کے عزیز و اقارب نے ان تمام سرگرمیوں کو بھونڈا الزام قرار دیا جبکہ سیاسی حلقے اس بات کا بے چینی سے انتظار کرتے رہے کہ پٹاری میں سے کب سابق حکومت کے کرتا دھرتاؤں کی عیاشیوں کے ثبوت سامنے لائے جاتے ہیں۔ آصف علی زرداری اور اس کے ساتھیوں

آصف علی زرداری اپنی بیگم بے نظیر بھٹو کے ہمراہ

کو عیاشیوں کے لئے لڑکیاں سپلائی کرنے والے گروہ کے سرغنہ ڈاکٹر اعظم بیگ کا تعلق کراچی سے ہے جس کے پاس ایک چھوٹے سے افریقی ملک سیرالیون کا ڈپلومیٹک پاسپورٹ ہے جبکہ معروف گلوکارہ نازیہ حسن مرحومہ کے شوہر اشتیاق بیگ جو اعظم بیگ کا بھائی ہے کے پاس مراکش کا پاسپورٹ ہے۔ مئی 97 کو اعظم بیگ کو کراچی سے گرفتار کیا گیا جس نے دس صفحات پر مشتمل اپنا ایک تحریری بیان دیا جس میں آصف علی زرداری، شون گروپ کے مالک ناصر حسین شون اور ان کے دیگر ساتھیوں کی عیاشیوں کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔ اعظم بیگ نے بتایا کہ یہ لوگ جن اداکاراؤں کے ساتھ عیاشیوں کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔ اعظم بیگ نے بتایا کہ یہ لوگ جن اداکاراؤں کے ساتھ عیاشیاں کرتے رہے ان میں ریما، مدیحہ شاہ، ریشم، میرا، نیلی، عندلیب، صائمہ، حنا، لیلیٰ، ماروی، نتاشا، نرما اور لاشانہ شامل ہیں۔

ترجمان نے بتایا کہ اعظم بیگ لاہور، اسلام آباد اور کراچی سے تعلق رکھنے والی معروف بینکاروں کے ذریعے گروہ کو خوبصورت لڑکیاں سپلائی کرتا تھا۔ جو نائیکائیں لڑکیاں سپلائی کرتی تھیں ان میں لاہور کی مسز شمیم مرزا، بشیراں، مسز سیما، اسلام آباد کی ثریا خانم، کراچی کی مسز اقبال یوسف عرف پارو جبکہ لاہور اور اسلام آباد کے دو نوجوان عدنان اور کاشف راجہ سے بھی یہی کام لیا جاتا رہا۔ سابقہ وزیراعظم بینظیر بھٹو اور آصف علی زرداری کے بیرونِ ممالک میں دوروں سے چند روز قبل یہ معروف اداکارائیں اور خوبرو لڑکیاں ان ممالک میں پہنچ جاتی تھیں۔ استنبول، لندن اور امریکہ میں سابقہ وزیراعظم کے دوروں کے دوران ان اداکاراؤں کے وہاں جانے اور قیام سے متعلق تمام دستاویزی ثبوت قبضے میں لئے گئے۔

ذرائع کے مطابق آصف علی زرداری اس وقت کی وزیراعظم بینظیر بھٹو کے وفد سے اچانک علیحدہ ہو کر ان خواتین کے پاس پہنچ جاتے تھے اور ناصر حسین شون بھی وہیں موجود ہوتے تھے۔ واضح رہے کہ اداکارہ ریما اور دیگر اداکاراؤں کے پاسپورٹوں پر امریکہ، ترکی اور برطانیہ کے

لگے ہوئے ویزوں کے دستاویزی ثبوت ہیں۔ اسلام آباد کے میریٹ ہوٹل کے ایگزیکٹو فلور پر 6 کمرے بک کرائے جاتے تھے جن کا آپس میں درمیانی دروازے کے ذریعے رابطہ ہوتا تھا اور ان کمروں میں 6 خوبرو لڑکیاں ہر رات بٹھا دی جاتی تھیں۔ آصف علی زرداری میریٹ ہوٹل کے چائنیز ریسٹورنٹ میں آ کر بیٹھ جاتے تھے اور وہاں پر سوپ پینے کے بعد سوئمنگ پول دیکھنے کے بہانے لفٹ کے پاس آ کر لفٹ کے ذریعے اس ایگزیکٹو فلور پر پہنچ جاتے تھے جہاں کسی اور کو آنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی اور وہ باری باری ان تمام کمروں میں جاتے تھے۔ اعظم بیگ اور اس کا پورا گروپ فیشن شو کے نام پر معصوم لڑکیوں کو لا کر انہیں اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کرتا تھا۔ اعظم بیگ نے اپنے بیان میں یہ بھی انکشاف کیا کہ شون گروپ کے مالک ناصر حسین کے 5 سے زائد لڑکیوں کے ساتھ تعلقات تھے۔ اداکارہ ریما کے پاسپورٹ پر سابق وزیراعظم بینظیر بھٹو کے ترکی، برطانیہ اور امریکہ کے دوروں کے دوران ان ممالک کے ویزے لگے ہوئے ہیں اور پاسپورٹ پر ان کے والد کا نام ڈاکٹر اکمل خان لکھا ہوا ہے اور اس کی تاریخ پیدائش 1971ء بتائی گئی ہے۔ تاہم بینظیر بھٹو کو آصف علی زرداری کی عیاشیوں کا کوئی علم نہ تھا۔

نامور فلمی اداکاراؤں کا رسیا ارب پتی بزنس مین شون گروپ کے سربراہ ناصر حسین شون کی ہوس پرستی نے اس کی نیک، پرہیزگار، سلیقہ شعار بیوی فرح ناصر دو بیٹوں اور دو بیٹیوں کو دربدر کر کے ان کی زندگی جہنم بنا دی اور ریما کے عشق اور اصرار نے ناصر حسین کو اتنا دیوانہ بنا دیا کہ ایک وقت ایسا آیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دینے پر بھی رضامند ہو گیا تھا۔ پیسے کی ہوس کا شکار ان نام نہاد شریف زادی فلمی اداکاراؤں کو مفت کی لاکھوں آمدنی اور نئی نئی کوٹھیوں، کاروں اور بیرونی ممالک کے مفت دوروں کے لالچ نے ریما، نیلی، میرا، لیلیٰ، صائمہ اور ریشم کو ایک دوسرے کا جانی دشمن بنا دیا اور مذکورہ اداکارائیں ناصر حسین کی ایک منٹ کی قربت حاصل کرنے اور اسے صرف اپنا بنانے کے لئے ناصر حسین کو ایزی ٹارگٹ سمجھتی تھیں اور ناصر حسین کا دل جیتنے کے لئے

اسے ہر طرح سے خوش کرنے کی کوشش کرتیں۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جام صادق کے دورِ حکومت میں جب جام معشوق کا بھی ریما سے یارانہ چل رہا تھا اسی دوران ناصر حسین نے کراچی کے کھلے سمندر میں ایک بحری جہاز کرائے پر لے کر اس کی خوب سجاوٹ کروائی جہاں اس نے اپنے ایک حامی سیاسی و بزنس مین دوست کے لئے نیلی، ریما اور اس کی پارٹنرز کے مجرے کا اہتمام کیا جس کے بعد جام معشوق اور ناصر حسین کے درمیان تصادم ہوا۔ جیسا ماحول پیدا ہو گیا تھا اور اس کے بعد ریما کو جام معشوق کے ڈیرے پر ایک اذیت ناک صورتحال سے بھی گزرنا پڑا جس کے بعد ریما تین ہفتے ہسپتال میں زیر علاج رہیں۔ علاوہ ازیں جب ناصر حسین چوبیس گھنٹے ریما کے ساتھ گزارنے لگا اور اس کے عشق میں اپنے بیوی بچوں سے لاتعلق ہو گیا تو ناصر حسین کی بیوی نے ایک بزرگ سے رابطہ کیا تو انہوں نے بتایا کہ ریما نے ملتان کے ایک عامل کے ذریعے ناصر حسین پر کالا جادو کیا ہوا ہے۔ تاہم بعد میں جب اس کی بیوی نے ناصر حسین کو حقیقت سے آگاہ کیا تو ناصر حسین نے ریما کے عشق میں اپنی بیوی کو یہاں تک کہہ دیا کہ وہ اسے تو چھوڑ سکتا ہے ریما کو نہیں۔ جس پر ناصر کی بیوی نے اس کو بچوں کا واسطہ دے کر کہا کہ تم ریما کو چھوڑ دو۔ وہ پیسے کے لالچ میں اندھی ہو کر ہماری جانوں کی دشمن بن گئی ہے۔ تم کسی اور سے دوستی کر لو مجھے قبول ہے لیکن ریما کو چھوڑ دو۔

ریما، نیلی، صائمہ، میرا، لیلیٰ اور ریشم کی کسی وجہ سے عدم موجودگی یا عدم دستیابی پر ناصر، نرما، لاشانہ، عندلیب، ماروی اور نتاشا سمیت بیک وقت دو دو تین تین اداکاراؤں کو صرف ایک ٹیلی فون کال پر طلب کر لیتا جبکہ وہ ان اداکاراؤں کو اپنے خاص دوستوں کو خوش کرنے کے لئے بھی انہیں تحفہ کے طور پر بھیج دیا کرتا تھا۔ اکثر اوقات وہ گاہے بگاہے اپنی پسند کی ہیروئنوں کو چائنیز پر ڈنر کے لئے بھیج دیا کرتا تھا اور ناصر حسین کی اس فراخ دلی کو دیکھتے ہوئے مذکورہ اداکارائیں ناصر کی ایک فون کال پر ضروری سے ضروری شوٹنگ ادھوری چھوڑ کر چلی جاتی تھیں جبکہ بعض اوقات اگر ناصر

بیرونِ ملک سے انہیں کال کرتا تو وہ تتلیاں بارہ گھنٹوں کے دوران ہی اپنے سب سے قیمتی سپانسر کے پاس اڑ کر پہنچ جایا کرتی تھیں جبکہ فلم سازوں اور گھر والوں کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوتی تھی۔ ریما، میرا، لیلیٰ، صائمہ اور ریشم اکثر اوقات ناصر حسین کو ٹیلی فون کر کے اور جھوٹا رونا رو کر اپنی سچی محبت کا یقین دلاتیں اور ناصر سے گلہ کرتیں کہ وہ دوسری اداکاراؤں میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہا ہے؟ کیا میں تمہاری ہر خواہش کو پورا نہیں کرتی یا مجھ میں دیگر کے مقابلے میں کوئی کمی ہے؟

12 ستمبر 1999ء کو شائع ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق آصف علی زرداری کے دست راست اور شون گروپ کے چیف ایگزیکٹو ناصر شون نے اداکارہ ریما کو ساڑھے بارہ لاکھ کا ہیروں کا ہار خرید کر دیا۔ بتایا گیا کہ اداکارہ ریما کالی لینڈ کروزر میں ناصر شون کے ہمراہ ایمپائر سنٹر میں واقع کیرٹ جیولرز میں گئیں اور اس نے وہاں سے ساڑھے بارہ لاکھ کا ہیروں کا ہار لیا۔ اس ہار کے لئے پانچ لاکھ روپے ایڈوانس دیئے گئے تھے۔

جیولر کو ساڑھے چھ لاکھ روپے کے 25 ہزار روپے کے پرائز بانڈ اور ایک لاکھ روپے نقد دیئے گئے۔ ریما نے ہیروں کے ایک اور ہار کا آرڈر دیا جس کی قیمت 21 لاکھ روپے ہے۔ دوسرے ہار کے لئے آٹھ لاکھ روپے کے 25 ہزار روپے کے پرائز بانڈ ایڈوانس کے طور پر دیئے گئے۔ یاد رہے کہ ناصر شون کو ملکی خزانہ لوٹنے کے الزام میں عدالتوں کی طرف سے اشتہاری قرار دیا جا چکا ہے۔ قارئین کرام اندازہ لگائیں کہ ملکی دولت لوٹ کر لٹیروں نے کن کاموں پر صرف کی۔

فلم ''جان جان پاکستان'' سے فلمی کیریئر کا آغاز کرنے والی اداکارہ نور کینیا میں ناصر شون سے ملاقات کرنے کے بعد جولائی 1999ء میں جب واپس کراچی ایئرپورٹ پر پہنچی تو ذرائع کے مطابق نور کے پاؤں سوجے ہوئے تھے اور اسے چلنے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ انتظامیہ نے اسے فوراً آغا خاں ہسپتال پہنچا دیا جہاں اس کے ایڈز سمیت تمام ٹیسٹ لئے گئے۔ ایئرپورٹ انتظامیہ نے نور سے ہیلتھ سرٹیفکیٹ مانگا تو اداکارہ سرٹیفکیٹ نہ دکھا سکی۔ جس پر ایئر

پورٹ انتظامیہ نے اسے فوری طور پر ہسپتال پہنچا دیا۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ نور نے کینا میں ناصر شون سے ملاقات کرنے کے پانچ لاکھ روپے وصول کئے۔ واضح رہے کہ کراچی ایئرپورٹ پر افریقہ سے آنے والے ہر شخص کا طبی معائنہ ضرور کیا جاتا ہے۔

حروں کے روحانی پیشوا پیر پگاڑا کے بیٹے سیّد گوہر علی راشدی نے کہا کہ میرے اور میری بیوی آنسہ قمر کے درمیان اختلافات آصف علی زرداری نے پیدا کئے۔ اس سلسلے میں آصف علی زرداری کی غیر مصدقہ دوسری بیوی سابق چیف سیکرٹری پنجاب اسلم حیات قریشی کی بیٹی ثانیہ قریشی سے میری بیوی کی دوستی نے اہم کردار ادا کیا۔ وہ گذشتہ روز گارڈین جج چودھری محمد دین بسرا کی عدالت میں اپنے دونوں بچوں سے دو سال کی لاتعلقی کے بعد پہلی بار ملاقات کے موقع پر اخبار نویسوں سے گفتگو کر رہے تھے۔ آنسہ قمر سے صلح کے سوال پر انہوں نے کہا کہ جس کے تعلقات آصف علی زرداری کے قریبی دوستوں سے ہو جائیں اس سے صلح کرنے سے بہتر ہے کہ خودکشی کر لوں۔ آصف علی زرداری نے ملک کی طرح ہماری گھریلو زندگی بھی برباد کر دی اور اب میرا مسئلہ گھریلو نہیں رہا بلکہ سیاسی بن چکا ہے لہٰذا ہمارا ملنا ممکن نہیں ہے۔

اسلام آباد پولیس کی جانب سے جعلی کرنسی سکینڈل میں گرفتار کئے جانے والے بدنامِ زمانہ ٹھگ رانا بنارس کے فلم انڈسٹری کی چند خوبصورت ترین اداکاراؤں کے پس پردہ بھیانک روپ کے بارے میں حیرت انگیز انکشافات ہوئے ہیں جس سے نگار خانوں میں ہلچل مچ گئی اور متعلقہ اداکاراؤں کی رات کی نیندیں حرام ہو گئیں۔

''الاخبار'' کے مطابق رانا بنارس نے انکشاف کیا ہے کہ سابق حکومت کے دور میں حکومتی جماعت کے اہم ترین عہدیدار آصف علی زرداری کی وجہ سے اس کے تعلقات فلمسٹار ریما سے کشیدہ ہو گئے تھے۔ ایک موقع پر جب مذکورہ شخص نے ڈیڑھ لاکھ کے ریٹ کے برعکس ریما کو ساڑھے تین لاکھ روپے میں بک کیا تو میرے لئے یہ غیرت کا مسئلہ بن گیا اور میں نے ساڑھے

آصف علی زرداری اور بے نظیر بھٹو کی جوانی کی ایک یادگار تصویر

چار لاکھ روپے ادا کر کے ریما کو اسلام آباد جانے سے روک دیا۔

رانا بنارس نے بتایا کہ اس واقعہ کا علم جب زرداری کو ہوا تو وہ میری جان کا دشمن ہو گیا اور مجھ پر کئی قاتلانہ حملے کرائے۔ رانا بنارس نے انکشاف کیا کہ اس کی بربادی میں چنچل ریما، کمسن صاحبہ، دلکش مدیحہ اور پری چہرہ صائمہ کا بڑا ہاتھ ہے۔ رانا بنارس نے بتایا کہ میرے پاس پیسے آنے کی دیر تھی کہ لاہور کے چند بڑے فلمساز دوستوں کی معرفت یہ تمام ہیروئنیں پکے ہوئے پھل کی طرح میری جھولی میں آ گریں۔ یہ اداکارائیں مجھ سے سچی محبت کی قسمیں کھاتی تھیں۔ صاحبہ کی ماں نے مجھے اپنا منہ بولا بیٹا بنایا ہوا تھا اور مجھے اپنی بیٹی کے مستقبل کا سہارا قرار دیتی تھی۔ میں نے متعدد

مرتبہ ایک رات کی محبت کے لئے صاحبہ، ریما، صائمہ اور مدیحہ کو ڈیڑھ ڈیڑھ لاکھ روپے دیئے۔ ریما سے تو میری شادی کی بات بھی چل رہی تھی اور میں نے اسے شادی کے وعدے پر حال ہی میں 45 لاکھ روپے مالیت کی ہیروں کی انگوٹھی لے کر دی تھی۔ اس کے علاوہ میں نے ریما کے بینک اکاؤنٹ میں 25 لاکھ روپے جمع کرائے تھے۔ ایک برانڈ نیو پجارو ٹویوٹا کار بھی خرید کر دی تھی۔

رانا بنارس کے مطابق بھارت کی مشہور ہیروئن ریکھا سے بھی اس کی دوستی تھی اور گذشتہ سال دبئی کے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں ریکھا کے ساتھ اس نے کئی شامیں گزاریں جن کے لئے تمام اخراجات کے علاوہ نقد 5 لاکھ روپے بھی دیئے۔ رانا بنارس نے ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہا کہ میں نے اپنی تمام جمع پونجی فلم انڈسٹری کے ان خوبصورت چہروں پر نچھاور کر دی لیکن آج وہ سب مجھ سے دور ہیں۔

رانا بنارس نے کہا کہ گذشتہ 15 سال کے دوران میں نے 80 کروڑ روپے سے زائد کا فراڈ کیا جس سے میں نے صرف مظفر آباد میں اپنے لئے دو کنال کی کوٹھی بنائی ہے اور باقی رقم اپنی حسرتیں پوری کرنے پر اڑا دی۔ رانا بنارس نے کہا کہ اس ملک میں ہر مال بکاؤ ہے بڑے بڑے سیاسی رہنما اور شرافت کے لبادوں میں ملبوس شخصیات کے اندرونِ خانہ کیا گھناؤنے کھیل ہیں اگر ان سے پردہ اٹھاؤں تو آدھے سے زیادہ سیاست دان عوام کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔

نواز شریف

گوئبلز نے کہا تھا ''جھوٹ بار بار اور تواتر سے بولو تا کہ لوگ اس کو سچ سمجھنا شروع کر دیں۔''

میاں صاحب نے اس فارمولے پر مکمل طور پر عمل کیا حالانکہ میاں صاحب کی اپنی زندگی بھی ملک کے دیگر شہرت پسند سیاستدانوں سے مختلف نہیں تھی۔ صنفِ نازک کی کافرانہ اداؤں پر وہ بھی کھل کر داد دیا کرتے تھے۔ حسن و عشق ان کی گھٹی میں رچا بسا ہوا تھا۔ 12 اکتوبر کو جب فوج نے ٹیک اوور کیا اور پرائم منسٹر ہاؤس کی تلاشی لی گئی تو برآمد ہونے والی دیگر اشیاء کے ساتھ عیاشی کے سامان کی طویل فہرست بھی شامل تھی جس میں راتوں کو رنگین بنانے کے لئے خصوصی بستر، فحش فلمیں، مشترکہ مخصوص لحات کو طویل تر کرنے والی مشہور و معروف گولیاں ''ویاگرا'' کی بڑی تعداد شامل تھی۔ میاں صاحب نے پرائم منسٹر ہاؤس کو باقاعدہ ایک شاہی دربار کی شکل دے رکھی تھی جہاں ''حضور عالم پناہ'' کی طبیعت خوش کرنے کے لئے بھانڈ، موسیقی سے لطف اندوز ہونے کے لئے گلوکاروں کی محفلیں سجا کرتی تھیں۔ نواز شریف اپنے ان مصاحبین کی دل کھول کر امداد کیا کرتے تھے۔ نواز شریف کی اسی فیاضی کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک دانشور و صحافی نجم سیٹھی نے اپنے ایک انٹرویو میں کیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ معروف گلوکارہ طاہرہ سید کو نواز شریف کے قریبی ساتھی سینیٹر سیف الرحمان کی کمپنی ''ریڈکو'' کی جانب سے ہر ماہ 5 لاکھ روپے

ملتے تھے۔

پرکشش کتابی چہرہ، جھیل سی گہری آنکھیں اور صراحی دار دراز گردن کی مالک طاہرہ سید ایک طویل عرصہ تک نواز شریف کے دل کی راج دھانی پر حکمرانی کرتی رہی ہیں۔ خاص طور پر نواز شریف کے پہلے دورِ حکومت میں طاہرہ سید کو پرائم منسٹر ہاؤس میں ''خاتونِ اول'' کا درجہ حاصل تھا۔ دونوں کے پیار کے قصے ایک عرصہ زبان زدِ عام رہے۔ طاہرہ سید معروف قانون دان اور کمپیئر نعیم بخاری کے عقد میں ہونے کے باوجود جناب نواز شریف کی راتیں رنگین بناتی رہیں۔ بہت کوشش کے باوجود بھی جب نعیم بخاری طاہرہ سید کو راہِ راست پر نہ لا سکے تو بات طلاق کی صورت اختیار کر گئی اور یوں میاں نواز شریف کی عیش پرست طبیعت نے ایک ہنستا کھیلتا گھرانہ برباد کر دیا۔ گو کہ اس کے بدلے طاہرہ سید کو بہت مالی فوائد حاصل ہوئے۔ میاں صاحب نے مری میں پنجاب ٹورازم ڈویلپمنٹ کارپوریشن کی چیئر لفٹ طاہرہ سید کو دے دی جس سے انہیں روزانہ ہزاروں روپے آمدن ہوتی تھی۔ لیکن جب 1993ء میں بینظیر کی حکومت اقتدار میں آئی تو انہوں نے طاہرہ سید کو اس سہولت سے محروم کر دیا۔ طاہرہ اور نواز کے عشق نے نعیم بخاری کا گھر تو جلا کر راکھ کر دیا لیکن جب اس عشق کی تپش خود میاں صاحب کے گھر میں محسوس کی جانے لگی تو ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ تاہم شریف فیملی کے اندرونی واقعات سے باخبر احباب کا کہنا ہے کہ کلثوم نواز نے اس مرحلے پر نہایت صبر و تحمل اور دانشمندی کا ثبوت دیتے ہوئے معاملے کو سنبھالا اور اپنے شوہر کو طاہرہ سید کے سحر سے آزاد کروانے میں بتدریج کامیاب ہو گئیں۔

کلثوم نواز خالصتاً مشرقی ماحول میں پلنے بڑھنے والی گھریلو خاتون ہیں۔ ایسی خاتون کو اپنے خاوندوں پر اندھا اعتبار ہوتا ہے اور خاوند کی چھوٹی موٹی لغزشوں کو برداشت کر جاتی ہیں۔ لہٰذا انہوں نے طاہرہ سید کے معاملے کو دل پر نہ لیا لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ میاں صاحب نے دل کے بت کدے میں کئی صنم آباد کر رکھے ہیں۔

1997ء میں الیکشن کی تیاریاں جاری تھیں بھارتی اخبار ''سماچار'' کے انکشاف نے پاکستانی سیاسی میدان میں تہلکہ مچا دیا۔ اخبار نے 12 جنوری 1997ء کو معروف بھارتی اداکار فیروز خان اور سنجے خان کی بہن دلشاد بیگم کا انٹرویو شائع کیا جس میں دلشاد بیگم نے نواز شریف کی شرافت کا پردہ چاک کرتے ہوئے کہا کہ وہ تو بس نام کے شریف ہیں۔ حقیقت کیا ہے یہ میں جانتی ہوں کیونکہ وہ ایک عرصہ تک میری زلفوں کے اسیر رہے ہیں۔ دلشاد نے انکشاف کیا تو دنیا بھر کے جرائد و اخبارات کے نمائندے مزید تفصیلات حاصل کرنے کے لئے بے قرار ہو گئے۔ برطانیہ سے شائع ہونے والے ایک میگزین ''لباس انٹرنیشنل'' نے ان سے تفصیلی گفتگو کی جس میں دلشاد نے بتایا کہ انہوں نے شوہر کے انتقال کے بعد سے آزادانہ زندگی بسر کرنا شروع کر دی تھی۔ قیامت خیز حسن اور دل موہ لینے والی اداؤں کے باعث بہت جلد ایک خاص حلقہ ان کی زلفوں کا اسیر ہو گیا۔ پاکستان کی سہگل فیملی سے ان کے قریبی تعلقات تھے۔ اسی خاندان کی ایک بیگم صاحبہ نے انہیں پاکستان آنے کی دعوت دی۔ بھوربن میں ایک تقریب کے دوران ان کی ملاقات نواز شریف سے ہو گئی۔ میاں صاحب پہلی ملاقات میں دل دے بیٹھے۔ اس ملاقات کے بعد مجھے پاکستان میں سرکاری مہمان کی حیثیت مل گئی۔ جس پر پاکستان کے کچھ لوگوں نے احتجاج بھی کیا کہ ایک دشمن ملک کی حسینہ کو اتنی اہمیت کیوں دی جا رہی ہے؟ حتیٰ کہ یہ بات قومی اسمبلی کے پلیٹ فارم پر بھی اٹھائی گئی لیکن نواز شریف دل کے ہاتھوں مجبور تھے۔ انہوں نے کسی الزام اور احتجاج کی پرواہ نہ کی۔ دلشاد بیگم نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ نواز شریف اور میری محبت اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ 1991ء میں انہوں نے میری خواہش پر مقبوضہ کشمیر میں فوجی کاروائی بند کرا دی حالانکہ اس فیصلے سے انہیں دائیں بازو کی بہت بڑی پارٹی جماعت اسلامی کی مخاصمت مول لینا پڑی لیکن نواز شریف عشق کے معاملے میں کسی سمجھوتے پر تیار نہیں ہوئے۔

نواز شریف کے دل پھینک ہونے کے قصے صرف طاہرہ سید اور دلشاد بیگم تک محدود نہیں

ہیں۔ پاکستان فلم انڈسٹری کی معروف ہیروئنوں کی ایک طویل فہرست بھی اس میں شامل ہے۔ نواز حکومت کی برطرفی پر ریما کا احتجاج اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ حال ہی میں قومی احتساب بیورو کے حوالے سے جو تحقیقات منظر عام پر آئیں ان کے مطابق میاں صاحب جو لاہور کو پیرس اور ملک کو جدید ترقی کی راہ پر ڈالنے کا عہد کئے ہوئے تھے نے مساج اور مالش کی تربیت کے لئے 4 حسین خواتین اور 5 مردوں کو فرانس بھجوانے کا انتظام کیا۔ میاں صاحب نے خصوصی باتھ روم کا نقشہ انٹروڈ موبل پرائیوٹ لمیٹڈ گلبرگ لاہور سے خصوصی ہدایات پر بنوایا۔ جس کے لئے قومی خزانے سے لاکھوں ڈالرز کا سامان درآمد کیا گیا۔ لکشمی چوک لاہور کے رہائشی (ط) نے بھی احتساب بیورو کے اعلیٰ حکام کے سامنے نہایت سنسنی خیز انکشافات کئے۔ (ط) نے بتایا کہ مجھے ہر ہفتے خصوصی طور پر بذریعہ جہاز اسلام آباد لایا جاتا جہاں ''خصوصی خدمات'' سرانجام دینے کے بعد مجھے واپس روانہ کر دیا جاتا۔

میاں نواز شریف کے سیاہ کارناموں پر جن چند جرأت مند صحافیوں نے قلم کشائی کی ان میں ایک مستند اور وقیع نام جناب ہارون الرشید کی روح تڑپ اٹھی اور قلم مجسم سوال بن گیا۔ ہارون پوچھتے ہیں کہ

☆ کیا ہمیشہ کے وعدہ معاف گواہ حسین حقانی اٹھیں گے اور بیان کرنا پسند کریں گے کہ وزارت علیا کے دنوں میں نواز شریف ہر روز گھنٹے بھر کے لئے کہاں غائب ہو جایا کرتے تھے؟

☆ کیا جامعہ پنجاب کا وہ ذمہ دار افسر گواہی دینے پر آمادہ ہے کہ اس نے صبح دم ماڈل ٹاؤن لاہور کے پارک میں کیا دیکھا تھا؟ آخر کار اس پر کون کون سے اسرار کھلے تھے؟

☆ کیا لاہور کے وہ پولیس آفیسر زندہ ہیں یا مر گئے جنہوں نے اچانک ایک رات وزیر اعلیٰ کو ایک پراسرار مقام پر دیکھا اور ان پر وہ بات منکشف ہو گئی جسے چھپانے کے جتن کئے گئے تھے؟

جناب ہارون الرشید کے سوالات کو منظر عام پر آئے عرصہ ہو گیا لیکن یہ تادمِ تحریر منتظر جواب ہیں۔ جانے یہ قوم منافق قائدین سے کب نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہو گی؟

معروف صحافی جناب منیر احمد اپنے مضمون ''شریف برادران کی رنگ رلیاں'' میں لکھتے ہیں:

''میاں نواز شریف جب وزیراعلیٰ پنجاب تھے تو ان کا معمول تھا کہ جب بھی انہیں مری جانا ہوتا وہ اپنے اسپیشل سیلون میں لاہور کے ریلوے اسٹیشن سے راولپنڈی روانہ ہوتے۔ لاہور سے راولپنڈی تک ٹرین کا سفر پانچ گھنٹے پر محیط ہے جبکہ یہی فاصلہ بذریعہ جہاز 35 منٹ میں طے کیا جا سکتا ہے۔ اسلام آباد یا مری میں سرکاری حکام نواز شریف کا ان کی آمد سے گھنٹوں قبل ہی انتظار شروع کر دیتے تھے' اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ نواز شریف کے پروگرام اچانک ''بدل'' جاتے تھے۔ عین اس وقت جب لاہور ریلوے اسٹیشن پر نواز شریف کی راولپنڈی روانگی کے انتظامات مکمل ہوتے اچانک انتظامیہ کو اطلاع ملتی کہ میاں صاحب بذریعہ جہاز راولپنڈی چلے گئے ہیں۔ نواز شریف اس طرح حرکتیں اکثر کیا کرتے تھے اور اس کی وجہ سوائے اس کے اور نہیں ہوتی تھی کہ وہ اپنی ذاتی زندگی کے معاملے میں بہت خوفزدہ تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی کوئی ذاتی بات ان کے والد صاحب تک پہنچے جبکہ شہباز شریف اس معاملے میں خاصے غیر محتاط تھے۔ نواز شریف کی بعض ''مہمان'' خواتین لاہور سے راولپنڈی کے درمیان کسی بھی اسٹیشن پر ان کے سیلون میں سوار ہوتیں اور راولپنڈی پہنچنے سے پہلے دو تین گھنٹے میں صاحب کے ساتھ گزارنے کے بعد وہ ٹرین سے اتر جایا کرتی تھیں۔ نواز شریف کے موڈ کا اندازہ لگانا بہت آسان تھا۔ وہ اگر راولپنڈی میں ٹرین سے اترتے وقت ہشاش بشاش ہوتے تو سرکاری حکام اندازہ لگا لیا کرتے تھے کہ میاں صاحب کا سفر خوشگوار گزرا ہے اور کئی دفعہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ نواز شریف کے ''مہمان'' کسی وجہ سے ٹرین میں سوار نہ ہو پاتے اور پنڈی پہنچنے پر ہر شخص ان سے ڈر رہا ہوتا تھا۔ ایسے میں

مری میں میاں صاحب کو ''خوش'' کرنے کے لئے ''خصوصی انتظامات'' کئے جاتے تھے۔ میاں نواز شریف سمجھتے تھے کہ وہ زمانے کی انجانی نظروں سے محفوظ ہیں۔ بلاشبہ نواز شریف کے مخالفین تک کو ان کی رنگین راتوں کے قصوں کا بہت ہی کم علم تھا لیکن فوجی اور سول انٹیلی جنس ایجنسیوں کے وہ حکام جو نواز شریف کی حفاظت پر مامور تھے ان کی تمام باتوں سے باخبر تھے جن پر آج بھی مصلحتوں کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ لوگوں کو نواز شریف کے حوالے سے زیادہ سے زیادہ اتنا معلوم ہے انہوں نے کبھی بھارتی اداکارہ دلشاد بیگم کے ساتھ زندگی سے لطف حاصل کیا تھا لیکن معاملہ صرف یہاں تک ہی محدود نہیں بلکہ ان کہانیوں میں کئی اور خواتین کے نام بھی آتے ہیں۔

نواز شریف بطور وزیراعلیٰ پنجاب عورتوں کے ساتھ تعلقات رکھنے کے معاملے میں کافی غیر محتاط تھے۔ جب بھی فلم یا ٹی وی کی کسی اداکارہ یا مشہور ماڈل گرل کے ساتھ ان کی ملاقات ہوتی تو وہ اپنے ذاتی دوستوں کو افسانوی انداز میں خوشگوار لمحوں کی داستان سنایا کرتے تھے۔ نواز شریف کے ساتھ سب سے پہلے طاہرہ سید اور پھر عارفہ صدیقی کا قصہ مشہور ہوا اور پھر کئی خوبصورت چہرے ان کی زندگی میں آتے چلے گئے۔ اداکارہ ریما اگر نواز شریف کی حمایت میں بیان جاری کرتی ہیں تو اس کی کوئی وجہ تو ضرور ہو گی لیکن معاملہ اس وقت خراب ہوا جب ان اداکاراؤں اور ماڈل گرلز نے ''اخلاقیات'' کا لحاظ نہ کرتے ہوئے دونوں بھائیوں کو وقت دینا شروع کر دیا۔ اگر کوئی ایک مخصوص اداکارہ اس ہفتے بڑے میاں صاحب سے ملاقات کرتی تو اگلے ہفتے وہ میاں شہباز شریف کے ساتھ ہوتی۔ میاں نواز شریف اور میاں شہباز شریف دونوں کو علم تھا کہ وہ انٹیلی جنس ایجنسیوں کی نظروں میں ہیں لیکن اس کے باوجود دونوں بے احتیاطی کرتے رہے۔ خصوصاً شہباز شریف رات کو خاموشی کے ساتھ پجارو نکال کر تنہا ہی نکل جایا کرتے تھے۔ کبھی ان کی منزل زیبا بختیار کا گھر ہوتا اور کبھی ڈیفنس کے کسی مخصوص گھر میں موجود ہوتے۔ نواز شریف اور شہباز شریف کے صاحبزادے بھی بدقسمتی سے ان خواتین تک پہنچ گئے تھے جو کبھی

دونوں بھائیوں کی محفلوں میں بزم آراء رہتی تھیں۔

حمزہ شہباز اپنے دوستوں کو اکثر بتایا کرتا تھا کہ اس نے آج کس کے ساتھ کتنا وقت گزارا ہے؟ میاں نواز شریف کو بچپن سے ہی گانے کا شوق تھا اور وہ کالج کے زمانے میں جب مری جاتے تھے تو وہاں سڑک کنارے بیٹھ کر گلوکارہ محمد رفیع اور طلعت محمود کے گائے ہوئے گیت گنگنایا کرتے تھے۔ طاہرہ سید سے نواز شریف کی دوستی کی وجہ بھی یہ تھی کہ انہیں طاہرہ سید کی آواز بہت پسند تھی۔ نواز شریف اور طاہرہ سید کو ایک دفعہ ٹریفک پولیس کے ایک انسپکٹر نے رات کو ٹریفک سگنل کی خلاف ورزی کرتے ہوئے روک لیا تھا۔ یہ ٹریفک انسپکٹر طاہرہ سید کو نواز شریف کے ساتھ دیکھ کر پہلے تو حیران ہوا اور پھر انسپکٹر نے انہیں اور دونوں ں نے اس انسپکٹر کو چھوڑ دیا۔ اسی طرح ایک رات جب میاں شہباز شریف نے زیبا بختیار کو ان کے گھر سے پک کیا اور موٹر وے کی جانب چل پڑے تو ان کی حفاظت کے لئے مامور ملٹری انٹیلی جنس کے میجر نے انہیں راستے میں روکا اور سمجھایا کہ سر! آپ دہشت گردوں کی ہٹ لسٹ پر ہیں اس لئے سیکیورٹی کے بغیر سڑکوں پر گھومنے کا خطرہ مول نہ لیں۔

شہباز شریف

میاں شہباز شریف نے بھی نہایت مختصر مدت میں کامیاب سیاسی زندگی کا طویل سفر طے کیا۔ شریف خاندان کے قریبی ذرائع کا تو یہ بھی کہنا ہے کہ جناب نواز شریف کی کامیابیوں کے پیچھے بھی درحقیقت شہباز شریف کا کایاں ذہن اور بروقت فیصلہ کرنے کی صلاحیت کارفرما ہے۔ نواز شریف کی وزارتِ عظمیٰ کے دونوں ادوار میں پنجاب کی ذمہ داری شہباز شریف نے ہی اٹھائے رکھی۔ جن دنوں غلام حیدر وائیں وزیراعلیٰ پنجاب تھے تب بھی یہی کہا جاتا تھا کہ اصل

قوت شہباز شریف کے ہاتھ میں ہے۔ دوسرے دور میں تو وزارتِ علیا براہ راست ان کے ہاتھ میں تھی۔

میاں شہباز شریف انتظامی حوالے سے نہایت سخت گیر رویہ رکھتے تھے۔ وہ پاکستان کے ایسے وزیراعلیٰ تھے جن کے ماتحت اکثر ان کے غیر ملکی دوروں پر جانے کی دعائیں مانگا کرتے تھے کیونکہ جن دنوں وہ ملک میں ہوتے افسروں کو ہمہ وقت کام میں مصروف رکھتے۔ دن رات محنت کرنے والا یہ مردِ آہن جب تھک کر چور ہو جاتا تو اس کا پگلا دل ریشمی زلفوں کی چھاؤں میں کسی گداز بدن کے لمس کے لئے ترسنا شروع کر دیتا اور پھر ”شہباز کی پرواز“ کسی نہ کسی پری پیکر کے ”نشیمن“ پر آ رکتی اور پھر یہ بلند پرواز شہباز کبھی ساز و آواز یا پھر کسی طلسمی حسن کا قیدی بن کر رہ جاتا۔

میاں شہباز شریف کی تین شادیاں تو منظر عام پر آ چکی ہیں۔ ان کے حرم میں مزید کتنے چہرے ہیں۔ اس کا اندازہ ان کی خفیہ سرگرمیوں سے کیا جا سکتا ہے۔ شہباز شریف بھی بازارِ حسن اور فلمی دنیا کے توبہ شکن چہروں سے جی بہلاتے۔ ریما نے جب پہلی مرتبہ چھوٹے میاں صاحب کی ”توبہ توڑی“ تو اسے 70 زینت بلاک اقبال ٹاؤن کی کوٹھی سے نوازا گیا۔ بعض اہم ذرائع تو یہ بھی کہتے پائے گئے ہیں کہ انہوں نے ایک اور خوبرو حسینہ کو عقد میں لے رکھا ہے۔ چھوٹے میاں صاحب کی یہ چوتھی بیوی سردار فیض محمد خان کھوسہ کی صاحبزادی نیلوفر کھوسہ ہیں۔

نیلوفر کی پہلی شادی معروف بیوروکریٹ شاہد رفیع سے ہوئی جن میں سے ایک بیٹی اور دو بیٹے ہوئے لیکن وقت کی ستم ظریفی کہئے کہ شاہد رفیع کے ہنستے بستے خاندان سے میاں شہباز شریف کا گزر ہو گیا اور چھوٹے میاں صاحب کو نیلوفر کی نجانے کون سی ادا بھا گئی کہ اسی کے ہو رہے۔ تعلقات آپ سے تم اور تم سے تو کا عنوان ہوئے تو راز راز نہ رہا۔ شاہد رفیع خود بھی ایک معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ لہٰذا بیوی کی یہ بے وفائی برداشت نہ کر سکے اور طلاق دے دی۔ جبکہ نیلوفر کا اس سلسلے میں کہنا ہے کہ وہ ایک باعزت گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں ان کے بھائی

طارق کھوسہ، آصف کھوسہ اور ناصر کھوسہ اہم سرکاری عہدوں پر کام کر رہے ہیں۔ وہ اپنے خاندان کی بدنامی کا سبب نہیں بن سکتیں۔ اس طلاق کی وجہ شہباز شریف نہیں تھے بلکہ شاہد کا اپنا عیش پرستانہ رویہ تھا۔ میری بیٹی بڑی ہو رہی تھی میں نے شاہد کو گھر میں رنگین محفلیں سجانے سے منع کیا تو تنازعہ بڑھ گیا جو بالآخر طلاق پر منتج ہوا۔ بہر حال نیلوفر کی تمام تر وضاحتوں کے باوجود ان کے خاندان سے وابستہ قریبی افراد کا کہنا ہے کہ جب خاندان والوں نے ان سے شہباز سے نکاح کے متعلق پوچھا تو انہوں نے نکاح کی تردید کی لیکن ان کے ساتھ انٹرنیشنل فلائٹ پر جانے کی تصدیق کی۔ ذرائع کہتے ہیں کہ یہ انٹرنیشنل فلائٹ دراصل ان عاشقوں کا ہنی مون تھا۔

شہباز شریف کے انہی معاشقوں اور پے در پے شادیوں نے نصرت شہباز کا سکون چھین رکھا ہے۔ اکثر گھر میں دونوں کے درمیان متعدد مرتبہ دنگا فساد بھی ہو چکا ہے۔ بات شاید علیحدگی تک چلی جاتی لیکن بڑوں کی موجودگی اور بچوں کے بڑا ہونے کے باعث ایسا نہ ہو سکا۔ نصرت اکثر شہباز کی دیگر شادیوں کی تردید کرتی رہتی ہیں جبکہ شہباز شریف کی دوسری بیوی عالیہ عرف ہنی نے برسرِعام ان کو چیلنج کیا ہے کہ اگر نصرت کو یقین نہیں آتا تو وہ میرے گھر تشریف لائیں۔ شہباز کے ساتھ لندن میں ہونے والے نکاح کے تمام ثبوت انہیں دکھا دیئے جائیں گے۔

عالیہ احمد کا کہنا ہے کہ ہماری شادی خفیہ طور پر ہوئی تھی لیکن تین سال بعد میری خواہش پر بیٹی کی پیدائش ہوئی جس کا نام خدیجہ شہباز رکھا گیا۔

چودھری نثار علی

معروف مسلم لیگی رہنما اور ''فرزند پاکستان'' شیخ رشید اور اعظم ہوتی کی خفیہ بیویوں نے جب اپنے حقوق کے لئے اسلام آباد میں مظاہرہ کیا تو ان بیگمات کے ساتھ ایک صائمہ نامی بھولی بھالی لڑکی بھی تھی۔ شہناز اور زیبا نے تو خفیہ شادیوں کا دعوٰی کیا لیکن صائمہ نے نواز شریف کابینہ

کے ایک اہم ترین وزیر چودھری نثار علی کی نام نہاد شرافت کے ڈھول کا پول بیچ چوراہے میں کھول کر رکھ دیا۔

یہ داستان انتہائی شرمناک ہے اور کسی مہذب ملک میں اس قسم کے واقعہ کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی لیکن یہ سب کچھ جس کی یورپی ممالک میں بھی توقع نہیں کی جاسکتی اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ہوگیا۔ چودھری نثار علی، نواز شریف کابینہ کے وہ رکن تھے جو سب کچھ کرتے ہوئے بھی عوام کی نظروں میں آنے سے بچے ہوئے تھے۔ وہ نسبتاً سنجیدہ وزیر کی شہرت رکھتے تھے۔ صائمہ نے ان کی سنجیدگی کا ماسک اتار کر اس کے نیچے چھپے ہوئے بھیڑیئے کو بے نقاب کردیا۔

صائمہ نے الزام لگایا کہ چودھری نثار علی نے نوکری دلوانے کے بہانے مجھے اپنے پاس بلوایا اور زبردستی میری عزت لوٹ لی۔ میں معاش کی خاطر قومی رہنما کے در پر گئی لیکن اپنی آبرو کا گوہر گنوا بیٹھی۔ ہونا یہ چاہئے تھا کہ اتنے حساس عہدے پر فائز رہنے والے چودھری نثار علی اگر بے گناہ تھے اور ان کا دامن کسی قسم کی آلودگی سے پاک تھا تو وہ صائمہ کو عدالت کے کٹہرے میں لا کھڑا

کرتے تا کہ ان کی عزت پر پڑنے والا دھبہ مٹ جاتا لیکن افسوس کہ ایسا نہ ہو سکا۔ ایسا ہوتا بھی کیسے کیونکہ چودھری نثار علی بھی اپنے قبیلے کے دیگر بھیڑیوں سے کم نہیں تھے جبکہ دوسری طرف اس سنگین ترین واقعہ کا اس وقت کے وزیراعظم نواز شریف نے بھی نوٹس نہ لیا۔

حسیناؤں کو دیکھ کر ان کے منہ میں بھی پانی بھر آتا تھا۔ ابھی چند برس پہلے 1992ء کی بات ہے جب معروف گلوکارہ نازیہ حسن نے کہا تھا کہ چودھری نثار علی بری طرح میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ تب یہ بات بھی چند حلقوں میں بڑی شدت سے گردش کرتی رہی کہ چودھری نثار علی اور نازیہ حسن کے تعلقات بہت حد تک بڑھ چکے ہیں اور وہ عنقریب شادی کے بندھن میں بندھنے والے ہیں۔

چودھری نثار علی نے نازیہ کو پیار کی نشانی کے طور پر ہیرے کی انگوٹھی بھی تحفہ میں دی۔ بات اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ نازیہ نے اپنی ثقافتی سرگرمیاں ترک کر دیں۔ نازیہ کے ساتھ راہ و رسم بڑھانے کے بعد چودھری نثار علی کے تعلقات اپنی خاندانی بیوی کے ساتھ کشیدہ ہو گئے اور وہ انہیں چھوڑ کر اپنے میکے چلی گئیں لیکن نازیہ اور چودھری نثار علی کے پیار کی بیل منڈھے نہ چڑھ سکی اور نازیہ کسی اور کی ہو گئی۔ تاہم اسلام آباد کی سڑکوں پر احتجاج کرنے والی صائمہ آج بھی اپنے وجود پر ہونے والے ظلم پر نوحہ کناں ہے اور انصاف کی منتظر ہے۔

انبساط یوسف کے سنسنی خیز انکشافات

بازارِ حسن کی رقاصائیں ضلعی انتظامیہ کی پابندیوں کی زنجیریں توڑ کر بند کمروں سے نکل آئیں۔ سر بازار ناچتی رہیں۔ طبلے کی تھاپ اور گھنگھروؤں کی جھنکار میں "لال پری" سر بازار چلتی رہی۔ رقص و موسیقی کا یہ سلسلہ پولیس کی باقاعدہ نگرانی میں درمیانی شب شروع ہوا اور صبح تک جاری رہا۔ بدنظمی کا تدارک کرنے والے پولیس اہلکار خود نوٹ لوٹتے رہے۔ بازارِ حسن میں ہونے والی دو بڑی تقریبات میں علاقے کی سیاسی و سماجی شخصیات نے حصہ لیا۔ پہلی تقریب کوچہ حیدری میں باقاعدہ اسٹیج لگا کر منعقد کی گئی۔ اس تقریب کی صدارت جاوید اشرف نے کی جن پر طوائفیں نوٹ نچھاور کرتی رہیں۔ "ٹن" تماش بینوں نے اسٹیج پر "مجرا" کرنے والیوں کو گھیرے میں لے لیا اور نوٹوں کی ایسی بارش ہوئی کی مقامی افراد بھی نوٹ لوٹنے میں شامل ہو گئے۔ اس موقع پر پولیس نے ڈنڈے مار مار کر لوگوں کو کرسیوں پر بٹھایا۔ لال پری کا استعمال اس قدر آزادانہ ہوا کہ شوقین لوگ برتن خالی کر کے نالیوں میں پھینک دیتے تھے۔

احاطہ مائی میداں میں منعقدہ ایک دوسری تقریب میں صرف موسیقی کا پروگرام ہوا جس میں البیلا سمیت متعدد فنکاروں نے آئٹمز پیش کیے۔ اس تقریب میں اداکارہ عروج نے مہمانِ خصوصی میاں یوسف صلاح الدین کو ہار پہنایا۔ میاں صلی کی حویلی کا لاہور کی سیاسی و ثقافتی سرگرمیوں میں بڑا اہم کردار رہا ہے۔ آج بھی اس کی سرگرمیاں ماند نہیں پڑیں کیونکہ میاں صلاح

الدین کے بعد میاں یوسف صلاح الدین نے یہاں پر ہونے والے میلوں ٹھیلوں اور کارنر میٹنگز میں کمی نہیں آنے دی۔ عام لوگ اس حویلی کے سیاسی پہلو کے حوالے سے ہی آگاہ تھے لیکن یہاں کیا کچھ ہوتا رہا یہ سب کچھ تو اس وقت سامنے آیا جب ایک مڈل گھرانے کی لڑکی اس حویلی میں بہو بن کر گئی۔

کچھ عرصہ تک کھلونے کی مانند اس سے کھیلا گیا اور جب وہ اس حویلی سے نکلی تو اس نے ''وائٹ کالر'' طبقہ کے اصل چہروں کو بے نقاب کر دیا۔ انبساط مطوب الرحمٰن ہوم اکنامکس کالج میں ایم اے کی طالبہ تھی کہ اس کا سامنا یوسف صلاح الدین سے ہو گیا۔ میاں صاحب گو کہ تین بچوں کے باپ تھے لیکن انبساط کی الھڑ جوانی نے انہیں سب کچھ بھلا دیا۔ وہ ہر وقت انبساط سے ملاقات کی تلاش میں رہنے لگے۔ ایک اوسط درجے کے خاندان کی لڑکی نے جب دیکھا کہ ایک رئیس زادہ اس پر لٹو ہوا جا رہا ہے تو اس کو اپنی تقدیر بدلتی محسوس ہوئی۔ انبساط نے سوچا کہ شاید لکشمی دیوی خود اس کی دہلیز پر چل کے آ گئی ہے۔

دوسری جانب میاں یوسف صلاح الدین بھی انبساط کو صرف ایک بات ہی کہتے تھے کہ اگر تم نہ ملیں تو میں مر جاؤں گا۔ ایک نوخیز دوشیزہ کو یہ باور کرا دینا کہ اس کے بغیر میری دنیا اندھیر ہے یہی محبت کی کامیابی سمجھا جاتا ہے۔ میاں یوسف اس معاملے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ لہٰذا ایک رات ڈیڑھ بجے انبساط نے اپنے گھر والوں کی ناراضی مول لیتے ہوئے تہمینہ درانی کے گھر میاں یوسف سے نکاح پڑھوا لیا۔

میاں یوسف صلاح الدین کے لئے یہ زندگی کا ایک حسین ترین لمحہ تھا۔ کئی روز تک جشن کی تقریبات ہوتی رہیں جو نکاح سے دوسرے روز سے ہی شروع ہو چکی تھیں۔ شہر کی کون سی ایسی فنکارہ تھی جس نے میاں صاحب کی حویلی میں حاضری نہ دی ہو۔ خاص طور پر ریما نے مسلسل دو روز تک میاں یوسف کی حویلی میں مجرا کیا اور صرف ایک ہی گانا بجایا گیا کہ ''نہ جانے کہاں

دل کھو گیا۔"

انبساط جب حویلی میں آئی تو اسے معلوم ہوا کہ اس حویلی میں گھر کا تو کوئی تقدس نہیں یہ تو سراسر عشرت کدہ ہے جہاں عمران خان' یوسف صلاح الدین اور ان کے دوسرے دوست اکٹھے ہوتے ہیں' دادِ عیش دی جاتی ہے۔ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی انبساط نے حویلی کو گھر کا روپ دینے کی کوشش کی۔ عورت خواہ کسی بھی طبقہ کی ہو پرسکون گھر اور بچے اس کی پہلی خواہش ہوتے ہیں لیکن انبساط کی بدقسمتی تھی کہ اسے حویلی میں دونوں میں سے ایک چیز بھی میسر نہیں آئی کیونکہ میاں یوسف نے انبساط کو بچے پیدا کرنے سے روک دیا تھا۔

انبساط چار مرتبہ حاملہ ہوئی لیکن چاروں مرتبہ میاں یوسف نے اسقاطِ حمل کرا دیا بلکہ ایک مرتبہ تو جڑواں بچے تھے لیکن یوسف صاحب ایک درمیانے گھر کی لڑکی کے بطن سے پیدا ہونے والے بچے کے باپ نہیں بننا چاہتے تھے۔ انبساط کا حسن اور لچکتا بل کھاتا جسم میاں صاحب کی حسرت تھی جو شادی کی شکل میں پوری ہوگئی۔ میاں صاحب' انبساط کو اس سے زیادہ اور کوئی حیثیت نہ دیتے تھے۔ اس رویے نے نوخیز حسینہ کو معاشرے کا باغی بنانا شروع کر دیا کیونکہ اس کے گھر میں جو کچھ ہوتا تھا وہ کسی بھی عورت کے گھر میں ہوتا تو اس کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ عمران خان جسے انبساط "چاچو" کہہ کر پکارتی تھی وہ بھی روزانہ کسی نہ کسی نئی لڑکی کے ساتھ حویلی آن نکلتے۔ انبساط کو محسوس ہوتا کہ وہ بھی اپنی جنسی خواہش پوری کرنے آجاتا ہے۔

1993ء میں بےنظیر بھٹو لاہور آئیں تو انہوں نے انبساط سے کہا کہ "یہ ہمارے لئے اعزاز ہوگا کہ آپ پیپلز پارٹی جوائن کر لیں۔ انبساط نے یوسف سے مشورہ کیا تو انہوں نے اجازت دے دی اور یوں انبساط نے پیپلز پارٹی لاہور کی جنرل سیکرٹری کے طور پر کام کرنا شروع کر دیا۔ انبساط کہتی ہیں کہ میں حویلی کو عام رفاعی حویلی بنانے کی کوشش کرتی رہی اسے ژی ٹی وی اور بی بی سی سے متعارف کروایا لیکن اس کے باوجود 1994ء میں اس شادی سے بیزاری سے

محسوس ہونا شروع ہوگئی کیونکہ یوسف اور میرے خیالات میں تضادات سامنے آچکے تھے دوسرا اولاد بھی نہیں تھی اور پھر حویلی میں جو کچھ ہو رہا تھا وہ میرے لئے ناقابل برداشت تھا اور ستم بالائے ستم یہ کہ اسے روکنا میرے بس سے باہر تھا۔

عمران خان وہ آدمی تھا جس کے ذریعے حویلی میں جو کچھ ہو رہا تھا وہ میرے لئے ناقابل برداشت تھا۔ حیرت انگیز بات تو یہ ہے کہ یوسف نے علیحدگی کے باوجود اپنی پہلی بیوی سے تعلقات قائم رکھے۔ طلاق کے باوجود محبت کی چنگاری سلگتی رہی۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ میں نے یوسف کو موبائل پر فون کیا تو ان کے ڈرائیور نے فون اٹینڈ کیا۔ میں نے یوسف کا پوچھا تو اس نے ٹال مٹول سے کام لیا۔ جب میں نے سختی سے پوچھا تو اس نے کہا کہ میاں صاحب' اقبال ٹکا کے گھر میں ہیں۔ میں نے صحافی بن کر اس کے بیڈروم میں فون کیا تو ان کی پہلی بیوی نے فون اٹھایا تو میں نے میاں صاحب سے بات کرانے کو کہا تو انہوں نے فوراً فون لے لیا۔ میاں صاحب میری آواز سن کر گھبرا گئے۔ اس واقعہ کے بعد ہمارے تعلقات میں مزید دراڑیں پیدا ہوگئیں اور ان دراڑوں کو عمران خان نے مزید وسیع کیا۔

انبساط کہتی ہیں کہ میں عمران کی نظروں کو پہچان گئی تھی۔ اس لئے انہیں چاچو کہتی تھی۔ ویسے بھی عمران کو مفت خوری کی عادت تھی۔ دوسروں کے پلے سے عیاشی کرنا وہ اپنا حق سمجھتے تھے۔ میرے گھر پر بھی عملاً عمران خان کا قبضہ تھا۔ جس گھر میں ولیمہ ہوا تھا وہاں عمران خان اپنے دوستوں کو کھانے کی دعوتیں دیتے' مجرے کرواتے' ہر رات حسین لڑکیاں لے کر آتے اور نوکروں سے کہتے "بستر لگا دو' بستر لگا دو۔" کوئی بھی حساس اور شریف عورت اپنے گھر کا تقدس پامال ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ میں یوسف سے کہتی تو جواب ملتا کہ بکواس بند کرو۔ پہلی مرتبہ جب میرے اور یوسف کے تعلقات کشیدہ ہوئے تو بینظیر بھٹو نے یوسف سے کہا تھا کہ "تم بڑے بدقسمت آدمی ہو۔ انبساط کو نہ چھوڑنا ورنہ سیاسی و سماجی طور پر تباہ ہو جاؤ گے۔"

انبساط کہتی ہیں کہ مجھے آج ان لڑکیوں پر افسوس ہوتا ہے جو یوسف اور ان کے دوستوں کے ہاتھوں برباد ہو رہی ہیں۔ مریم اور سونیا نام کی دو ماڈل گرلز نے آج کل حویلی میں ڈیرے جما رکھے ہیں۔ ساری لڑکیاں تین بجے یوسف کے گھر اکٹھی ہوتی ہیں دو گاڑیوں اور ایک پجارو میں بیٹھ کر وہ لوگ جمنازیم چلے جاتے ہیں۔ پجارو میں لڑکیاں بھری ہوتی ہیں اور یوسف درمیان میں ہوتا ہے۔ ایکسر سائز اور سوئمنگ پول پر ایک لڑکی تولیہ پکڑے کھڑی ہوتی ہے۔ ایک پسینہ پونچھ رہی ہوتی ہے۔ یوسف ہیرا منڈی سے نہیں' مڈل کلاس لڑکیوں سے دوستی کے شوقین ہیں۔ یوسف کا خیال تھا کہ 27 نوکروں' 4 نوکرانیوں' گاڑی' ائیر کنڈیشنڈ گھر اور دیگر سہولتوں کے بغیر میں مر جاؤں گی لیکن شاید انہیں معلوم نہیں تھا کہ میں حالات سے لڑنے کا فن جانتی ہوں۔ کسی سے عشق ہونا اور بات ہے' کسی کا پیسہ کھا جانا دوسری بات ہے۔ میاں یوسف نے تو مجھے کبھی کچھ نہیں دیا سونا' ڈائمنڈ تو یوسف کو ویسے پسند نہیں تھا۔

یوسف رضا گیلانی

کینیرڈ کالج میں تقریب تقسیم انعامات تھی سابق اسپیکر قومی اسمبلی اور موجودہ وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی تقریب کے مہمان خصوصی تھے۔ بیگم رمضان نامی طالبہ نے کالج کے مقابلوں میں پہلی پوزیشن حاصل کی اور جناب یوسف رضا گیلانی سے انعام وصول کیا۔

یوسف رضا گیلانی نے اس تقریب میں آفر کردی کہ آپ جیسی ہونہار لڑکیوں کی قومی اسمبلی سیکرٹریٹ میں ضرورت ہے۔ آپ کو وہاں نوکری دی جاسکتی ہے۔ بیگم رمضان کو اور کیا چاہئے تھا صرف گریجوایشن کے بل بوتے پر ایک اچھی ملازمت کا اشارہ مل رہا تھا لہٰذا اس نے فوراً رضامندی ظاہر کردی۔ یوسف رضا گیلانی نے 17 اسکیل کی ملازمت کا پروانہ جاری کردیا۔

بیگم رمضان نے کچھ دن ملازمت کی اور پھر مزید تعلیم کا کہہ کر یوسف رضا گیلانی صاحب کے ذریعے ایک سال کی چھٹیاں منظور کروالیں اور لاہور آکر یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔

یوسف رضا گیلانی کی یہ نوازشات صرف بیگم رمضان تک ہی محدود نہیں تھیں بلکہ ملک کی ایک معروف شاعرہ شبنم شکیل کی صاحبزادی ملاحت احمد بھی ان سے مستفید ہوچکی تھیں۔ موصوفہ کو گریڈ 16 میں قومی اسمبلی میں بطور ریسرچ آفیسر تعینات کیا گیا۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد انہوں نے یوسف رضا گیلانی سے گزارش کی کہ میرا منگیتر گریڈ 17 کا افسر ہے لہٰذا مجھے بھی اس

یوسف رضا گیلانی انجلینا جولی سے ہاتھ ملاتے ہوئے

کے ہم پلہ بنادیا جائے۔

یوسف رضا گیلانی ضرورت مند تھے ان کے اشارے پر ملاحت احمد کو 17 اسکیل دے دیا گیا۔ اس کے لئے کسی قانون یا ضابطے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی گئی۔ گیلانی صاحب کی مہمان داری ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ ایک مرتبہ ''ہالی ڈے ان'' میں مس تسکین فرحت نامی حسینہ کو ٹھہرایا گیا۔ ہوٹل کے کارڈ پر یوسف رضا گیلانی کے دستخط تھے اور کمرہ میں دو افراد کے رہنے کے لئے بکنگ کرائی گئی تھی لیکن مس فرحت ہوٹل سے اچانک ایسے غائب ہوئیں کہ ہاؤس کیپر نے انتظامیہ کو اطلاع دی کہ کمرہ خالی پڑا ہے۔ کمرہ کا بل 2187 روپے بنا جو محکمہ ہاؤسنگ کو ارسال کیا گیا کیونکہ یوسف رضا گیلانی اس وقت اس محکمہ کے وزیر تھے۔ خاتون مہمان کے اس طرح اچانک آنے اور غائب ہونے پر سب کو حیرانی ہوئی لیکن یہ معاملہ عوام کی نظروں میں نہ آسکا کیونکہ یوسف رضا گیلانی وزارت کے منصب پر فائز تھے دوسرا ہوٹل والے اپنے مستقل گاہکوں کو پریشان نہیں کرتے کاروبار جو ہوا۔

جاوید ہاشمی

وزیر ویاگرا کے نام سے شہرت پانے والے نواز شریف کابینہ کے وفاقی وزیر صحت جاوید ہاشمی کا دامن بھی ان آلائشوں سے پاک نہیں رہا بلکہ جاوید ہاشمی صاحب بھی ان وزراء میں شامل ہیں جو دادرسی کے لئے آنے والی بے بس خواتین تک کو بھی معاف نہیں کرتے تھے سیمپل چیک کرنے کے بہانے اکثر ویاگرا منگواتے رہتے تھے اور اپنے خاص دوستوں کو اصلی ویاگرا تحفے کے طور پر تقسیم کرتے تھے جو اس دوا کی منظوری کے لئے دواساز ادارے سے بطورِ سیمپل منگواتے تھے۔

ملازمت کے لئے آنے والی ایک خاتون پر حملہ کرنے کا قصہ تو بعض اخبارات کی بھی زینت بنا لیکن سابق شریف وزیرِاعظم ''میاں نواز شریف'' نے اپنے وزیر کے اس کارنامے پر ان کے خلاف کسی قسم کا کوئی ایکشن نہ لیا اور لیتے بھی کیسے.........!!

عمران خان

کرکٹ کی دنیا کا بے تاج بادشاہ جس طرح وکٹوں پر وکٹیں اڑاتا رہا تھا اسی طرح نئی نسل کی لڑکیاں اس پر نثار ہوتی جارہی تھیں۔ کرکٹ سے سیاست تک' عمران خان نے شہرت کی

جن بلندیوں کو چھوا اس کی کہیں مثال نہیں ملتی۔ ''پلے بوائے'' کی شہرت کے حامل عمران خان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ شادی کے بعد وہ پارسا ہو چکا ہے اور کچھ ڈھلتی عمر نے بھی اپنا کام دکھایا ہے مگر تحریک انصاف میں کافی عرصہ تک ایک کلیدی عہدے پر فائز شخصیت نے بتایا کہ ہم نے عمران خان کا نام ''پانچ منٹی'' رکھا ہوا تھا۔

اس نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ تحریک انصاف میں بیشتر عہدیدار خواتین صرف اس کے لمس کی خاطر آئی ہیں جبکہ کچھ ایسی خواتین بھی ہیں جو عمران خان کی پرسنالٹی کو کیش کرواتے ہوئے نوجوان لڑکیوں کو اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کر رہی ہیں۔ بہرحال عمران خان کے بارے میں میڈیا میں اتنا کچھ شائع ہو چکا ہے کہ شاید ہی کسی پاکستانی کے سکینڈلز کے بارے میں اتنا کچھ لکھا گیا ہو۔ اس لئے یہاں ہر واقعہ کی تفصیل میں جانے کی بجائے چیدہ چیدہ واقعات کا حوالہ دیا جا رہا ہے کیونکہ ہمارا مقصد جنسی لطف لینا نہیں بلکہ حقائق کو ایک جگہ یکجا کرنا ہے۔

80 کی دہائی میں جب عمران خان نے پاکستان کرکٹ ٹیم کے ہمراہ انڈیا کا دورہ کیا ایک طرف تو انڈین کرکٹ کے کھلاڑی اس کی تیز باؤلنگ سے خوفزدہ رہے تو دوسری جانب

انڈین فلم انڈسٹری کی خوبصورت ہیروئنوں کے دل کی دھڑکن عمران خان بن گیا۔ اس سکینڈل میں زینت امان کا نام پاکستانی اور انڈین پریس نے نمایاں طور پر شائع کیا اور یہاں تک کے اخبارات نے شائع کر دیا کہ عمران نے زینت امان سے شادی کا فیصلہ کر لیا ہے۔ بعد میں یہ صرف سکینڈل کی صورت بن کر رہ گیا۔ اس کے بعد انڈیا کی ایک اور نامور ایکٹرس ریکھا کے بارے میں بھی اخبارات میں دونوں کا رومانس اور سکینڈل شائع ہوا۔

عمران خان کی سکینڈل لائف میں ایشیائی خواتین اتنی تعداد میں نہیں جتنی غیر ملکی لڑکیوں کے بارے میں اس کے سکینڈل بنے۔ شاید اس کی وجہ صرف یہی ہو سکتی ہے کہ اس کی عمر کا زیادہ تر حصہ یورپ اور مغربی ممالک میں گزرا ہے۔ مغربی ممالک کی حسین ترین لڑکیاں جو عمران خان کی محبت میں گرفتار ہوئیں اور بعد میں سکینڈل بن کر رہ گئیں۔ ان میں میری بل ون، ایما سارجنٹ، لیڈی لیزا کیمپ بل، سیلو گولڈ سمتھ، ٹیفیکن بیچم لیو، بلیکر کو رولائن کیٹ اور نیویارک کی قانون کی طالبہ شیرون سلور نمایاں ہیں۔ جس نے عمران کو کنگ خان کا نام دیا۔ شیرون سلور نے نیچرل ہسٹری میوزیم میں کینسر ہسپتال کی تعمیر میں امداد کرنے کے لئے فنڈ کا اہتمام بھی کیا تھا اس میں ڈوچس آف یارک کی آئی وینا ٹرمیپ، پامیلا اسٹیفن سن اور جیری ہال کے نام بھی شامل ہیں۔

ہانگ کانگ سے ٹیلی کاسٹ ہونے والی نشریات ایم ٹی وی کی ایک اناؤنسر نے 1993ء میں اپنے ایک انٹرویو میں کہا کہ اس کے تعلقات عمران خان سے ہیں اور وہ جلد شادی کرنے والے ہیں۔ ٹی وی کی اس اناؤنسر باربرا نے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ وہ ہر صورت میں عمران خان سے شادی کرنے کی خواہش مند ہے۔ اس نے اپنے تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ عمران خان زبردست وطن پرست انسان ہیں اسے بات بات پر پاکستان نظر آتا ہے۔ یہ ایک اچھی بات ہے لیکن اسے ہم بھی نظر آنا چاہئیں۔

اسی ضمن میں آسٹریلیا کی متعدد خواتین کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے جو عمران خان سے

شادی کرنے کی خواہش مند تھیں بلکہ وہ تو اس کی خاطر پاکستان آنے کو بھی تیار تھیں لیکن عمران خان نے ان کے بارے میں بننے والے سکینڈلز سے انکار کیا۔ آسٹریلین خاتون ٹموتھی بیریمن نے برملا عرمان خان کے بارے میں اپنی محبت کا اعتراف کیا۔ 1994ء کے آخری مہینے میں اخبارات میں خبر شائع ہوئی کہ کرکٹر عمران خان ایک جرمن دوشیزہ کرسٹائن بیکر کے ساتھ شادی کرنے کے بارے میں غور کر رہے ہیں۔ ایک مقامی ہفت روزہ نے اس بات کا انکشاف کرتے ہوئے لکھا کہ عمران خان گذشتہ سال اپنے دوست رولنگ سٹون کی پچاسویں سالگرہ کی تقریب میں شرکت کے لئے جرمنی گئے تو وہاں پر ان کی ملاقات کرسٹائن بیکر سے ہوئی۔ کرسٹائن بیکر نے پاکستان کے کئی دورے کئے اور ان کے جواب میں عمران خان بھی ان سے ملاقات کے لئے جرمنی گئے۔ اسی سال جنوبی افریقہ کے دارالحکومت جوہانسبرگ میں منعقد مقابلہ حسن میں بھارتی نژاد ایشوریا رائے نے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ میں عمران خان کی پجارن ہوں اور کینسر ہسپتال کے لئے چندہ اکٹھا کرنے کے لئے تیار ہوں۔

کرکٹ کی دنیا کے کئی کھلاڑی اس بات کے گواہ ہیں کہ کئی بھارتی اداکارئیں شارجہ میں عمران خان کے ساتھ راتیں گزارا کرتی تھیں جن میں حسینہ عالم ایشیوریا رائے اور بھارت کی صف اول کی اداکاراؤں میں پوجا بھٹ' سری دیوی بھی شامل ہیں۔ کئی حسینائیں ''جیون ساتھی'' بننے کی خواہشات کے تابع عمران خان کی جنسی خواہشات کی تکمیل کرتی رہیں۔ عمران خان بھارتی حسینہ ایشوریا رائے میں اس قدر دلچسپی رکھتے ہیں کہ انہوں نے اسے ''مقابلہ حسن'' میں شرکت کرنے سے روکا۔ ایشوریا رائے' عمران خان کی حقیقت جان چکی تھی اس لئے وہ مقابلہ حسن میں گئی اور کامیاب ہوگئی۔ اس کے بعد اس کی رگ پھر پھڑکی اور اس نے عمران خان کو پیش کش کی کہ وہ اس کی تمام رقوم کے لالچ کے ٹارگٹ پورے کر سکتی ہے لیکن وہ ایسا صرف عمران خان کے ساتھ شادی کی صورت میں کرے گی۔ عمران خان نے اس کی پیش کش کو قبول کیا لیکن شادی کے

معاملے میں گومگو کی کیفیت اس لئے برقرار رکھی کہ اس طرح عمران خان کی ''مارکیٹ ویلیو'' متاثر ہوتی تھی۔

اس طرح پاکستان فلم انڈسٹری کی معروف اداکارہ ریشم اور بابرہ شریف پر عمران خان کے ساتھ تنہائی کے دوران ملاقات میں جو بیتی اس کی گواہی پوری فلم انڈسٹری دے سکتی ہے۔ گلوکارہ ناہید اختر شادی کر کے گلوکاری کو خدا حافظ کہہ چکی ہے اس کا نام بھی عمران خان کے نام لیواؤں میں ایک عرصے تک لیا جاتا رہا۔ ایک کردار بھارت کی نامور فلمی اداکارہ ریکھا ہیں۔ ریکھا کے ساتھ عمران کے دوستانہ مراسم کے قصے دونوں نامور ہستیوں کے کیریئر کا حصہ ہیں۔ سانولی رنگت اور تیکھے نقوش والی بھارت کی سدابہار ہیروئن ریکھا نے اس ضمن میں کسی ہچکچاہٹ کے بغیر کھلے لفظوں میں یہ اعتراف کیا ہے کہ اس کے اور عمران خان کے درمیان دوستانہ تعلقات ہیں۔ ریکھا کی یہ اخلاقی جرأت خواہ ہندو یا پاکستانی معاشرہ میں ناپسندیدگی کی مظہر ہو لیکن ریکھا کی اس بے باکی کی ماضی میں کوئی مثال سامنے نہیں آتی۔ ریکھا نے دوستی کے اس حق کو ادا کرتے ہوئے لاہور کے ایک ایسے شو میں بھی شرکت کی جو کینسر ہسپتال کے لئے رقم اکٹھی کرنے کی غرض سے عمران خان نے منعقد کیا تھا۔ ریکھا نے اس شو میں اپنے فن کا مظاہرہ بھی کیا جس کی وجہ سے عمران خان کو اپنے مشن کی کامیابی کے لئے خاصی خطیر رقم مل گئی اور اس عرصہ کے لئے ریکھا کی قربت بھی۔

عمران خان کے حوالے سے ارجنٹائن کی ایک خوبرو دوشیزہ ''لوسی'' نے بھی خصوصی شہرت حاصل کی۔ اندرون و بیرونِ ملک یہ بات عام ہوگئی کہ عمران خان' لوسی کو اپنی بیوی بنا رہے ہیں لیکن وہ بیوی بننے کے حق سے محروم رہی اور اس کا حسن اور مال و دولت اسے خان کے دل کی رانی نہ بنا سکے۔ اسی طرح لندن کی ایک گوری ''جین'' کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ ان دونوں کے تعلق کوئی نہ کوئی شکل ضرور اختیار کر لیں گے۔ جین کا باپ ایک بین الاقوامی تاجر ہے اور صنعت

کاروں کی صف اول میں شمار ہوتا ہے۔ تعلقات کے دوران عمران خان اور جین کی دنیا سے تعلق رکھنے والوں کے نزدیک دونوں کے تعلقات دیرپا ہوں گے۔ جین بھی کینسر سے نفرت کرتی ہے اور میڈیکل کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد "کینسر" پر ریسرچ کر رہی ہے۔ جین کے بارے میں جب افواہیں سامنے آئیں تو عمران خان نے حسب دستور اس کی تردید کی مگر جین کے دورہ پاکستان نے "سچ" کا بول بالا کر دیا۔ وہ کئی روز تک عمران خان کی مہمان رہی اور یوسف صلاح الدین نے ان کے اعزاز میں ایک شاندار دعوت کا بھی اہتمام کیا مگر یہ عشق بھی منزل تک نہ پہنچ سکا۔

عمران خان اور سوزانا کانسٹائن جب لندن کے ایک نائٹ کلب میں ساتھ ساتھ نظر آنے لگے تو برطانوی اخبارات نے اس سکینڈل پر یہاں تک کہہ دیا کہ وہ عنقریب اس دوشیزہ سے شادی کرنے والے ہیں۔ عمران خان کے بارے میں ایسی خواتین کے بھی سکینڈل بنے جن کو وہ جانتے تک بھی نہیں۔ ان میں سوزینہ نامی برطانوی دوشیزہ بھی شامل ہے جس نے برملا عمران خان سے اپنی محبت کا اظہار کر کے شادی کا ارادہ ظاہر کیا۔ انہی دنوں عمران خان کے بارے میں برطانوی اخبارات نے قیاس آرائیاں شروع کر دیں کہ عمران خان یقیناً "اشالو ہائٹ' ایما سارجنٹ 'لیزا" ان تینوں میں سے کسی ایک سے ضرور شادی کر لیں گے اور اگر ان کی شادی کسی بھی برطانوی حسینہ سے ہوگئی پھر وہ عملی طور پر سیاست میں حصہ نہیں لے سکیں گے لیکن بعد میں یہ رومانس بھی سکینڈل کی صورت بن کر ختم ہو گیا۔

عمران خان کی جب شیرون سلور سے دوستی کا چرچا ہوا تو اس کے بارے میں برطانوی پریس نے لکھا کہ 1970ء میں جب عمران خان نے انگلینڈ کا دورہ کیا تو ان کی والدہ نے نصیحت کی کہ وہ کسی غیر ملکی سے شادی ہرگز نہ کریں۔ شروع میں عمران خان پر اس نصیحت کا بہت اثر ہوا اور انہوں نے عالمی مصورہ ایما سارجنٹ کی محبت کو ٹھکرا دیا اور اپنے ایک بیان میں کہا کہ وہ جب بھی شادی کریں گے مسلمان اور ملکی لڑکی سے کریں گے لیکن ان کی یہ بات آج 25 سال کے بعد

غلط ثابت ہوگئی۔

برطانوی اخبار "ڈیلی میل" نے اداکارہ جیتا فاسیو کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ عمران خان کی محبت میں گرفتار ہونے کے بعد اس سے شادی کرنے کی خواہش مند ہے۔ اسی طرح 90 کی دہائی میں عمران خان کے بارے میں ایک خبر شائع ہوئی کہ عمران خان نے شادی کا فیصلہ کر لیا ہے اور وہ عنقریب جرمن خاتون جو پیشے کے لحاظ سے اناؤنسر ہیں سے شادی کرنے والے ہیں۔ عمران خان کے اس فیصلے کی خبر ان کے گھر زمان پارک پہنچی تو وہاں پر ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ ان کی بہنوں کے خواب ادھورے رہ گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عمران خان کے والد نے اس کی شادی بیوہ کزن کے ساتھ کرانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

یہاں اگر سیتا وائٹ کا ذکر نہ کیا جائے تو پڑھنے والوں سے یقیناً زیادتی ہوگی کیونکہ یہ وہ خاتون ہیں جس نے عمران خان کو سب سے زیادہ "ڈسٹرب" کیا حتیٰ کہ سیاسی و عوامی حلقے سیاست میں ان کی ناکامی کا ذمہ دار بھی سیتا وائٹ کو ہی ٹھہراتے ہیں جس نے عین انتخابات کے دوران عدالت میں عمران خان کو گھسیٹ لیا تھا کہ وہ اپنی ناجائز بیٹی "ٹیریان" کو اپنی بیٹی تسلیم کرے۔ برطانوی اخبار "ڈیلی ایکسپریس" نے برطانوی لارڈ وائٹ کی بیٹی سیتا کے حوالے سے ایک تہلکہ خیز رپورٹ شائع کی جس میں بتایا گیا کہ سیتا نے ایک لڑکی کو جنم دیا ہے۔ برطانوی صحافی راس بینن نے اس بچی کو عمران خان سے منسوب کر دیا۔ اس واقعہ نے عمران خان کی پیشہ ورانہ زندگی پر نہایت ہی بدترین اثر ڈالے۔

لاس اینجلس سے شائع ہونے والے اخبار "پاکستان لنک" میں شائع ہونے والے خصوصی انٹرویو میں سیتا وائٹ نے کہا کہ ٹیریان میرے اور عمران خان کے رنگین اور سنگین جسمانی تعلق کا خوبصورت "نتیجہ" ہے اور میں عمران خان کی اجازت سے اس کی بچی کی ماں بنی تھی۔ میدانِ سیاست میں کودنے سے پہلے عمران خان نے ٹیریان کے اپنی بیٹی ہونے کی کبھی تردید نہیں

کی تھی اس لئے میں پاکستانی عوام کو عمران خان کا اصل چہرہ دکھانے کے ساتھ ساتھ اس کی بیٹی ٹیریان کی مدد بھی کرنا چاہتی ہوں جس نے کبھی اپنے والد کو نہیں دیکھا لیکن ہمیشہ اس کے بارے میں باتیں کرتی رہتی ہے۔ سیتا وائٹ نے کہا کہ عمران خان نے کبھی بھی برطانوی اور امریکی لڑکیوں سے اپنے تعلقات کو نہیں چھپایا۔ کیا لوگوں کو علم نہیں ہے کہ عمران خان شادی کے بغیر ایک بچی کا باپ بن چکا ہے؟

ریکھا کا ایک خوبصورت انداز

سیتا وائٹ نے انکشاف کیا کہ میں کبھی عمران خان سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن میں اس کا ایک بچہ پیدا کرنا چاہتی تھی جو کہ ہمارے مغربی معیار کے مطابق کوئی بری چیز نہیں ہے۔ اس نے عمران خان سے اپنے تعلقات کے آغاز کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ پہلی بار لندن میں اپنی سہیلی ٹیری وڈ ہال کے ساتھ اس کے فلیٹ پر گئی پھر ہماری دوستی ہو گئی اور عمران خان نے مجھے پاکستان چلنے کی دعوت دی۔ اس نے انکشاف کیا کہ میں عمران خان کے زمان پارک والے گھر میں چار ماہ مقیم رہی۔ ہم وہاں سے مری گئے جہاں ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرے اور شکار کھیلا۔ پاکستان کی اہم شخصیت یوسف صلاح الدین بھی ہمارے ساتھ تھے۔ جب ہم شمال کے برف پوش پہاڑوں کی سیر کو نکلے تو میں عمران خان کی ''ساتھی'' تھی جبکہ یوسف صلاح الدین اپنی رفاقت کے لئے ایک طوائف ''گڈی'' کو ساتھ لے کر گیا تھا۔ (اس موقع پر سیتا نے اخبار نویسوں کو عمران خان کے ساتھ اپنی' یوسف صلاح الدین اور اس کی ساتھی طوائف ''گڈی'' کی تصاویر بھی دکھائیں)

جب سیتا وائٹ سے استفسار کیا گیا کہ عمران خان کے خاندان کو تمہارے ساتھ اس کے

تعلقات کا علم تھا؟ تو اس نے انکشاف کیا کہ میں چار ماہ اس کے گھر زمان پارک میں مقیم رہی۔ اس کے اہل خانہ اور دوستوں کو ہر چیز کا علم تھا۔ عمران خان کے خاندان کو علم تھا کہ میں اس کی گرل فرینڈ ہوں' یہ ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ سیتا وائٹ نے کہا کہ عمران خان کے دو چہرے ہیں۔ پاکستان پہنچتے ہی وہ بہت بڑا قدامت پسند بن جاتا ہے جو لوگوں پر توجہ نہیں دیتا تھا۔ مجھے بار بار کہتا' لوگوں کی طرف مت دیکھو.......... میرے پیچھے چلو.......... کار میں بھی اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر نہیں بیٹھ سکتی تھی یہاں تک کہ جہاز میں بھی مجھے عمران خان نے پچھلی نشست پر بٹھایا لیکن لندن پہنچتے ہی دوسرا عمران نمودار ہو جاتا جہاں میں اس کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر کھلے بندوں گھوم پھر سکتی تھی اور اس سے طویل گفتگو کرتی تھی۔ اس طرح پاکستان میں وہ مجھے لمبے بازوؤں والا لباس پہننے پر مجبور کرتا تھا۔ ایک بار میں نے وہاں ''شارٹ سکرٹ'' پہنی تو اس نے مجھے ڈانٹتے ہوئے کہا کہ تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا یہ تم کیا کر رہی ہو؟ انہی دنوں عمران خان نے بتایا کہ میں نے کرکٹ سے ریٹائر ہو کر پاکستان میں زندگی گزارنے کا فیصلہ کر لیا ہے اس لئے اب ہمیں اپنی راہیں جدا کر لینی چاہئیں۔ میں نے اس کی تائید کی اور اس کے ساتھ ویڈیو فلم بنوانے کے بعد پاکستان کو الوداع کہہ کر لندن پہنچ گئی۔

سیتا وائٹ نے کہا کہ عمران خان نے اسے بتایا تھا کہ اسلام نے مردوں کو ایک سے زیادہ خواتین کے ساتھ جنسی تعلقات قائم رکھنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ اس کے علاوہ عمران خان مجھے پاکستان میں اپنی زندگی کے بارے میں مختصر بریفنگ بھی دی تھی اور کہا تھا کہ میں اب سیاست دان بنوں گا۔ پاکستان پہنچنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ یہ ایک غریب ملک ہے جہاں عمران خان کا ایک بادشاہ کی طرح ہر جگہ استقبال کیا جاتا ہے۔ میں یہ دیکھ کر ششدر رہ گئی کہ عمران خان کے گرد ہر مقام پر ہجوم اکٹھا ہو جاتا تھا۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ وہ لندن میں کرکٹ کھیل کر پاکستان میں شہرت حاصل کر رہا ہے اور وہ ہمیشہ پاکستانیوں کی نظروں میں رہنا چاہتا ہے۔

سیتا وائٹ نے کہا کہ عمران خان پاکستانی لڑکیوں کی بجائے غیر ملکی خواتین میں زیادہ مقبول رہا ہے اور مجھے علم تھا کہ وہ اپنی دلہن کی تلاش میں تھا کیونکہ وہ اپنی کئی دوستوں کو پاکستان لے کر گیا کہ وہ پاکستان میں اس کے اہل خانہ کے ساتھ گزارا کر سکتی ہیں یا نہیں؟ اکتوبر 1991ء میں جب عمران خان لاس اینجلس آیا اس وقت میری ایک سہیلی بھی آئی ہوئی تھی۔ میں نے عمران خان سے کہا کہ میں اس کے بچے کی ماں بننا چاہتی ہوں۔ اس نے کہا کہ ''بصد شوق مجھے کوئی اعتراض نہیں۔'' عمران خان نے کہا کہ میں لڑکا چاہتا ہوں جو کرکٹ کھیل سکے۔ میں نے جواب دیا کہ بہت اچھا دیکھتے ہیں کہ کیا ہوتا ہے؟ اس کے بعد عمران خان واپس چلا گیا اور چند ماہ بعد اس کا فون آیا تو اسے بتایا ''میں امید سے ہوں'' تو عمران خان نے بے تاب ہو کر بار بار دریافت کیا کہ مجھے بتاؤ کیا ہے؟.......... کیا ہے؟ چار ماہ بعد ضروری ٹیسٹ کرانے کے بعد میں نے اسے فون پر بتایا کہ لڑکی ہو گی جس پر عمران خان بڑا مایوس ہوا اور مجھے کہا کہ تمہیں حمل ضائع کروا کے اس سے جان چھڑا لینی چاہی۔ اس پر میں نے عمران سے کہا کہ لڑکا نہیں ہوا تو کیا ہوا ہماری بچی ٹینس کھیل سکے گی' وہ اداکارہ بن جائے گی' وہ ہر کام کرے گی' ٹیریان دو سال کی ہوئی تو میں نے اس کی تصویر عمران خان کو بھجوائی' ان دنوں وہ اس بات پر شدید پریشان تھا کہ میں ٹیریان کی تربیت محبت اور نظم و ضبط سے کروں۔ اس وقت ہمارے تعلقات میں سرد مہری پیدا ہو چکی تھی اور غالباً 1994ء میں اس نے جمائما سے محبت کا کھیل شروع کر دیا تھا اور پھر اس کی ٹیلی فون کالوں میں طویل وقفے بڑھنے لگے اور جب کبھی میں نے اس کے دفتر فون پر عمران خان سے بات کرنا چاہی تو میری اس سے بات نہیں کرائی جاتی تھی اور پھر اس نے جمائما سے شادی کر لی۔

ٹیریان کے پیدائشی سرٹیفکیٹ میں والد کے خانے میں عمران خان کے نام نہ ہونے کے بارے میں سوال کا جواب دیتے ہوئے سیتا وائٹ نے کہا کہ اس وقت میں نے نام نہیں لکھا تھا لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ میں اب بھی ایسا ہی کروں گی کیونکہ میں چاہتی ہوں کہ ''غیرت مند مسلمان'' نامی کتاب کا مصنف اور تحریک انصاف کا سربراہ اپنی بیٹی کے ساتھ بھی انصاف

کرے اور اسے باپ کا پیار دے۔

مذکورہ بالا واقعات محبوب لیڈر عمران خان کے ذاتی کردار کے عکاس ہیں۔ ہم اپنی پاکبازی کا دعویٰ نہیں کرتے مگر کیا لیڈروں کو ایسا ہی ہونا چاہئے جیسا کہ مندرجہ بالا واقعات سے ظاہر ہوتا ہے؟ یقیناً نہیں۔ بات ابھی ختم نہیں ہوئی۔ کرکٹ سے ریٹائرمنٹ اور سیاست میں دلچسپی کے دوران خوبرو لڑکیاں اور دوسرے لوگ اپنے سبز باغ عمران خان کے ہاتھوں دیکھنے کے بعد اپنا رستہ بدل گئے۔ ایک روز ایک معروف امریکی صحافی کرسٹینا لیمب عمران کے ساتھ تھی۔ وہ اسے اپنے سیاسی رہنما کے پاس لے گیا اور ان سے ملتجی ہوا کہ وہ اس کی اس دوست لڑکی کو دیکھیں اور اپنی مردم شناسی کی اہلیت کو کام میں لا کر رہنمائی کریں کہ آیا اس صحافی خاتون سے شادی کرنی چاہئے یا نہیں؟ اس سوال کا جواب جنرل حمید گل اور عمران خان کے درمیان ایک راز ہے۔ جو بات راز نہیں ہے وہ یہ ہے کہ اس دن کے بعد عمران خان طویل عرصہ کے لئے برطانیہ چلا گیا۔ پھر ایک روز اخبارات میں خبر شائع ہوئی کہ اس کی منگنی سر جیمز گولڈ اسمتھ کی بیٹی جمائما گولڈ اسمتھ کے ساتھ ہوگئی ہے جو بالآخر شادی پر منتج ہوئی۔

سرتاج عزیز
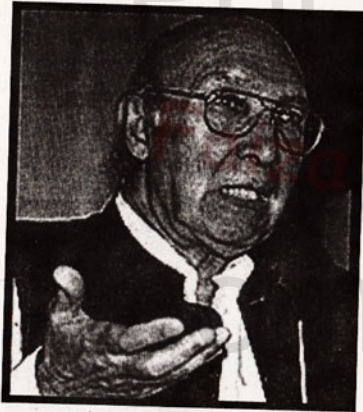
نیب نے سابق وزیراعظم میاں نواز شریف کے قریبی ساتھی اور سابق وزیرِ خزانہ سرتاج عزیز کے کروڑوں روپے کے گھپلے پکڑ لئے جن کی روشنی میں قومی احتساب بیورو نے سرتاج عزیز کو گرفتار کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔

باخبر ذرائع نے انکشاف کیا ہے کہ قومی احتساب بیورو کو سابق وزیر سرتاج عزیز کے خلاف منصب اور عہدے سے ناجائز فائدہ اٹھانے اور قومی خزانے کو کروڑوں روپے کا نقصان پہنچانے کے ٹھوس ثبوت مل گئے ہیں جن کی روشنی میں ان کے خلاف نیب حکام کو اس امر کے دستاویزی ثبوت مل گئے ہیں کہ سرتاج عزیز نے بطور وزیر خزانہ تمام بنکوں کو اپنے مرکزی و علاقائی دفاتر کا فرنیچر تبدیل کرنے کا حکم دیا جس پر کروڑوں روپے کے اخراجات ہوئے۔ وزیر نے اپنے منصب اور اختیارات کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے فرنیچر کی فراہمی کا ٹھیکہ بھی اپنے بیٹے کی فرم کو دینے کے احکامات بھی خود جاری کئے۔

ذرائع نے بتایا ہے کہ نیب نے ابتدائی اطلاع کے بعد اس ڈیل کی تمام دستاویزات قبضے میں لے لی ہیں اور پراسیکیوشن کی بنیاد پر ریفرنس تیار کرنے کی ہدایات جاری کر دیں۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ نیب کو ریفرنس میں مطلوب کسی شخص کی گرفتاری اور عدالت سے اس کی جسمانی تحویل کے لئے 90 دن کا ریمانڈ حاصل کرنے کا قانونی اختیار حاصل ہے۔ ریفرنس تیار ہونے کی صورت میں سرتاج عزیز کو فوری گرفتاری کا امکان ہے۔

بتایا گیا ہے کہ نیب کو ایسے ثبوت بھی ملے ہیں جس میں سرتاج عزیز نے اپنے دو قریبی سابق ارکانِ اسمبلی کے دفاتر کے لئے بھی سرکاری خزانے سے فرنیچر فراہم کرایا جس سے قومی خزانے کو لاکھوں روپے کا مزید نقصان برداشت کرنا پڑا۔ وزیر نے اسی کھاتے سے اپنے گھر کا فرنیچر بھی تبدیل کرایا۔ پردے اور قالین تک سرکاری فنڈز سے حاصل کئے۔

غلام مصطفیٰ جتوئی
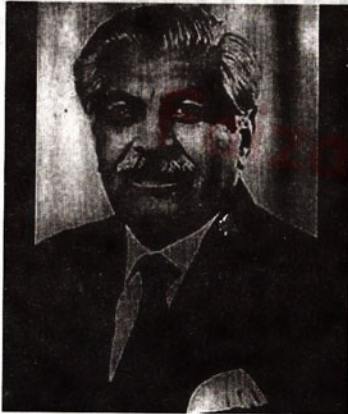
جاگیرداروں کے ہاتھوں عورت کی عزت پامال بھی ہو تو وہ اپنے لٹنے پر آہ وزاری بھی نہیں کر سکتی کیونکہ اس کی چیخ و پکار جاگیرداروں کے آہنی قلعوں کے اندر گھٹ کے رہ جاتی ہے اور

اگر جاگیردار بھی غلام مصطفیٰ جتوئی جیسا ہو تو پھر پرندے کی بھی کیا مجال کہ بغیر پوچھے پر مار سکے۔ غلام مصطفیٰ جتوئی آج بھی سندھ کے سب سے بڑے جاگیردار ہیں۔ موصوف جن دنوں وزارتِ اعلیٰ کے مزے لوٹ رہے تھے ان دنوں وزیر اعلیٰ ہاؤس بھی رنگینیوں میں ڈوبا رہتا تھا۔

نسرین منہاس کو تو لوگ اب تک نہیں بھول پائے جن پر جتوئی صاحب کی نوازشات کی بارش ہوا کرتی تھی لیکن جتوئی سے یارانے کا سب سے زیادہ مزہ تو معروف پاپ سنگر نازیہ اور زوہیب کی والدہ منیزہ نے لوٹا۔ جتوئی صاحب بھی عمر کے پچھلے پہر میں محترمہ کو نہیں بھولے جب وہ عبوری دور میں وزارتِ عظمیٰ کے عہدے پر فائز ہوئے تو منیزہ کو اقوامِ متحدہ میں پاکستان کی نمائندہ بنا دیا گیا۔

مہدی حسن بھٹی

ایک اعلیٰ سطحی تحقیقاتی رپورٹ کے مطابق ”لیاقت عباس“ نے اپنے بھائی مہدی حسن بھٹی سابق ایم پی اے کے منصب کا بھرپور ناجائز فائدہ اٹھایا اور سرکاری اہلکار محض اس کے گماشتے بن کر رہ گئے۔ لیاقت عباس کو حافظ آباد کا راسپوٹین کے خطاب دینے میں کوئی حجاب محسوس نہیں کیا جا سکتا۔

مذکورہ شخص نے زناکاری اور حرام کاری کے ایک نئے باب کو جنم دیا۔ اپنی شیطانی خواہشات کی تکمیل کے لئے مذکورہ شخص نے شعبہ تعلیم سے وابستہ تدریسی زنانہ اسٹاف کو خصوصی طور پر اپنا ہدف بنایا۔ دو خاتون افسران کے توسط سے خوبصورت استانیوں کی فہرست تیار ہوتی پھر ایک ایک کر کے ان استانیوں کا تبادلہ دور دراز علاقوں میں کر دیا جاتا۔ یہ دونوں افسران' استانیوں کے رابطہ کرنے پر انہیں لیاقت عباس سے رجوع کرنے کی تلقین کرتیں اور بالآخر جب لیاقت عباس اپنے مکروہ عزائم میں کامیابی سے ہمکنار ہو جاتا تو اس کے کہنے پر تبادلہ منسوخ کر دیا جاتا۔

لیاقت عباس کی سفارش پر متعدد غیر سند یافتہ استانیوں کو تدریس کے شعبے میں ملازمت دی گئی اور جعلی اسناد پر بھی ملازمتیں دلوائی گئیں۔ رپورٹ میں ان آٹھ خواتین کا بھی تذکرہ ہے جنہیں ناجائز مراسم کی بناء پر جعلی اسناد پر ملازمت دلوائی گئی۔ آؤٹ آف ٹرن پروموشن دی گئی اور دیگر خصوصی مراعات اور نوازشات کی گئیں۔ رپورٹ کے مطابق پھر بھی لیاقت عباس بھٹی کی حرصِ

نفسانی کی تشفی نہ ہوسکی۔ مذکورہ نے اپنے معتمد خاص آفتاب میانہ اور بہادر شاہ عرف بہادری کے ہمراہ زنا بالجبر کی ایک الگ داستان رقم کی۔

سول ہسپتال حافظ آباد میں متعین ڈاکٹر اور لیڈی ڈاکٹر (جو میاں بیوی ہیں) چار سال قبل شام کو تفریح کے لئے اپنی کار پر نکلے۔ وہ پٹرول پمپ پر پٹرول لے رہے تھے کہ لیاقت عباس' آفتاب میانہ اور بہادر شاہ عرف بہادری انہیں اغوا کر کے ریسٹ ہاؤس لے گئے اور خاوند کی موجودگی میں بیوی کو اپنی ہوس کا نشانہ بنایا۔ دونوں میاں بیوی اگلے روز ڈی ایس پی کے پاس فریاد لے کر گئے تو ڈی ایس پی نے لیاقت عباس کو شریف شہری قرار دیا۔ دونوں ڈاکٹر مستعفی ہو کر غالباً ملک چھوڑ گئے۔

یہ تو ان کی درندگی کا محض ایک واقعہ ہے اس طرح کے اور بھی کئی واقعات ہیں جو منظر عام پر آ چکے ہیں۔ ان میں ایک طالبہ کا اغوا کرنے کے بعد زیادتی کا نشانہ بنانے کا واقعہ بھی خاصا معروف ہوا۔ اس واقعہ کی تفصیل کچھ یوں ہے۔ لیاقت عباس نے اپنے غنڈوں کی مدد سے ایک خوبرو طالبہ کو کالج جاتے ہوئے اغوا کر لیا اور 21 روز تک اپنی ہوس کا نشانہ بنایا۔ حافظ آباد میں اس واقعہ کے ردعمل کے طور پر احتجاجی جلوس نکلے' ہڑتال ہوئی اور بالآخر 21 روز بعد لیاقت عباس نے مظلوم طالبہ کو واپس کر دیا۔ اس کے علاوہ پنڈی بھٹیاں دربار روڈ کی لڑکی کو ویگن سے زبردستی اتار کر پٹرول پمپ کے تہہ خانے میں لے گیا اور......!!

رپورٹ میں ان عورتوں کی تفصیل بھی درج ہے جن سے لیاقت عباس کے ناجائز مراسم ہیں یا وہ اس کے لئے خواتین کی فراہمی کے فرائض انجام دیتی ہیں۔ رپورٹ میں اس روح فرسا واقعے کی تفصیل بھی درج ہے جو ان دنوں اخبارات کی سرخیوں میں نمایاں رہا۔

مورخہ 7-9-1989 کو لیاقت عباس نے ہمراہ شیخ پرویز' بہادر خاں عرف بہادری (مشہور ہیروئن فروش) ایک لڑکی راشدہ کو اس کے گھر سے اغوا کیا۔ اس کا والد احمد علی ماچھی'

لیاقت عباس کے پٹرول پمپ پر منشی ہے۔ لڑکی کے والدین اس روز موضع امراء گئے ہوئے تھے۔ لڑکی کے ہمراہ اس کی ایک سہیلی بھی تھی۔ تمام رات لڑکیوں کو شراب پلا کر ان سے بدکاری کرتے رہے۔ کثرتِ زنا اور شراب نوشی سے راشدہ کی حالت غیر ہوگئی تو اسے ہسپتال لے گئے اور ظاہر کیا کہ امرود کھانے سے اسے ہیضہ ہو گیا ہے۔ وہ اس حالت میں مرگئی اور اس کے والد کو خوفزدہ کر کے اس کی لاش کرم اللہ چوک کے نزدیک قبرستان میں دفن کر دی گئی۔ ہسپتال کے ریکارڈ کے مطابق

Medical Examination No. 1753

Dated: 7-9-1989

Cause Of Death: Coma Shock

Died at 2:40 p.m

رپورٹ میں مہدی حسن بھٹی کی ایک اور واردات کا بھی ذکر ہے کہ ایک داشتہ سے ناجائز تعلقات کے شاخسانہ میں وہ حاملہ ہوگئی اور مذکور یہ اپنی والدہ کے ہمراہ پیپلز ہاؤس گئی۔ ایم پی اے صاحب اسے لیڈی ولنگٹن ہاؤس لاہور لے گئے۔ ہسپتال کے عملے کے انکار پر انہیں عزت کا واسطہ دے کر مینار پاکستان کی دہلیز پر رات بسر کرنے کے لئے چھوڑ گئے اور وعدہ کے مطابق لوٹ کر نہ آئے۔ اس لڑکی کی والدہ فیصل آباد اس لڑکی کو لے گئی جہاں اسقاطِ حمل کے دوران مذکور یہ کی موت واقع ہوگئی۔

ناہید خان

جس طرح سابق صوبائی وزیر اطلاعات وٹرانسپورٹ ملک سلیم اقبال کہتے ہیں کہ ''حسن میری کمزوری ہے۔'' اسی طرح معروف مسلم لیگی رہنما اور سابق سینیٹر امیر عبداللہ روکڑی کہتے ہیں کہ میں زمانہ طالب علمی میں نالائق ترین سٹوڈنٹ تھا میرے دوست میرے پیپرز حل کیا کرتے تھے اور میرے کمرے میں عموماً شراب کی محفل سجا کرتی تھی۔ اپنی عیاشیوں کا اعتراف کرنا بھی بڑی جرأت کا کام ہے کیونکہ بعض لوگ تو ایسے بھی ہیں جو سب کچھ کرنے کے بعد بھی خود کو پاک پوتر ثابت کرنے کا ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں انہیں میں سے ایک نام ''ناہید خان'' کا بھی ہے۔

پیپلز پارٹی میں بینظیر بھٹو کے بعد جس خاتون کا حکم چلتا ہے اس کا نام ناہید خان ہے۔ میر مرتضیٰ بھٹو نے ایک مرتبہ واضح الفاظ میں کہا تھا کہ میں پیپلز پارٹی کو ناہید خان اور مشتاق اعوان سے بچانا چاہتا ہوں۔ میر مرتضیٰ بھٹو کے بیان کی گونج ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ اعلیٰ قیادت نے مشتاق اعوان کو پنجاب کا صدر نامزد کر دیا اور یہ سب کچھ ناہید خان کے کہنے پر کیا گیا۔

ناہید خان کے حوالے سے جب کارکن بالکل بدظن ہو گئے تو باغی ارکان نے پیپلز پارٹی کی اعلیٰ قیادت اور عوام کو ناہید خان کے کارناموں سے باخبر کرنے کے لئے ایک پمفلٹ شائع کیا۔ پمفلٹ کیا تھا قوم کے نام نہاد رہنماؤں کے ''کالے کرتوت'' کا پنڈورا باکس تھا جو سرعام کھول کے رکھ دیا گیا تھا۔

کارکنوں نے جہاں ناہید خان پر مالی بدعنوانیوں کے سب الزمات لگائے وہاں یہ بھی بتایا کہ شراب کی رسیا ناہید خان شباب کے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ نوجوان صحت مند کارکن اس کی کمزوری ہیں۔ پمفلٹ شائع ہوا تو فخر زمان جو ناہید خان کے دست راست کی حیثیت رکھتے تھے نہایت پریشان ہو گئے کیونکہ صحت مند نوجوان والی بات صرف ان کو اور ان کے چند ساتھیوں کو معلوم تھی لہٰذا انہیں پر شک کیا جاتا تھا۔

فخر زمان خود بھی ناہید خان کی نوازشات کے نتیجے میں پنجاب کے صدر بنائے گئے تھے لیکن لطیف جذبات رکھنے والا یہ ادیب بھی اندر سے بھیڑیا ثابت ہوا۔ موصوف جہاں بھی جاتے شراب وشباب کا مطالبہ داغ دیتے۔ فخر زمان پر اپنی بیوی کے قتل کا الزام بھی لگایا گیا لیکن فخر اس سے باعزت بری ہو گئے اور پہلی بیوی کا غم بھلانے کی خاطر انہوں نے ریڈیو پروڈیوسر شائستہ جبیں کو دل کی ملکہ بنالیا اور اسے دلہن بنا کر گھر لے آئے۔

فخر زمان

پیپلز پارٹی کے کارکنوں نے بینظیر بھٹو کے دوسرے دور میں ناہید خان، جہانگیر بدر اور حسین حقانی کے خلاف پمفلٹ چھاپا جس میں ان کے کرتوتوں کا پردہ چاک کیا گیا تھا۔ پمفلٹ میں کہا گیا تھا کہ ناہید خان کی بہن کا معاشقہ حسین حقانی کے ساتھ عرصہ دراز سے چل رہا تھا جبکہ وہ نواز شریف کا دست راست تھا اور مسلم لیگ حکومت کی تمام کمزوریاں ناہید خان تک پہنچ رہی تھیں جبکہ ناہید خان پر الزام لگایا گیا کہ وہ پیپلز پارٹی کی ''گولڈا میئر'' ہے اور شراب کی رسیا اور ہر روز ایک آدمی کا ''ڈنر'' کرتی ہے اور بینظیر بھٹو سے ملاقات کے متلاشی افراد سے سونے کی چوڑیوں کا مطالبہ کرتی تھی۔

اس کے علاوہ جو سب سے خوفناک انکشاف سامنے آیا اس کے مطابق وہ گورنر ہاؤس لاہور میں خوبرو اور صحت مند لڑکوں سے مل کر بہت ''خوش'' رہتی تھی۔ پمفلٹ شائع ہوا تو فخر زمان جو اپنی گاڑی پر تندرست ''جیالے'' ڈھونڈ کر لانے کا فریضہ انجام دیتے تھے انہیں اپنے تین ساتھیوں پر شک گزرا کہ یہ بات انہی میں سے کوئی باہر لا سکتا ہے جس پر انہوں نے مصطفیٰ قریشی کے گھر انہیں ماں بہن کی گالیاں دیں۔ اس نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ تمہیں ناہید خان کی مصروفیات کا زیادہ علم تھا اب وہ انتقام پر اتر آئی ہے اور تمہارا حلیہ بگاڑ کر رکھ دے گی۔

پیپلز پارٹی میں بینظیر بھٹو کے بعد جس خاتون کا حکم چلتا تھا اس کا نام ناہید خان تھا۔

میر مرتضیٰ بھٹو نے ایک مرتبہ واضح الفاظ میں کہا تھا کہ میں پیپلز پارٹی کو ناہید خان اور مشتاق اعوان سے بچانا چاہتا ہوں۔ میر صاحب کے اس بیان کی گونج ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ اعلیٰ قیادت نے مشتاق اعوان کو پنجاب کا صدر نامزد کر دیا اور یہ سب کچھ ناہید خان کے کہنے پر کیا گیا۔ ناہید خان کے سامنے جب کارکنوں کے ناک میں دم ہو گئے تو باغی ارکان نے پیپلز پارٹی کی اعلیٰ قیادت اور عوام کے سامنے ناہید خان کے کارناموں اور کالے کرتوتوں کا پنڈورا باکس کھول کر رکھ دیا۔

جس وقت پیپلز پارٹی پنجاب نے جہانگیر بدر کے خلاف احتجاج کیا تو فخر زمان کو صدر بنا دیا گیا۔ موصوف جہاں بھی جاتے پارٹی عہدیداروں سے ''کاکی'' اور شراب کا مطالبہ داغ دیتے۔ کچھ لوگ اہتمام کر بھی دیتے جو انکار کرتے وہ پھر اپنی بدقسمتی کو روتے رہتے۔ فخر زمان کا اصرار ہے کہ اسے شاعر اور ادیب بھی تسلیم کیا جائے۔ انہیں اس وقت شہرت ملی جب ان کا نام اپنی بیوی کے قتل کے الزام میں سامنے آیا۔ بہرحال فخر زمان نے اپنی حیثیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس الزام سے بریت حاصل کر لی۔ شعر و ادب کے حوالے سے انہوں نے ریڈیو پروڈیوسر شائستہ جبیں کو دل کی ملکہ بنا لیا اور اسے دلہن بنا کر گھر لے آئے۔

مشتاق اعوان

وزیر باتدبیر کے ایک کردار مشتاق اعوان ہیں جن کے بارے میں میر مرتضیٰ بھٹو نے ایک بار کہا تھا کہ میں پیپلز پارٹی کو ناہید خان اور مشتاق اعوان سے بچانا چاہتا ہوں۔ یہ بات مشتاق اعوان کے کھاتے میں خوبی کے طور پر لکھی گئی اور اسے ناہید خان کی سفارش پر صوبائی صدر بنا دیا گیا۔

1992ء کے انتخابات کے دوران اس نے میاں نواز شریف سے اپنی پارٹی کے امیدوار امیر علی بھٹی کو ہرانے کے لئے مکمل تعاون کا یقین دلایا جس کی تصدیق امیر علی بھٹی کے بھانجے اور ڈوگر مرحوم کے بھائی نے بھی کی۔ ان دنوں مشتاق اعوان رات کے وقت شراب کے نشے میں مست ہو کر انتخابی دفتر آتے اور گھنٹوں ناہید خان کے سات گپ شپ کرتے رہتے۔ انہیں نشہ کی حالت میں امیر علی بھٹی سے بار بار یہ کہتے سنا گیا کہ ''کڑیاں کتھے نیں۔'' آج تک ان کڑیوں کا تو معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کہاں ہیں البتہ مشتاق اعوان کے بارے میں پتہ ہے کہ وہ جیل میں ہیں۔

معروف صنعتکار عرفان پوری کے سنسنی خیز انکشافات

قومی احتساب بیورو (نیب) کی حراست میں ممتاز صنعت کار خاندان ''پوری فیملی'' کے عرفان پوری نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بینظیر بھٹو کے دور حکومت میں وفاقی وزیر پٹرولیم انور سیف اللہ اور پھر نواز شریف دور کے وفاقی وزیر پٹرولیم چودھری نثار علی خان سے اس کے قریبی تعلقات تھے اور اس نے مذکورہ وزراء کی بیگمات کو کروڑوں روپے کی شاپنگ کرانے کے عوض جعلی فرنس آئل فروخت کر کے بھاری منافع کمایا۔

عرفان پوری جس کے والد مظہر پوری 16 جنوری کو کراچی جم خانہ میں ہونے والے الیکشن میں صدارتی امیدوار بھی تھے نے کراچی کی ملیر چھاؤنی کی ایک بیرک میں نیب کے تفتیشی افسران کو اپنا تفصیلی بیان دیا جس میں سنسنی خیز انکشافات کئے گئے۔

عرفان پوری نے بتایا کہ اس نے بیگم انور سیف اللہ اور بیگم نثار علی چودھری کے میک اپ سمیت انتہائی بیش قیمت ہیرے اور سونے کے سیٹ فراہم کرنے کے علاوہ ان کے بیرونِ ملک سیر و تفریح کے لئے خطیر رقوم فراہم کیں جس کے بدلے ان دونوں وزراء نے اس کی ہر ناجائز حرکت کو سرے سے نظر انداز کر دیا۔

عرفان پوری نے اعتراف کیا کہ اس نے انور سیف اللہ کو 100 کروڑ جبکہ چودھری نثار علی خان کو 200 کروڑ روپے کے لگ بھگ نقد رقم فراہم کی اور دونوں وزراء اور ان کے قریبی دوستوں کے لئے لاہور اور کراچی کی متعدد فلمی اداکاراؤں کے علاوہ طوائفوں کی خدمات بھی حاصل کیں۔

تہمینہ دولتانہ

تہمینہ کی پہلی شادی 16 اکتوبر 1972ء کو میاں شوکت علی عقیل کے ساتھ ہوئی۔ اللہ عزوجل نے انہیں عمران عقیل اور عرفان عقیل دو بیٹے عطا کئے۔ تہمینہ دولتانہ کی گھریلو زندگی ٹھیک ٹھاک چل رہی تھی اور انہوں نے لاہور میں ایک انگلش میڈیم سکول بنا رکھا تھا۔ اس کے علاوہ مری میں کچھ ولاز کرایہ پر چڑھا رکھے تھے۔ موضع لڈن میں اپنے آبائی رقبہ پر باغات سے بھی خاصی آمدن ہو جاتی تھی۔

1988ء میں تہمینہ دولتانہ نے سیاست میں دلچسپی لینا شروع کر دی اور دیکھتے ہی دیکھتے مسلم لیگ میں خاصی اہمیت حاصل کر لی جس کے نتیجے کے طور پر مسلم لیگ نے انہیں 1993ء میں وہاڑی سے قومی اسمبلی کا ٹکٹ دے دیا۔ یہ الیکشن تہمینہ دولتانہ کی زندگی میں انقلابی موڑ ثابت ہوا۔

بات کچھ یوں ہوئی کہ مسلم لیگ نے زاہد واہلہ کو جو چودھری شجاعت کے ایک ادارہ میں تعینات مینیجر کے بیٹے ہیں کو وہاڑی میں اثر و رسوخ کے باعث الیکشن کمیشن میں تہمینہ کا ساتھ دینے کا کہا۔ الیکشن مہم میں زاہد واہلہ اور تہمینہ دولتانہ ایک دوسرے کے بہت قریب ہو گئے۔ زاہد واہلہ وہاڑی ضلع کونسل کے ممبر رہ چکے تھے اس لئے علاقے کی سیاسی اونچ نیچ سے خاصی واقفیت رکھتے تھے۔ انہوں نے جان مار کر انتخابی مہم چلائی لیکن یہ مہم آخر کار محبت کی مہم میں بدل گئی۔

زاہد والہلہ شادی شدہ اور تین بچوں کے باپ ہونے کے باوجود تہمینہ دولتانہ کے سپنوں میں کھو گئے۔ دوسری جانب تہمینہ دولتانہ نے بھی زاہد والہلہ کی خاطر میاں شوکت عقیل کو چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا۔ دو جوان بیٹوں کی موجودگی میں 23 سالہ رفاقت توڑنا کوئی آسان کام نہیں تھا لیکن تہمینہ دولتانہ فیصلہ کر چکی تھیں۔ ایک روز میاں شوکت عقیل نے تہمینہ دولتانہ سے کہا کہ زاہد کا ہر روز تم سے ملنا اور رات گئے تک ساتھ رہنا مناسب نہیں ہماری شہرت کو نقصان پہنچتا ہے۔ یہ سننا تھا کہ تہمینہ دولتانہ آگ بگولا ہو گئیں اور وہ شاید اسی موقع کے انتظار میں تھیں تاکہ علیحدگی کا بہانہ بن سکے۔ پھر یونہی تہمینہ دولتانہ نے شوہر اور دونوں بچوں کو اپنے ذاتی گھر سے نکال دیا۔

چند دنوں بعد اہل وطن نے ایک عجیب اشتہار پڑھا جو ملک کے معروف انگریزی روزنامے ''فرنٹیئر پوسٹ'' میں شائع ہوا۔ یہ ایک عاق نامہ کا نوٹس تھا جس میں تہمینہ کی والدہ بیگم عقیلہ دولتانہ نے قومی اسمبلی کی رکن بیٹی کو عاق کر دیا تھا۔ عاق کیوں کیا گیا؟ نوٹس اس وضاحت سے عاری تھا لیکن مزید چند دنوں بعد یہ الجھن بھی دور ہو گئی۔ سیاسی وسماجی حلقوں نے یہ خبر انتہائی حیرت واستعجاب کے ساتھ سنی کہ تہمینہ دولتانہ نے زاہد والہلہ سے شادی کر لی۔ بات صرف شادی کی ہوتی تو پھر بھی قابل قبول تھی کیونکہ جاگیرداروں کی اونچی فصیلوں کے اندر ایسے ایسے راز پوشیدہ ہوتے ہیں جو کبھی باہر آ جائیں تو لوگ انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں لیکن یہاں معاملہ سراسر الٹ تھا کیونکہ اس موقع پر تہمینہ دولتانہ کے پہلے شوہر جناب شوکت عقیل نے دعویٰ دائر کیا تھا کہ تہمینہ نے نکاح پر نکاح کیا ہے اس نے مجھ سے طلاق نہیں لی۔ میاں شوکت کے اس دعویٰ کی تصدیق خود تہمینہ دولتانہ کی والدہ بیگم عقیلہ دولتانہ نے بھی کی۔ انہوں نے اپنے داماد کو سچا ثابت کرتے ہوئے کہا کہ تہمینہ تو نومبر تک اپنے شوہر شوکت اور بچوں کے ساتھ موجود تھی۔

14 نومبر کو ڈیفنس لاہور میں واقع گھر میں تہمینہ دولتانہ نے پہلی مرتبہ میاں شوکت سے طلاق کا تقاضا کیا لیکن شوکت نے صبر اور حوصلے سے کام لیتے ہوئے انکار کر دیا۔ بیگم عقیلہ دولتانہ

کہتی ہیں کہ فرض کریں اگر تہمینہ نے 9 تاریخ کو طلاق لے بھی لی ہوتی تو 2 دسمبر کو نکاح کیسے ہو سکتا ہے؟ آخر ہمارے ملک میں طلاق اور دوبارہ شادی کے کچھ قوانین موجود ہیں۔ میاں شوکت کا کہنا تھا کہ الیکشن مہم میں تہمینہ تمام لوگوں سے میرا تعارف شوہر کی حیثیت سے کراتی رہی۔ 4 نومبر 1993ء کو پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد کی بیٹی کی شادی کے موقع پر تہمینہ نے میاں اظہر، عثمان ابراہیم، میاں عبدالوحید اور صوبائی وزیر اکرام ربانی سے میرا تعارف بحیثیت خاوند کرایا۔ تقریب کی تصاویر اخبارات میں شائع ہوئیں۔ 9 نومبر کو تہمینہ صدارتی الیکشن میں ووٹ ڈالنے گئیں تو زاہد والہلہ بھی ان کے پیچھے وہاں پہنچ گئے۔ 14 نومبر تک یہ دونوں اکٹھے رہے پھر اسی روز تہمینہ نے گھر آ کر مجھ سے طلاق کا مطالبہ کیا۔ میں نے خاندان کے افراد کو بلایا اور بچوں کو لے کر سسرال آ گیا۔ بعدازاں مجھے معلوم ہوا کہ تہمینہ نے شیر شاہ سوری بلاک کے ایک سکول میں زاہد سے نکاح پڑھوالیا ہے، جس پر میں نے آئی جی پولیس کو درخواست دی لیکن اب تہمینہ صرف ایک جاگیردارنی نہیں تھی بلکہ قومی اسمبلی کی رکن بھی بن چکی تھیں لہٰذا کچھ نہ ہو سکا۔ ہوتا بھی کیسے قانون تو اندھا ہوتا ہے اسے طاقتور انگلی پکڑ کر چلانا سکھاتے ہیں۔

مختار اعوان

مختار اعوان پیپلز پارٹی کے بڑے اہم رہنماؤں میں شمار ہوتے ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں پارٹی سے وابستہ ہوئے۔ ''عشق نے ہمیں نکما کر دیا'' کے مصداق عیش پرست طبیعت نے انہیں سرعام رسوا کر دیا۔ ان کے ساتھ جو ہوا وہ شاید بہت کم مردوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ ہوا یوں کہ بینظیر بھٹو کے دورِ حکومت میں مختار اعوان جن دنوں صوبائی وزیر کی ذمہ داریاں نبھا رہے تھے اسلام آباد کے ایک اعلیٰ ہوٹل میں معروف ماڈل گرل کے ساتھ اپنی تھکن اتارنے میں مصروف تھے کہ کسی ظالم نے اس کارروائی کی اطلاع ان کی بیگم کو دے دی۔ موصوفہ نہایت دبدبے اور جلال والی خاتون ہیں وہ فوراً ہوٹل پہنچیں اور کمرے میں جا کر اپنے شو - کو ناشائستہ لباس میں گھسیٹتے ہوئے ہوٹل کی لابی میں لے آئیں اور جوتوں کی بارش کر دی۔ موقع پر موجود درجنوں لوگ اس بروقت احتساب پر بہت حیران ہوئے تاہم اعوان صاحب جان بچانے کے لئے جوتی چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ بیوی کی اس ظالمانہ کارروائی نے آئندہ کے لئے اعوان صاحب کو محتاط کر دیا اور اس طرح وہ سنبھل گئے۔

ممتاز راٹھور

آزاد کشمیر کے پیپلز پارٹی کے سابق وزیراعظم ممتاز راٹھور کی مصروفیات بھی بہت دلچسپ اور رنگ رنگیلی ہیں۔ موصوف نے اسلام آباد میں ایک گیسٹ ہاؤس میں ڈیرے ڈال رکھے تھے جو کہ انہوں نے آزاد کشمیر میں اپنے عہدِ اقتدار کے دوران ''کشمیر فنڈ'' سے بنایا تھا۔ اس گیسٹ ہاؤس میں کشمیر کی آزادی کے نعرے' حسیناؤں کی زلفوں اور شراب کی محفلیں سجا کر لگائے جاتے تھے۔

ممتاز راٹھور کی مصروفیات کچھ بھی ہوں وزیراعظم آزاد کشمیر تھے تب بھی سرشام اپنے گیسٹ ہاؤس میں محفل سجا کر بیٹھ جاتے تھے۔ سرشام شراب کے جام چلتے تھے اور حسیناؤں سے دل بہلانے والے آزاد کشمیر اور پاکستان کے سیاسی کرداروں کے دل مچلتے تھے۔ آزاد کشمیر کی تقدیر کے مالکوں کے گیسٹ ہاؤس کے ہر کمرے میں مغربی موسیقی چلتی تھی اور اس پر حسیناؤں کے زلفیں بکھیرتیں اور جسم تھرکتے پائے جاتے تھے۔ یہ شیطانی کھیل رات بھر جاری رہتا تھا۔ صبح ہوتے ہی کشمیر کی آزادی کی جنگ لڑنے والے اپنے اپنے حصے کے فنڈز حاصل کرنے کے لئے پاکستان کی حکومتی ایوانوں اور مختلف سفارتخانوں میں پہنچ جاتے تھے۔ اس ضمن میں برطانوی سفارتخانہ کی ایک تقریب خاص طور پر قابلِ ذکر ہے جہاں پیش آنے والے واقعہ کی تفصیلات یوں ہیں۔

برٹش ہائی کمیشن اسلام آباد میں ڈپٹی ہائی کمشنر کی جانب سے کشمیری رہنماؤں کے اعزاز

میں دی جانے والی ایک پر تکلف محفل میں اس وقت عجیب بدمزگی اور مضحکہ خیز صورتحال پیدا ہوگئی جب آزاد کشمیر کے ایک معروف سیاسی لیڈر نہ صرف ''پی پی'' کر پوری طرح دھت ہوگئے بلکہ ایک گوری سفارتکار کا بوسہ لینے کی کوشش میں مذکورہ سفارتکار سے انہیں جھڑک بھی سننا پڑی۔ اس سے قبل کہ معاملہ زیادہ بگڑ جاتا بعض دوسرے سنجیدہ سیاسی رہنماؤں نے صورتحال کو سنبھالا دیا اور معاملہ بگڑنے سے بچالیا البتہ باقی سارا وقت غیر ملکی سفارتکار ناک منہ چڑھائے رہے۔

ڈپٹی ہائی کمشنر برطانیہ نے آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر سے آنے والے زعماء کے اعزاز میں ایک عشائیہ دیا جس میں ان کے علاوہ برطانوی اور امریکی سفارتکار بھی موجود تھے۔ جہاں آزاد کشمیر پیپلز پارٹی کے ایک معروف رہنما بیرسٹر سلطان محمود انگلش شراب کے جام چڑھاتے ہوئے آؤٹ ہوگئے۔ انہوں نے کم وبیش 8 گلاس اپنے حلق میں انڈیلے اور اسی مدہوشی کے عالم میں ایک امریکی سفارتکار ''مسز لیزا'' کے پاس جاکر زوردار قہقہہ لگایا اور انگریزی میں کہا:

Mrs Liza! I am next Prime Minister of Azad Kashmir

اس پر بعض دوسرے سیاسی رہنما خصوصاً حریت کانفرنس کے دو لیڈروں نے ان کی اس حالت پر سخت اعتراض کیا اور کہا کہ اس وقت جبکہ انڈیا میں برطانوی ڈپٹی ہائی کمشنر پاکستان میں برطانیہ کے ہائی کمشنر، پولیٹیکل اتاشی، امریکی اتاشی، پریس قونصلر موجود ہیں اور یہیں خالصتاً کشمیر کے مسئلہ پر ہماری آراء کے لئے دعوت دی گئی ہے ایک ذمہ دار اور سیاسی لیڈر کی جانب سے اس قسم کی حرکت غیر ملکی سفارتکاروں پر کیا تاثر چھوڑے گی۔ علاوہ ازیں اس موقع پر آزاد کشمیر قانون ساز اسمبلی کے سابق اسپیکر صاحبزادہ اسحٰق ظفر کو بیرسٹر سلطان محمود چودھری نے کہا کہ جناب خدا کے لئے آپ مجھے معاف کردیں اور میرے راستے کی دیوار نہ بنیں جس پر صاحبزادہ اسحٰق ظفر نے انہیں باتوں میں لگالیا۔ بعدازاں وہ جموں وکشمیر پیپلز پارٹی کے سربراہ سردار خالد ابراہیم کے پاس چلے گئے اور ان سے بھی اس قسم کی باتیں کرنے لگے۔ بعد میں وہ ایک برطانوی

سفارتکار کی اہلیہ کے پاس گئے اور ان کے منہ سے منہ لگانے کی کوشش کی تو اس نے انہیں بری طرح جھڑک دیا جس پر وہ جھلا گئے اور زور زور سے قہقہے لگانا شروع کردیئے۔ ایسی صورتحال بن گئی جس نے دوسرے سیاسی زعماء کو پریشان کردیا اور انہوں نے انہیں سنبھالنے کی کوشش کی۔ البتہ غیر ملکی سفارتکاروں نے ڈپلومیسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ کوئی بات نہیں معزز مہمان تھوڑے ''ڈرنک'' ہوگئے ہیں اس کا برا نہیں مناتے۔ اس موقع پر صورتحال خاصی مضحکہ خیز بن چکی تھی جو سارا عرصہ جاری رہی۔ ذرائع کے مطابق اس محفل میں سب سے آخر میں جانے والے مہمان بیرسٹر سلطان محمود چودھری تھے۔

9 مارچ 1993ء کو پولیس نے پارک ویو ہوٹل کے سیکنڈ فلور پر چھاپہ مارا جہاں اس وقت کے آزاد کشمیر کے وزیر زراعت بلیک لیبل، بلیز اور بیئر کے جام لئے اپنے ساتھیوں سمیت چار حسیناؤں کے بازوؤں میں جھوم رہے تھے۔ واقعات کے مطابق چھاپہ کے وقت ملزمان شراب گلاسوں میں لئے دوشیزاؤں کے ساتھ محو رقص تھے۔ بلیک لیبل اور بئیر کی 167 بوتلیں بھی موجود تھیں۔ ملزمان نے پہلے دھمکیاں دیں اور بعد میں منت سماجت کرنے لگے۔ گرفتار ہونے والوں میں وزیر زراعت شاہد حمید اور عاطف سہیل بھی شامل تھے جن کا تعلق پاکستان مسلم لیگ سے ہے اور انہوں نے زمین کے خرید وفروخت میں فراڈ کے ذریعے کروڑوں روپے کمائے اور کئی فلمیں بھی بنائیں۔

گرفتار ہونے والی لڑکیوں میں لاہور کی حنا بی بی، ارم بیگ اور شازیہ خان شامل تھیں۔ یہ لڑکیاں فلمی ہیروئن بننا چاہتی تھیں کہ رنگیلے وزیر کے ہتھے چڑھ گئیں۔ پکڑی جانے والی دوشیزہ ارم بیگ نے کہا کہ میرے وزیر شاہد حمید سے عرصہ سے مراسم ہیں انہوں نے مجھ سے وعدہ کررکھا ہے کہ وہ مجھے اپنے دفتر میں نوکری دلوائیں گے۔ نشے میں دھت شاہد حمید اور اس کے ساتھیوں کو جب ہسپتال لایا گیا تو انہیں جوں جوں ہوش آتی گئی ان میں سے اکثر نے کہا کہ وہ پاک صاف ہو

کر روزہ رکھنا چاہتے ہیں لیکن انہیں بتایا گیا کہ جب تک ڈاکٹری معائنہ نہیں ہو جاتا آپ کو پاک صاف ہونے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

آپریشن ٹیم جب جائے وقوعہ پارک ویو ہوٹل ایف ٹین مرکز پہنچی تو سیکنڈ فلور پر شراب و شباب کی محفل اپنے عروج پر تھی۔ آزاد کشمیر کے وزیر زراعت چودھری شاہد حمید اور اس کے رفقائے کار نشے میں بدمست' لاہور سے عیاشی کے لئے لائی گئی چار لڑکیاں' عیاش طبع افراد کا دل بہلا رہی تھیں۔ اتنے میں پولیس پارٹی سادہ کپڑوں میں ملبوس اندر داخل ہوئی اور اس نے نشے میں بدمست افراد کو جب گرفتار کرنا شروع کیا تو ایک فرد نے کھڑے ہو کر پولیس پارٹی کے سربراہ سے کہا کہ میں آزاد کشمیر کا وزیر زراعت ہوں اس پر پولیس چھاپہ مار پارٹی کے سربراہ نے کہا کہ بادشاہو! اب تو وزیر مشیر کی شناخت تھانے چل کر ہو گی۔

پولیس تمام افراد کو پکڑ کر تھانے لائی تو راستے میں وزیر زراعت' پولیس تھانہ گولڑہ کے عملے کی منت سماجت کرتے رہے کہ مجھے بچالو میرا سیاسی کیریئر تباہ ہو جائے گا۔ وزیر زراعت جب آپریشن ٹیم اور فوٹو گرافر کے روبرو ہوئے تو انہوں نے اپنے چہرے پر ہاتھ رکھ کر پورے کمرے میں دوڑ لگانا شروع کر دی۔ فوٹو گرافر ان کے پیچھے رہا جس پر شاہد حمید نے اسسٹنٹ کمشنر اور ایس ایچ او سے کہا کہ دیکھو! یہ کہاں کی شرافت ہے مجھے ان سے بچاؤ۔ چودھری شاہد حمید سے گولڑہ تھانے میں جب ''اسسٹنٹ کمشنر سٹی اسلام آباد چودھری محمد علی نے دریافت کیا کہ کیا واقعہ ہوا؟ تو اس نے کہا کہ چودھری صاحب! زندگی کی بڑی غلطی ہو گئی ابھی میری عمر ہی کیا ہے؟ میں نے تو ابھی بہت کچھ دیکھنا ہے۔ آپ آج مہربانی کر دیں اور کبھی زندگی میں اس فقیر کو آواز دے کر دیکھئے گا یہ فقیر دست بستہ ساری زندگی حاضر رہے گا۔ چودھری شاہد حمید نے کہا کہ مجھے تو جاوید اختر پیرزادہ کی دوستی نے ڈبو دیا۔ میرا اس محفل میں شریک ہونے کا پروگرام نہ تھا۔ تھانے میں جب فوٹو گرافر آپریشن میں پکڑے جانے والوں کی تصاویر بنا رہا تھا اس وقت پکڑے جانے والوں میں

سے ایک شخص ظہور احمد نے سینہ تان کر کہا کہ یہ سب مرد نہیں ہیں' میں مرد ہوں میری تصویر بناؤ۔

کچھ لمحہ قبل شراب کے نشے میں بدمست رنگ رلیوں میں مصروف مرد و خواتین گرفتاری کے بعد رنج و غم اور مظلومیت کی تصویر دکھائی دینے لگے۔ ایک وزیر سمیت اس مکروہ محفل میں شامل تمام افراد اس قدر گھگیانے اور گڑگڑانے لگے گویا کہ ان سے بڑا کوئی مظلوم اس دنیا میں موجود نہیں ہے۔ گرفتار ہونے والی اکثر لڑکیوں نے موقع پا کر اپنے چہرے چھپا لئے اور خود دوڑ کر پولیس کی گاڑی میں گھس گئیں۔ ایک نے کہا کہ ہمیں ان فوٹو گرافروں سے بچالو۔ ایک لڑکی نے کہا کہ خدارا! میری تصویر مت بناؤ اگر یہ چھپ گئی تو میری ماں مر جائے گی جبکہ دیگر لڑکیاں بھی دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔

محفل میں شریک تمام لڑکیوں کا تعلق لاہور سے تھا۔ ایک خاتون جو پشتو بولتی تھی اور جس کا تعلق درہ آدم خیل سے تھا کہنے لگی کہ مجھے معاف کر دیں' میری تصویر نہ بنوائیں میرے گھر والے مجھے گولی مار دیں گے۔ ایک لڑکی نے کہا کہ روزے ہیں مجھے معاف کر دو اس پر وہاں موجود پولیس والوں نے کہا کہ تم روزے میں بڑا نیک کام کر رہے تھے تمہارا روزوں سے کیا تعلق؟ تم لوگوں کو تو روزوں میں بھی شرم نہیں آتی۔ پولیس نے موقع سے جہاں شراب' گلاس اور دوسری چیزیں برآمد کیں وہاں چودھری شاہد حمید کا پاک ٹیل فون بھی قبضہ میں لے لیا۔ جب ان کی گاڑی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو چودھری شاہد حمید نے کہا کہ مجھے تو پجارو ڈراپ کر کے چلی گئی تھی۔ شراب کے نشے میں مدہوش آزاد کشمیر کے وزیر زراعت چودھری شاہد حمید نے وہاں موجود اخبار کے ایک رپورٹر کو کہا کہ مجھ سے چاہے جتنے پیسے لے لو مگر اپنے ایڈیٹر کو کہو کہ میری خبر نہ چھاپے۔ میں ساری زندگی ان کا مشکور رہوں گا اور ساری زندگی ''خدمت'' کرتا رہوں گا۔

چودھری شیر علی

چودھری شیر علی، نواز شریف کے قریبی عزیزوں میں سے ہیں۔ میاں صاحب کی چچازاد یعنی طارق شفیع کی بہن چودھری شیر علی کے گھر ہے۔ دوسری جانب طارق شفیع اور شہباز شریف ہم زلف ہیں۔ اس حوالے سے بھی شہباز شریف اور چودھری شیر علی میں خاصی قربت پائی جاتی ہے۔ چودھری شیر علی تو ابتداء سے عیش پرست واقع ہوئے تھے لیکن جوں جوں وہ سیاسی منازل طے کرتے ہوئے اقتدار کی سیڑھیاں چڑھتے گئے ان کی شرانگیزیاں بھی بڑھتی گئیں۔

چودھری شیر علی نے اپنی جوانی کے ایام میں فیصل آباد کے بازارِ حسن کی نذر کر دیئے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب فیصل آباد (تب لائل پور) میں الماس بائی کے بڑے چرچے تھے کیونکہ اس کی تین بیٹیاں نسیم امتیاز، زرینہ اور عشرت تھیں۔ قیامت خیز حسن کے باعث ضلع بھر کے تماش بین الماس بائی کے کوٹھے کے پھیرے لیتے دکھائی دیتے تھے۔ ان پھیرا بازوں میں ایک نام چودھری شیر علی کا بھی ہے۔ چودھری صاحب عشرت عرف اچھو بائی کی زلف گرہ گیر کے اسیر تھے۔ عشرت کی شادی ہو چکی تھی اور اس میں سے اولاد بھی تھی لیکن چودھری شیر علی سب کچھ جانتے ہوئے بھی عشرت کو اپنانے کی خواہش رکھتے تھے۔ اس حوالے سے چودھری شیر علی شاید نیک جذبات رکھتے تھے کہ اللہ نے ان کی سن لی اور چودھری شیر علی، عشرت کو بیاہ کر گھر لے آئے لیکن شریف خاندان کی بیٹی نے سوتن اور وہ بھی کوٹھے کی کو برداشت کرنے سے انکار کر دیا۔

چودھری شیر علی نے عشرت کو گھر والوں کے ساتھ رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن تمام کاوشیں بے سود ثابت ہوئیں۔ بعد ازاں چودھری صاحب نے عشرت کو گلستان کالونی فیصل آباد میں نیا مکان خرید کر دے دیا اور یوں عشرت نے چودھری صاحب کے طفیل گھریلو زندگی کا آغاز کر دیا۔ اس نیکی کے باوجود بھی چودھری صاحب نے گھر کے علاوہ منہ مارنا ختم نہیں کیا اور رنگینیاں جاری رکھیں جس کا اندازہ ان کے بیٹے چودھری عامر علی کی شادی پر منعقد کیے گئے مجرے سے کیا جا سکتا ہے جس میں جناب شہباز شریف کی سفارش سے اداکارہ ریما کو خصوصی طور پر بلایا گیا۔ تماش بینوں کو لٹو کی طرح گھمانے والی ریما نے ایک عدد پلاٹ اور لاکھوں روپے کے عوض برہنہ رقص کیا اور میزبانوں کے دل جیت لئے۔

باپ کی جانب سے وراثت میں ملنے والے عیاش رویئے نے چودھری عامر علی پر بھی بھرپور اثر ڈال رکھا ہے۔ ان کے قصے فیصل آباد کے شہریوں نے ازبر کئے ہوئے ہیں۔ شاید یہی وجہ تھی کہ جب جماعت اسلامی کے زیرِ اہتمام لاہور پریس کلب میں ان مجروں کی وڈیو دکھائی گئیں جن میں چودھری عامر علی طوائفوں پر ٹن ہو کر نوٹ نچھاور کر رہے ہیں تو لوگوں نے وڈیو فلم دیکھ کر کہا کہ اس میں کون سی نئی بات ہے؟ بیٹے نے آخر باپ پر جانا تھا۔

نواز شریف کے ہر دور میں چودھری شیر علی نے خوب چھکے لگائے اور ایک بار جب نواز شریف کے آخری وزارتِ عظمیٰ میں شیر علی کے خلاف ایک ریفرنس سیف الرحمٰن کے حوالے سے احتساب بیورو کو بھیجا گیا تو شیر علی نے قومی اسمبلی کے ایوان میں یہ دھمکی دے کر ساری کارروائی رکوا دی کہ مجھ پر الزامات لگانے والے خود شیشے کے گھر میں بیٹھے ہیں۔ ان کا اشارہ خود شریف فیملی کی مالی اور اخلاقی بے قاعدگیوں کی طرف تھا۔ اس دھمکی کے بعد خاموشی چھا گئی۔

سیف الرحمٰن اور شرمیلا فاروقی

نواز شریف کے دوسرے دورِ حکومت میں سیف الرحمٰن کو پرانی یاری کی بناء پر بہت سے عہدوں اور اختیارات سے نوازا گیا۔ یار لوگوں کا تو کہنا ہے کہ میاں نواز شریف کی حکومت کی بدنامی اور بالآخر برطرفی میں سیف الرحمٰن کو ملنے والے بے پناہ اختیارات اور ان کے ناجائز استعمال نے بھی بہت کام دکھایا ہے۔ سیف الرحمٰن کے چہرے سے نقاب اس وقت اترا جب انہوں نے عثمان فاروقی کی بدعنوانی کے پردے میں ان کی نوخیز بیٹی شرمیلا فاروقی پر ہاتھ ڈال دیا اور شرمیلا ان کے لئے لوہے کی گولی ثابت ہوئی جو سیف الرحمٰن کے حلق میں پھنس کر رہ گئی۔ حالانکہ موصوف اس سے قبل طاہرہ سید کے ساتھ بڑا اچھا بزنس چلا چکے تھے۔ طاہرہ سید ایک چھوٹی سی فرم چلا رہی تھیں جس کو تعمیرات کے ٹھیکے وغیرہ مل جایا کرتے تھے لیکن جب ریڈکو کنسٹرکشن کا کاروباری پھیلاؤ بڑھا تو اس نے اپنے ڈیلی کام طاہرہ سید کی فرم کو دینا شروع کر دیئے اور طاہرہ سید کو ریڈکو میں اہم حیثیت حاصل ہوگئی لیکن شرمیلا فاروقی کے سلسلے میں سیف الرحمٰن کوئی مناسب ڈیل نہ کر سکے۔ باپ کے جرائم کے بدلے میں انہوں نے اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے شرمیلا کو اسلام آباد بلانا شروع کر دیا لیکن جب شرمیلا نے اسلام آباد آنے سے انکار کر دیا تو سیف الرحمٰن نے دھمکی دیتے ہوئے کہا کہ میں تمہارے خاندان کو عبرت کا نشان بنا دوں گا۔

پھر یہی ہوا۔ شرمیلا اور اس کی والدہ کو گرفتار کر لیا گیا اور شرمیلا کو علیحدہ کر کے تفتیش کی گئی۔ اس تفتیش کے بارے میں شرمیلا نے الزام لگایا کہ مزاحمت کے دوران مجھے وحشیانہ سلوک کا نشانہ بنایا گیا۔ شرمیلا نے کہا کہ سات مردوں کے درمیان میں ایک اکیلی لڑکی تھی۔ آپ خود ہی سوچئے کہ میں کیا کر سکتی تھی؟ شرمیلا نے الزام تو لگایا اخبارات نے اس پر خوب واویلا بھی کیا لیکن سیف الرحمٰن نے اس پر کسی مناسب ردعمل کا اظہار نہیں کیا حتیٰ کہ اس وقت کے وزیراعظم نواز شریف نے بھی کوئی نوٹس نہیں لیا جس سے شرمیلا کے حوصلے بڑھتے گئے۔

شرمیلا کہتی ہیں کہ مجھ پر یہ افتاد آن پڑی تو خیال آیا کہ یہ میری جنگ ہے جو مجھے خود ہی لڑنا ہوگی۔ اس سے پہلے میرے ساتھ ایسا نہیں ہوا تھا۔ میں دوسری عورتوں سے ایسے واقعات سنتی رہی تھی اور سوچتی تھی کہ یہ سب انصاف کیوں نہیں مانگتیں؟ چیختی چلاتی کیوں نہیں؟ بھئی اگر ہم اپنی مدد خود نہیں کریں گے تو اور کون کرے گا؟ میں اگر یہ سوچوں کہ میرے والد باہر نکلیں گے اور میرے لئے لڑیں گے تو کیوں بھئی؟ میں خود کیوں نہیں میری اپنی لڑائی ہے، زیادتی میرے ساتھ ہوئی ہے میں خود کیوں نہ ان تمام حالات کا سامنا کروں۔

شرمیلا کا کہنا تھا کہ جس ملک میں بیٹیوں کی عزت حکومتی ایوانوں میں لٹ جائے اس ملک میں وزیراعظم کو اپنے عہدے پر رہنے کا کوئی حق نہیں لیکن نہ تو وزیراعظم نے اس واقعے پر کسی ردعمل کا اظہار کیا نہ سیف الرحمٰن اپنے دامن پر لگنے والے اس دھبہ کو مٹا سکے۔ بعدازاں ائیرپورٹ پولیس نے معطل سینیٹر سیف الرحمٰن کے خلاف حدود آرڈیننس کے تحت مقدمہ بھی درج کیا۔ یہ مقدمہ نمبر 203/99 پولیس نے شرمیلا فاروقی کی رپورٹ پر درج کیا۔ شرمیلا نے اپنی درخواست میں کہا کہ سیف الرحمٰن نے اپنے دورِ اقتدار میں انہیں اسلام آباد بلا کر ذہنی وجسمانی تشدد کیا اور غیراخلاقی حرکات کی تھیں۔

بلور خاندان

بلور خاندان کا ملکی سیاست میں گہرا عمل دخل ہے۔ صوبہ سرحد میں یہ خاندان انقلابی نظریات کا علمبردار شمار کیا جاتا ہے۔ سیکولرازم ان کی رگ رگ میں رچا بسا ہوا ہے۔ اس کے باوجود بلور کھربوں میں کھیلتے ہیں۔ پشاور میں ان کے درجنوں سینما چلتے ہیں جن میں زیادہ تر فحش فلمیں چلائی جاتی ہیں۔ ان کے خلاف کاروائی کرنے کی بجائے انتظامیہ کے بعض اعلیٰ افسر خود ٹوٹے دیکھنے جا پہنچتے ہیں۔ یار لوگوں کا کہنا ہے کہ انہی "ٹوٹوں" کی کمائی نے بلور خاندان کو معاشی استحکام دے رکھا ہے۔

قربان نیازی

کسی بھی کیس کے سلسلہ میں پولیس جب بھی کسی بڑے ہوٹل پر چھاپہ مارتی ہے تو کوئی نہ کوئی بیوروکریٹ یا سیاستدان یا ان کا کوئی لاحقہ سابقہ ضرور منہ کالا کرتا منظر عام پر آ جاتا ہے۔

10 دسمبر 1996ء کو پولیس نے فلیٹیز ہوٹل پر چھاپہ مارا تو سابق وفاقی وزیر ڈاکٹر شیر افگن نیازی کے چھوٹے بھائی قربان نیازی، پیپلز پارٹی کے ایک سابق ایم پی اے اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ ایک خوبرو حسینہ کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں پائے گئے۔

پولیس کے ہتھے چڑھنے والے ان افراد میں سے ایک نے بتایا کہ وہ آئندہ ہونے والے انتخابات میں اپنے ایک ساتھی کو مسلم لیگ کا ٹکٹ دلوانے آئے تھے۔ انہوں نے پولیس سے درخواست کی کہ اگلی حکومت ہماری ہوگی لہٰذا آپ آج ہم پر مہربانی فرمائیں حکومت بنتے ہی آپ کی ترقی کروا دی جائے گی لیکن عبوری حکومت میں افسران عموماً کسی خاص دباؤ سے آزاد ہوتے ہیں لہٰذا انہوں نے کسی دھوکے یا لالچ میں آئے بغیر تمام ملزموں کو گرفتار کر لیا۔

ان معزز شہریوں میں ایک صفدر صاحب بھی تھے جو پیپلز پارٹی کے ایم پی اے رہ چکے تھے۔ پولیس سے کہنے لگے کہ میری حکومت ختم ہو چکی ہے ہم اقتدار میں ہوتے تو تمہاری یہ جرأت نہ ہوتی کہ تم ہمارے ساتھ ایسا سلوک کرتے۔ خیر کوئی بات نہیں میں تمہارے ساتھ نمٹ لوں گا۔

صفدر صاحب کا کہنا تھا کہ شاہین سے میری 20 سال پرانی دوستی ہے اور شادی شدہ

بال بچوں والی ہے اور رہا شراب کا مسئلہ تو ہر پاکستانی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ جب چاہے سکون حاصل کرنے کے لئے شراب پئے۔ انہوں نے اے ایس پی سے کہا کہ بڑے لوگوں پر ہاتھ ڈالنا بہت مہنگا ثابت ہوگا۔

اسی ہوٹل کی ایک دوسری منزل پر چھاپہ مارا گیا تو ایک اور کمرے سے شراب کی بوتلیں برآمد ہوئیں۔ کمرے میں موجود شخص محمد اقبال اسسٹنٹ کمشنر سرگودھا نکلے۔ بقول ان کے وہ اپنی فیملی کے ہمراہ ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس کی نہ جانے کیا وجہ تھی کہ موصوف نے کسی سرکاری ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرنا پسند نہ کیا۔

چودھری یٰسین

آزاد کشمیر کے وزیر تعمیرات چودھری یٰسین اور ان کے دو ساتھیوں کو کسٹمز اور اے ایس ایف کے عملہ نے مانچسٹر سے اسلام آباد آنے والی پی آئی اے کی پرواز میں ولایتی شراب پی کر اودھم مچانے، جہاز میں خواتین پر رکیک حملے کرنے اور عملے کو سنگین نتائج کی دھمکیاں دینے کے الزام میں گرفتار کر لیا جبکہ وزیر موصوف کے سامان سے بلیک ہارس اور جانی واکر کی 32 بوتلیں برآمد کر لی گئیں۔ بعدازاں انہیں تھانہ ایئر پورٹ پولیس کے حوالہ کر دیا گیا جنہوں نے ڈسٹرکٹ ہسپتال میں وزیر اور ان کے دونوں ساتھیوں کا ڈاکٹری معائنہ کروا کر کارروائی کا آغاز کر دیا۔

16 اگست 1998ء کو صبح 4 بج کر 40 منٹ پر انگلینڈ کے شہر مانچسٹر سے آنے والی پی آئی اے کی پرواز 710 میں آزاد کشمیر کے وزیر تعمیرات چودھری یٰسین اور ان کے دو ساتھیوں خادم حسین اور رب نواز نے ٹن ہو کر جہاز میں اونچی آواز سے گانا اور شور کرنا شروع کر دیا جس سے سوئے ہوئے مسافر اٹھ گئے۔ اسی دوران انہوں نے جہاز کی ایک ایئر ہوسٹس اور دیگر دو خواتین سے بدتمیزی کی۔ جب عملے نے سمجھایا تو بوتل توڑ کر حملہ کر دیا تاہم ہوش و حواس میں نہ ہونے کی وجہ سے راہداری میں گر پڑے۔ عملے نے انہیں بمشکل اٹھا کر سیٹ پر بٹھا کر سیٹ بیلٹس باندھ دیں جبکہ جہاز کے کپتان خورشید چیمہ نے اس دوران کنٹرول کو تمام حالات سے آگاہ کر دیا۔

جہاز کے رکتے ہی عملے نے تینوں کو اتارا تو خاص طور پر وزیر اپنے ہوش و حوا[illegible]

تھے۔ بعدازاں کسٹمز سپرنٹنڈنٹ محمد رزاق اور عملے نے ان کے سامان کی تلاشی لی تو چودھری یٰسین کے سامان سے شراب کی 32 بوتلیں برآمد ہوئیں۔ مزید کاروائی کے لئے وزیر ایئر پورٹ پولیس کے حوالے کر دیا گیا جس نے فوری طور پر ان کا میڈیکل ٹیسٹ کروا کر مقدمہ درج کر لیا۔

ذرائع نے بتایا کہ چودھری یٰسین مسلسل پینے سے آؤٹ ہو چکے تھے اور انہوں نے متعدد بار خواتین کو چھیڑا لیکن ان خواتین کے ساتھ موجود مردوں نے ان کی طبیعت درست کی۔ جہاز کا عملہ بار بار ناخوشگوار واقعہ سے بچانے کی کوشش کرتا رہا۔ وزیر کو عملے نے کئی بار بیلٹ سے باندھا لیکن وہ بار بار بیلٹ کھول کر آزادی حاصل کر لیتے تھے جس کے باعث اسلام آباد انٹرنیشنل ایئر پورٹ پر ہنگامی صورتحال کا اعلان کر دیا گیا۔ ایئر پورٹ سیکیورٹی فورس اور تمام حساس ادارے الرٹ کر دیئے گئے۔ کمانڈو ایکشن کر کے انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ گرفتاری کے وقت نیم بے ہوشی کے عالم میں انہوں نے شور مچانا شروع کر دیا اور بڑھکیں لگائیں کہ میں آزاد کشمیر کا وزیر ہوں سب کو دیکھ لوں گا۔

ایئر پورٹ پر چودھری یٰسین نے کسٹم انسپکٹروں سے ہاتھا پائی بھی کی اور ان کے بیج نوچ ڈالے اور کپڑے پھاڑنے شروع کر دیئے۔ کسٹم اہلکاروں نے وزیر کو کنٹرول کرنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ آپے سے باہر ہو گئے۔ جس پر اشتعال میں آ کر کسٹم اہلکاروں نے انہیں بازوؤں اور ٹانگوں سے اٹھا کر کشمیر کاؤنٹر کے قریب خالی کمرہ میں فرش پر پٹخ دیا اور نصف درجن اہلکاروں نے لاتوں اور مکوں سے پٹائی شروع کر دی۔ ان کی پینٹ پٹائی سے جگہ جگہ سے پھٹ گئی جبکہ شرٹ مکمل طور پر پھٹ گئی۔ بعدازاں ہوش آنے پر ایئر پورٹ حکام نے چودھری یٰسین کو تھانہ ایئر پورٹ کے حوالے کر دیا۔

ستمبر 1999ء میں نواز شریف دور حکومت میں آزاد کشمیر کے دو وزراء کی ویڈیو فلم ایک خفیہ ادارے کے اہلکاروں نے اس وقت بنائی جب وہ ایک مقامی ہوٹل میں ایبٹ آباد سے منگوائی

جانے والی دو لڑکیوں کے ساتھ شراب پی کر رنگ رلیاں منا رہے تھے۔ اس موقع پر شراب کی کئی بوتلیں بھی وہاں پڑی تھیں۔ آزاد کشمیر کی ضلعی انتظامیہ کو بھی اس واقعہ کی خبر دی گئی تھی مگر وزراء کا سن کر انہوں نے کوئی کاروائی نہیں کی۔ البتہ ویڈیو فلم کی تیاری کے دوران ایک وزیر ایک خفیہ اہلکار کے قدموں پر گڑگڑا کر معافیاں مانگتا رہا۔

حافظ غلام محی الدین

حافظ غلام محی الدین کا نام سیاسی حلقوں میں اچانک اس وقت سامنے آیا جب انہوں نے حلقہ 95 سے میاں محمد نواز شریف کے مقابلے میں الیکشن لڑا۔ حافظ غلام محی الدین بھی دیگر سیاستدانوں سے کسی طرح پیچھے نہ رہا۔ نیا سہرا نومبر 1998ء کو موصوف اپنی گاڑی 1-D-G-7660 میں گلوکارہ شبنم مجید کے ساتھ جا رہے تھے کہ عارف چوک ملت پارک میں کسٹم کے عملے نے انہیں گرفتار کرلیا۔ گرفتاری پر حافظ غلام محی الدین منہ سے جھاگ اگلنے لگے۔ بڑی منت سماجت کے بعد شبنم مجید کو تو رہا کر دیا گیا البتہ حافظ غلام محی الدین نے یہ کاروائی تھانہ جا کر بھگتی۔

بڑے لوگوں کی خوبصورت بیٹیاں
بازارِ حسن کی زینت

''ہیرا منڈی میں بڑے بڑے جاگیرداروں' صنعتکاروں' سیاست دانوں اور بیوروکریٹس کی بیٹیاں موجود ہیں۔ یہ بیٹیاں اپنے باپوں کو جاننے کے باوجود انہیں باپ نہیں کہہ سکتیں کیونکہ اس کا کوئی قانونی ثبوت موجود نہیں ہوتا۔ ان کے باپ انہیں بیٹیاں نہیں مانتے یا شاید اب وہ انہیں جانتے بھی نہیں لیکن میرے علم میں ایسے واقعات ہیں کہ کسی باپ نے اپنی ہی بیٹی کا رقص دیکھا اور پھر اسے شب بسری کے لئے بھی لے گیا۔''

بینظیر بھٹو سابق وزیراعظم کے دورِ حکومت میں وفاقی دارالحکومت اسلام آباد میں غیر اخلاقی حرکات اور دادِ عیش دینے کی سرگرمیاں اپنے عروج پر پہنچ گئیں۔ قابل افسوس بات یہ تھی کہ ان سرگرمیوں کی پشت پناہی بعض نام نہاد شرفاء جن میں (اس وقت کے) وزراء' صنعت کار' تاجر' اعلیٰ سرکاری حکام اور بعض غیر ملکی سفارت کار شامل تھے کرتے رہے۔ یہ خطرناک رجحان نہ صرف شعائر اسلامی سے سنگین مذاق کے مترادف تھا بلکہ معاشرتی اقدار سے بغاوت اور پاکستان

قوم کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ تھا مگر حکومت نے ان تمام چیزوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس کی نہ صرف حوصلہ افزائی کی بلکہ کھلم کھلا پشت پناہی بھی کی۔

بازارِ حسن میں جو عورتیں عصمت فروشی کے دھندے کرتی ہیں ان میں اکثریت کے باپ ملک کے بڑے بڑے جاگیردار، بیوروکریٹ، تاجر اور سیاستدان ہوتے ہیں اور یہ سچ بھی ہے کہ عام غریب آدمی میں اتنی توفیق واستطاعت کہاں کہ وہ بازار میں دادِ عیش دے سکے۔ یہ تو وہ متمول، جاگیردار، تاجر، سرمایہ دار اور بیوروکریٹس ہی کر سکتے ہیں۔ جن کے پاس حلال وحرام ہر قسم کی دولت ہوتی ہے اور وہ اس دولت کو بے تحاشا اپنے عیش وعشرت پر لٹا سکتے ہیں چنانچہ اس بازار کی بیٹیاں بے شک بڑے لوگوں کی اولاد ہوتی ہیں لیکن یہ بڑے لوگ اتنا حوصلہ کبھی نہیں رکھتے کہ اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے اپنی ان بیٹیوں کو بازار سے لے جائیں۔ چنانچہ یہ جہاں پروان

بابرہ شریف

چڑھتی ہیں اسی دھندے میں لگ جاتی ہیں۔ ماضی میں یہ "شرفاء" اور "معززین" کوٹھوں پر گانا سنتے تھے مگر اب وہ حسیناؤں کو اپنی کوٹھیوں میں بلا لیتے ہیں ان میں سابق وزیراعظم کی بیٹی کا نام فرح ہے۔ جس کی کچھ عرصہ قبل شادی معروف اداکارہ بابرہ شریف کے بھائی سے ہوئی۔

کسی زمانے میں فرح کی والدہ زاہدہ سلطانہ معروف سنگر تھی۔ اس سنگر کے ساتھ اس وقت کے وزیراعظم نے تعلقات قائم کر لئے جس کے نتیجہ میں فرح پیدا ہوئی۔ ہمارے علم کے مطابق تو فرح وزیراعظم کی بیٹی ہے مگر سابق وزیراعظم اسے قبول نہیں کریں گے۔ یہ تو صرف ایک مثال ہے ورنہ اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں۔ کئی وزراء، گورنروں اور اراکین اسمبلی کے علاوہ بہت سے "شرفاء" کی اولاد یہاں پائی جاتی ہے اور ہم پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ اگر یہ نام نہاد شرفاء اور معززین اپنی اولاد کو یہاں سے لے جائیں تو بازارِ حسن خود بخود بند ہو جائیں۔

گذشتہ دنوں فلم اسٹار انجمن نے ایک بیان میں دعویٰ کیا تھا کہ میرا باپ سابق ریاست بہاولپور کے امیر الامراء قسم کے لوگوں میں شامل ہے۔ فلم اسٹار انجمن نے سب سے پہلے ملتان

عالیہ

انجمن

کے بازارِ حسن میں آنکھ کھولی تھی لیکن جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی اس کی جہاں دیدہ ماں اسے پاکستانی فلمی صنعت کے مرکز لاہور میں لے آئی۔ یہاں طوائفوں کے آگے بڑھنے کے امکانات اور مواقع زیادہ ہوتے ہیں۔ لاہور منتقل ہونے کے بعد انجمن نے گلبرگ میں ایک عظیم الشان کوٹھی بھی لی۔

جیسا کہ ہم نے پہلے بتایا کہ انجمن نے اپنے باپ کے سلسلہ میں بہاولپور کے کسی امیر کا نام لیا تھا ممکن ہے کہ اس کا یہ دعویٰ درست ہو۔ بازار میں ایسے ہی امیر کبیر لوگ داشتائیں رکھ سکتے ہیں غریب غرباء کا وہاں کیا کام؟

ملتان ہی کے بازارِ حسن کی ایک اداکارہ صائمہ فلم انڈسٹری میں موجود ہے۔ وہ کئی فلموں میں کام کر رہی ہے۔ ملتان کے بازارِ حسن کو یہ انوکھا اعزاز حاصل ہے کہ وہاں سے فلم انڈسٹری کو کئی ستارے ملے ہیں۔ صائمہ بھی اپنے نام کے ساتھ ”خاکوانی“ لکھتی ہے۔ وہ بھی یہی کہتی ہے کہ اس کا باپ ملتان کے معروف خاکوانی خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔

صائمہ

بازارِ حسن کی ایک اور طوائف لبنیٰ خٹک بھی فلم انڈسٹری میں آئی تھی مگر اسے جلد ہی جہلم کے ایک راجہ نے اچک لیا۔اس کا بھی یہ دعویٰ تھا کہ اس کا باپ صوبہ سرحد (خیبر پختونخواہ) کا ایک بڑا آدمی ہے البتہ اب وہ فلم لائن چھوڑ کر گھر گرہستی کی زندگی گزار رہی ہے۔

انجمن فنکاراں یا بازارِ حسن کے صدر محمود احمد نے ایک ملاقات میں بتایا کہ لاہور کی ہیرا منڈی میں بڑے بڑے سیاسی لوگوں کی بیٹیاں موجود ہیں۔ یہ بیٹیاں اپنے باپوں کو جاننے کے باوجود انہیں باپ نہیں کہہ سکتیں کہ اس کا کوئی قانونی ثبوت موجود نہیں ہوتا۔محمود احمد نے بتایا کہ ان کے باپ انہیں بیٹیاں نہیں مانتے یا شاید اب وہ انہیں جانتے بھی نہیں لیکن میرے علم میں ایسے واقعات ہیں کہ کسی باپ نے اپنی ہی بیٹی کا رقص دیکھا اور پھر اسے شب بسری کے لئے بھی لیا گیا۔ساحرلدھیانوی نے اپنی نظم چکلے میں بجا کہا ہے:

ملکہ پکھراج

یہاں تنومند بیٹے بھی آ چکے ہیں ابا میاں بھی
یہ بیٹی بھی ہے بہن بھی اور ماں بھی

بہرحال محمود احمد کے دعویٰ کے مطابق یہاں بہت سے افسروں اور سیاست دانوں کی حسین وجمیل بیٹیاں بھی موجود ہیں۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ملتان کے ایک مشہور جاگیردار اور پنجاب کے سابق وزیراعلیٰ میاں ممتاز کی بیوی الماس بھی اسی بازار سے تعلق رکھتی تھی۔ فیصل آباد کی ایک بڑی نامور شخصیت جس کا تعلق میاں نواز شریف سے بھی ہے انہوں نے فیصل آباد کی ایک مشہور طوائف الماس کی بیٹی سے شادی کر رکھی ہے۔

ملکہ پکھراج ریاست کشمیر کے کسی راجہ کے دربار میں اپنے ناچ گانے کا مظاہرہ کرتی رہی ہے۔ البتہ اس کی اولاد نے یہ ثابت کیا کہ وہ گھر گرہستی کی زندگی یقیناً بسر کرنے کے اہل ہیں۔

ملکہ ترنم نور جہاں کا اس بازار سے تعلق کون نہیں جانتا؟ وہ قصور کے بازار سے چلتی ہوئی لاہور کی ہیرامنڈی میں گلی شیخوپوریاں تک پہنچی اور وہاں ٹائم لگاتی رہی ہے جبکہ نور جہاں بیک وقت ہیروئن اور گلوکارہ کی حیثیت سے فلموں میں آتی رہی ہے اور ایسا ''اونچا مقام'' بھارت میں صرف ثریا کو حاصل تھا جو بیک وقت ہیروئن اور گلوکارہ بھی تھی اور اسی بازار سے آئی تھی۔ نور جہاں نے اب اس بازار کو خیرباد کہہ دیا تھا لیکن اس کی ازدواجی زندگی شدید ناکامیوں اور المیوں کا مرقع ہے۔ حد یہ ہے کہ اس کی بیٹیوں کو بھی طلاقوں کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ وہ شوہروں سے الگ ہو کر واپس ماں کے پاس آئیں اور اب اپنے بوتیک قسم کے کاروبار چلا رہی ہیں۔

نور جہاں کی زندگی بجائے خود ایک طویل موضود ہے جس کے اکثر باب سب کے سامنے کھلے ہیں اور ان سے لوگ خوب آگاہ ہیں۔ نور جہاں کے عاشقوں اور اس کے معشوقوں کی تعداد اگرچہ درجنوں سے تجاوز کرتی ہے لیکن منیر احمد منیر نے اپنی کتاب ''نور جہاں اور میں'' میں

ملکہ ترنم نور جہاں

شوکت حسین رضوی کی زبانی ان عاشقوں کی تعداد صرف ''چودہ'' بیان کی ہے۔ عین ممکن ہے کہ شوکت صاحب کے علم میں بھی چودہ مرد آئے ہوں وگرنہ نور جہاں تو عشق و عاشقی سے کبھی نہیں چوکتی تھیں۔ ان کے بارے میں مشہور تھا کہ بڑھاپے میں اپنے حسن و رعنائی کو محفوظ رکھنے کے لئے وہ اپنے ہارمونز بھی تبدیل کرا چکی تھیں۔

نور جہاں کے عاشقوں کی اس فہرست کے ساتھ ساتھ شوکت حسین رضوی نے یہ رائے بھی دی کہ ''نور جہاں'' جس ٹائپ کی اسٹار ہے ایسے اسٹار میں بیماری ہوتی ہے کہ یہ عورت سیکس کی بھوکی ہے۔ یہ رائے دراصل مدراس کے ہندو نجومی ہینگل ایس ریڈی نے شوکت رضوی کو دی تھی

اور کہا تھا کہ اگر اس کا علاج کرانا ہے تو اسے جرمنی لے جائیں وہاں یہ علاج ہوتا ہے جس سے سیکس کی تیز بھوک کسی حد تک کم ہو جاتی ہے۔ اگر یہ علاج نہ ہوا تو اس کی بھوک تیز ہو جائے گی کم نہیں ہو گی۔

شوکت حسین رضوی فلم اسٹار اعجاز درانی کا ذکر کرنا غالباً بھول گئے اس سے بھی نور جہاں نے عشق کا ڈھونگ رچایا تھا اور بعد ازاں اس سے شادی کر کے چند سال اس سے دل پشوری کیا اور جب اس سے دل بھر گیا تو اسے طلاق دے دی۔ مزید براں انہوں نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر یحییٰ خاں کا ذکر بھی نہیں کیا حالانکہ نور جہاں اور جنرل میں گم ہو کر یہ صدر صاحب پاکستان کو ہی فراموش کر بیٹھے تھے۔

آج کی مشہور ہیروئن ریما بھی ملتان کے بازارِ حسن سے آئی ہے۔ ملتان کی بہت سی طوائفیں لاہور پہنچ کر عروج پر پہنچی ہیں۔ گلوکارہ ناہید اختر کا بھی تعلق ملتان سے ہے۔ ریما کا دعویٰ ہے کہ وہ ایک ریٹائرڈ کسٹم آفیسر کی بیٹی ہے لیکن اپنی ولدیت کے خانے میں وہ اپنے نانا جان کا نام لکھتی ہے کیونکہ اس کا باپ اکمل خان اسے اپنی بیٹی ماننے کے لئے تیار نہیں۔

بازارِ حسن کے ایک شخص میاں محمد اکبر کی بیٹیوں نے بھی رقص اور گلوکاری میں بڑا نام پیدا کیا اور اس کی پانچ بیٹیاں روبینہ، نبیلہ، سپنا، انیلا اور فرح بڑی خوبرو اور سرو قد نکلیں۔ ان کے بالا خانے پر کئی بڑے بڑے لوگ گانا سننے جاتے رہے ہیں۔ میاں اکبر کی بڑی بیٹی روبینہ نے فلم ''بازی گر'' اور ''چکوری'' میں مختصر فلمی کردار بھی ادا کیے ہیں لیکن وہ کوئی خاص شہرت حاصل نہیں کرسکی۔

روبینہ ایک طوائف چھم چھم کے بالا خانے پر رات کو ''ٹائم'' دیتی تھی۔ اسی دوران لاہور کے ایک ریکروٹنگ ایجنٹ کشور سے اس کی ملاقات ہوئی۔ کشور ایک وجیہہ اور خوبصورت نوجوان تھا اور اپنی نئی نویلی مرسڈیز کار میں بیٹھ کر گانا سننے آتا ہے۔ گانے کے دوران ہی وہ روبینہ کو دل دے بیٹھا جبکہ روبینہ پہلے سے اس کی تاک میں تھی کہ کوئی مال دار آسامی ملے تو وہ اس سے شادی کر کے گھر بسا لے۔ اس کے باوجود اس نے شادی کے بعد بھی کئی بار اپنے اڈے پر واپس آنے کی

کوشش کی لیکن کشور کی ہیبت ایسی تھی کہ اسے چاروناچار گھر گرہستی بن کر زندگی گزارنا پڑی۔ ان دنوں اس کے تین بچے ایچی سن کالج لاہور میں زیرِتعلیم ہیں لیکن کسی کو ان کے بارے میں یہ علم نہیں کہ ان کی ماں کون تھی اور کہاں سے آئی تھی؟

دیبا

فردوس

میاں اکبر کی دوسری بیٹی فرح اپنی تمام بہنوں سے زیادہ حسین و جمیل تھی۔ ہیرا منڈی کے ایک بالا خانے میں اپنی محفل سجاتی تھی۔ ایک دن اس کی ناچ گانے کی اس محفل میں بلوچستان کے ایک سردار بھی تشریف لائے اور وہ فرح پر بری طرح فریفتہ ہوگئے۔ بلوچستان کے اس سردار کا صوبہ کے ایک معروف سیاسی خاندان سے تعلق ہے۔ ان کے والد بلوچستان کے وزیراعلیٰ بھی رہ چکے ہیں اور خود موصوف کی محبت میں جب زیادہ شدت پیدا ہوئی تو اس کے نتیجہ میں فرح حاملہ ہوگئی۔ فرح کا باپ اور اس کے خاندان والے یہی چاہتے تھے کہ فرح حمل کے مرحلہ سے دوچار ہو تو اس سردار کو پھانسا جائے۔ فرح کے حاملہ ہو جانے پر فرح کے والد لاہور کے ایک وکیل سیف الرحمٰن کو ساتھ لے کر سردار موصوف سے جا ملے اور اس سے کہا کہ فرح حاملہ ہو چکی ہے آپ نے اس سے شادی کرنے اور کار کوٹھی لے کر دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اب وقت آ گیا ہے کہ آپ اپنے اس وعدہ کو نبھائیں اور اگر آپ نے لیت و لعل سے کام لیا یا شادی سے انکار کیا تو اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا۔

یہ 1979ء کے ان دنوں کی بات ہے جب حدود آرڈیننس نیا نیا نافذ ہوا تھا اور اس قانون سے سبھی خوفزدہ تھے۔ اسی آرڈیننس کے حوالہ سے وکیل صاحب نے سردار موصوف کو ڈرایا دھمکایا کہ آپ کے خلاف اسی آرڈیننس کے تحت مقدمہ چلا تو آپ کی سیاسی شہرت اور ساکھ تباہ ہو جائے گی۔ اس دھمکی نے اپنا رنگ دکھایا اور سردار صاحب نے فرح سے شادی کر لی۔ آج کل وہ چار بچوں کی ماں ہے اور سردار صاحب نے اسے لاہور میں ہی ایک بہترین کوٹھی اور کار لے دی ہے۔ اس کے بچے ایک اعلیٰ کالج میں زیر تعلیم ہیں اور یہی وہ بچے ہوتے ہیں جو اس کالج سے تعلیم پا کر اعلیٰ عہدوں تک پہنچتے ہیں اور بعض اوقات ایسے طوائف زادے ہمارے اور آپ کے حکمران بن جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے حاکموں یا حکمرانوں سے ملک و قوم کسی بھلائی کی کیا توقع رکھ سکتی ہے؟

بہار بیگم

آمنہ حق

فرح کی ایک اور بہن سپنا ہے اس کا اصل نام مبین ہے لیکن سپنا فلمی اور رومانی طرز کا نام اس نے صرف اس لئے رکھا تھا کہ وہ بابرہ شریف کے مقابلہ میں آنے کے خواب دیکھتی تھی۔ اس نے ایک پنجابی فلم ''اندھا قانون'' اور چند دوسری فلموں میں کام ضرور کیا لیکن کوئی خاص کامیابی حاصل نہ کر سکی۔ اس ناکامی کے بعد اس نے صوبہ سرحد کے ممبر صوبائی اسمبلی خان خٹک کو

اپنے جال میں پھنسایا۔ خٹک صاحب نے اسے اپنی فلم ''چوڑیاں ٹوٹ گئیں پل بھر میں'' میں بطور ہیروئن چانس دیا لیکن فلم فلاپ ہو گئی اور سپنا کے سپنے بکھر گئے۔ خٹک کا دل بھی اس سے بھر گیا اور اس نے اپنی نئی فلم ''نو مس نو'' میں اسے کاسٹ نہیں کیا۔ وہ اس سے جان چھڑوانا چاہتے تھے سو اس نے چھڑا لی۔ اب سپنا اس چکر میں ہے کہ اپنی بہن روبینہ اور فرح کی طرح کسی کو پھانس کر اس سے شادی کر لے اور گھر بسا کر نئی زندگی بسر کرے۔

فلم انڈسٹری کی ایک معروف اداکارہ عالیہ ایک طوائف کی بیٹی ہے۔ ایک مرتبہ اس نے اپنی ماں سے اپنے باپ کے بارے میں دریافت کیا تو ماں نے وعدہ کیا کہ وہ کسی روز اسے اس کے باپ سے ملا دے گی۔ بعد ازاں ایک روز عالیہ کو اس کے سیاست دان باپ کے پاس لے گئی لیکن اس کے باپ نے عالیہ کو اپنی بیٹی تسلیم کرنے سے ہی انکار کر دیا اور کہا تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ عالیہ میری بیٹی ہے اگر کوئی نکاح نامہ ہے تو دکھاؤ۔ بہر حال عالیہ کا کہنا ہے کہ اگرچہ باپ نے مجھے اپنی بیٹی تسلیم نہیں کیا لیکن مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ میرا باپ بہت خوبصورت تھا۔

شمع نامی ایک فلم اسٹار بھی اس بازار سے ہے اور وہ بھٹو دور کے ایک صوبائی وزیر کی بیٹی ہے۔ اس سابق وزیر نے بڑی کوشش کی کہ اس کی بیٹی بازارِ حسن میں نہ بیٹھے مگر وہ ناکام رہا کیونکہ شمع کی ماں کا کہنا تھا کہ ہم اپنے رسم و رواج سے نہیں ہٹ سکتے۔ ہماری بیٹیاں یہی پیشہ کرتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح طوائفیں اپنے آشناؤں سے انتقام لیتی ہیں کہ خود ان کی بیٹیوں کو بازار کی جنس بنا دیتی ہیں۔ شمع کی ماں نے لاکھوں روپے وصول کر کے ایک امیر شخص سے اس کی ''نتھ کھلوائی'' اور اس کا باپ تلملاتا رہ گیا۔

اس بازار کی ایک لڑکی ''سحر'' لغاری خاندان کی ایک اہم سیاسی شخصیت کی بیٹی ہے۔ ''صبا'' بہت بڑے سیّد خاندان کی بیٹی ہے۔ ''شاہینہ'' پنڈی کے راجہ خاندان کی بیٹی ہے۔ یہ لڑکیاں چونکہ طوائف کے بطن سے پیدا ہوئیں اس لئے ان پر کبھی توجہ نہیں دی گئی۔ ان کے باپ نہ صرف انہیں بھول گئے بلکہ وہ انہیں اپنی بیٹی کی بجائے محض ایک گالی سمجھتے ہیں۔ کوئی شخص ان کی

بیٹیوں کا رقص دیکھے یا ان کی نتھ کھولے انہیں اس سے قطعاً کوئی سروکار نہیں۔ اس بارے میں اتنی سنسنی خیز معلومات موجود ہیں جنہیں جان کر لوگ لرز اٹھیں لیکن معاشرہ میں معزز شرفاء کو ننگا کرنا اور پھر خود کو بچانا ایک امر محال ہے۔

ان شرفاء میں ایسے ایسے حضرات شامل ہیں جو قوم کی تقدیر ہاتھوں میں لئے ہوئے ہیں لیکن ان کا کسی نہ کسی انداز میں طوائفوں سے تعلق بھی رہا ہے اور اب ان کی اولاد پیشہ بھی کرتی ہے۔ گویا یہ طوائفیں بڑے خاندانوں کی بیٹیاں اور بعض لوگوں کی بہنیں ہیں مگرتن یہ تقدیر بازارِ حسن میں کافی عرصہ رہائش پذیر رہی ہیں۔

حمیرا ارشد کا تعلق پانی والا تالاب سے تھا۔ اداکارہ ثناء ملتان سے آنے کے بعد کافی عرصہ تک اپنی بہن فرزانہ تھیبم کے پاس بازارِ حسن میں رہ چکی ہیں۔ لاہور میں کئی اداکارائیں اب بازارِ حسن سے ماڈل ٹاؤن، اقبال ٹاؤن، سبزہ زار، جوہر ٹاؤن اور دیگر علاقوں میں شفٹ ہوگئی ہیں۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ ماضی میں بھی فلمی دنیا سے تعلق رکھنے والی بعض بڑی اداکاراؤں کا تعلق بازارِ حسن سے رہا ہے، جن میں انجمن، نیلی اور صائمہ شامل ہیں۔ لاہور کے سب سے بدنام علاقے بازارِ حسن میں دھندہ کرنے والی عورتوں میں 75 فیصد کا تعلق لاہور سے نہیں بلکہ صرف 25 فیصد طوائفیں لاہور سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر عورتیں حیدر آباد، رحیم یار خاں، بہاولپور اور ملتان سے آکر لاہور میں دھندہ کرتی ہیں جبکہ بعض کا تعلق اوکاڑہ سے ہے۔

بازارِ حسن میں اس وقت تین بلاک ہیں جو کہ تین حصوں میں ہیں۔ اس میں 85 کوٹھے ہیں۔ جن علاقوں میں مجرا ہوتا ہے ان میں اونچا چیت رام روڈ سڑک بارود خانہ اور بازار ہیرامنڈی شامل ہیں جبکہ بازارِ حسن کے بلاک نمبر 2 میں جسم فروشی کا دھندہ ہوتا ہے۔ یہ دھندہ رات ایک بجے سے لے کر صبح سویرے تک جاری رہتا ہے۔ یہ علاقہ تھانہ ٹبی کے بالکل ساتھ ہے۔ جسم فروشی والے علاقوں میں صرف 300 روپے سے لے کر 500 روپے تک جسم فروشی ہوتی ہے۔ ان علاقوں کا نام کوچہ سبز پیر' گاڑی محلہ اور بازار شیخوپوریاں شامل ہیں۔ بازارِ حسن کا تیسرا بلاک محلہ سمیان ہے جہاں کی عورتوں کو سمنا کہتے ہیں۔ یہاں پر عورتوں کو باہر لے جانے کے لئے بکنگ کی جاتی ہے۔ یہ علاقہ بازارِ حسن کا معزز علاقہ کہلاتا ہے۔ بازارِ حسن میں مجرا کرنے والی طوائفوں کی زیادہ اکثریت کا تعلق حیدر آباد سے ہے اور ان کا مجرے کا ریٹ سب سے کم ہے جبکہ لاہور شہر کی طوائفوں کے ریٹ زیادہ اور ان کے گاہک مخصوص ہیں۔ لاہور میں یا لاہور سے باہر کوئی مجرے کا فنکشن ہو تو زیادہ تر اس مجرے میں حیدر آباد اور دیگر علاقوں کی طوائفیں جاتی ہیں۔ بازارِ حسن میں مجرا کرنے والی طوائفیں دورانِ مجرا اور اس وقت 11 بجے سے لے کر 1 بجے تک کسی قسم کی جسم فروشی کا دھندہ نہیں کرتیں صرف مجرا کرتی ہیں اور بعدازاں صرف اپنے عاشقوں کے ساتھ ''تعلق'' قائم کرتی ہیں۔ بازارِ حسن میں اس وقت مشہور ترین کوٹھیوں میں اداکارہ گوری کا موتی محل' سابق لیڈی کونسلر عشرت کا کوٹھا' فلم اسٹار ثمینہ خالد' اداکارہ مہوش سکندر حیدری' بوبی سلطان' چندا اور بندیا کا کوٹھا مشہور ہیں۔ ان کوٹھوں پر بیٹھنے والی طوائفوں کا دیدار عام تماش بین کر سکتا ہے مگر ان کا مجرا صرف مال دار تماش بین ہی دیکھتے ہیں۔ ان طوائفوں نے اپنے مخصوص اور خاص گاہک بنا رکھے ہیں۔

جسم فروشی کے اڈے

25 دسمبر 1995ء کو اسلام آباد پولیس نے فحاشی کے ایک اڈے پر چھاپہ مارا تو وہاں سے دو عورتیں اور دو مرد اور شراب کی دو بوتلیں برآمد ہوئیں۔ اس علاقہ کے لوگوں نے بتایا کہ اڈہ پر اکثر سرکاری افسران' سرکاری محکموں اور ایم این اے حضرات کی گاڑیاں آیا کرتی تھیں اس لئے لوگوں کو کبھی اس اڈہ کی نشاندہی کی جرأت نہیں ہوئی۔ اس اڈہ پر چھاپے کے نتیجے میں جو کردار سامنے آئے ان کی اپنی زندگی کی ایک کہانی ہے۔

ایک کردار سترہ سالہ خوبرو دوشیزہ ''نادیہ'' تھی جو اس لئے عصمت فروشی کا دھندہ کرتی رہی کہ اس کی معصوم بچی ''کائنات'' پیدا ہو چکی تھی۔ ہر صاحب اولاد کو نادیہ سے ہمدردی ہونی چاہئے لیکن اسے اپنی بچی کائنات کی خاطر دنیا و آخرت کی کائنات تباہ کرنے کا کوئی حق نہیں دیا جا سکتا۔ تصویر کا دوسرا رخ دیکھا جائے تو اس کے شوہر بابر نے ایک تاریک باب سے پردہ اٹھایا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ''نادیہ'' اس کی بیوی بن کر نہیں رہنا چاہتی کیونکہ وہ ایم این اے ہوسٹل میں ایک مخدوم صاحب کے چکر میں گرفتار ہے۔ وہ مخدوم صاحب کے بستر تک کیسے پہنچی یہ الگ داستان ہے۔

معلوم ہوا کہ پولیس نے بااثر افراد کی مداخلت پر اس فحاشی اور عیاشی کے الزام میں گرفتار تین مردوں اور دو خواتین کو جیل بھیج دیا تاکہ اخبار نویسوں اور اس ملک کے باشندوں کو مزید

مخدوموں یا مخدوم زادوں کا پتہ نہ چل سکے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بابر کے خیابانِ سرسید میں قائم ایک اڈے پر "آبرو" بیچنے والی ساحرہ سے تعلقات ہیں اور وہ اپنی محبوبہ سمیت غائب ہے۔ اب بابر بھی نادیہ کو اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتا لیکن نادیہ اور ساحرہ کو چلانے والیاں اپنے مفادات قربان نہیں کر سکتیں اس لئے وہ دونوں کی راہ میں حائل ہیں، دونوں اڈہ چلاتی ہیں، بابر بھی دلال ہے۔

اس طرح گذشتہ دنوں لاہور پولیس نے فحاشی کے اڈے پر چھاپہ مار کر کچھ خوبرو لڑکیوں کو گرفتار کیا تھا جو نسیم بائی نامی ایک عورت کے ایک اڈے پر بکتی تھیں۔ ان کے بارے میں بھی یہ اطلاع ملی کہ انہیں بااثر لوگوں کی سرپرستی حاصل ہے۔ ان کے گھر پر بھی "معززین"، "شرفاء" اراکین اسمبلی اور بیوروکریٹس کی آمدورفت رہتی تھی۔

اولاد پیدا کرنے کے لئے طوائف کا معیار

پیسے کے حصول کے لئے طوائفیں یوں تو بے شمار مردوں سے جسمانی تعلقات قائم کرتی ہیں لیکن انہیں جب بچہ پیدا کرنے کی خواہش ہوتی ہے تو اس مقصد کے لئے وہ خاص طور پر کسی خوبصورت، صحت منداور قدآور مرد کا انتخاب کر کے اس سے تعلقات قائم کرتی ہیں اور ایسے مرد کو اکثر اپنی گرہ سے اخراجات وغیرہ کے لئے پیسے بھی دیتی رہتی ہیں۔

وفاقی دارالحکومت اسلام آباد خصوصیت سے عصمت فروش عورتوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے اور یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ صرف اس ایک شہر میں عصمت فروشی کے سینکڑوں اڈے موجود ہیں۔ پولیس محض رسمی طور پر کبھی کبھار چھاپے مارتی ہے تو اس کا مقصد مالکان کو ڈرا دھمکا کر ان سے "منتھلی" وصول کرنا ہوتا ہے۔

ایک اطلاع کے مطابق وفاقی دارالحکومت میں سب سے زیادہ اثر ثریا نامی ایک نائکہ کا ہے جہاں تمام بڑے شہروں سے حسین ترین لڑکیاں اہم شخصیتوں کی خدمت کے لئے سپلائی ہوتی ہیں۔ چنانچہ نائیکہ یا لڑکیاں اگر کبھی پکڑی بھی جاتی ہیں تو اہم شخصیتوں کی سفارش پر چھوڑ دی جاتی ہیں۔

وفاقی دارالحکومت میں لڑکیاں ٹیلی فون پر بھی بک ہوتی ہیں۔ یہ آج کی کال گرلز ہیں جبکہ بعض ریسٹ ہاؤس بھی ان عصمت فروش عورتوں کی سرگرمیوں کی آماجگاہ ہیں۔ اسکولوں اور

کالجوں کی طالبات تک ان عصمت فروش لڑکیوں میں شامل ہیں۔ بہت سی عورتیں شام کو سج دھج کر بارونق اور ماڈرن علاقوں میں نکلتی ہیں اور گاہک تلاش کرتی ہیں۔ وہ بس اسٹاپوں سے تھوڑا ہٹ کر کھڑی ہوتی ہیں تاکہ کسی نے ان سے بات کرنا ہو تو کر سکے۔ کار سوار عیاش امرائے کرام انہیں لفٹ دے کر بھی لے جاتے ہیں۔ گاڑی کے اندر بیٹھ کر رقم کا فیصلہ بھی ہو جاتا ہے۔ یہ سلسلہ شام 5 بجے سے رات کے 8 سے 9 بجے تک تقریباً سب ہی بڑے شہروں میں چلتا ہے۔

لاہور اسٹیشن، شملہ پہاڑی کے گردونواح، مال روڈ اور گلبرگ کے بہت سے ہوٹلوں میں نہ صرف عصمت فروش عورتیں دستیاب ہو جاتی ہیں بلکہ وہاں پر بلیو پرنٹ بھی مل جاتے ہیں اور کوئی گاہک چاہے تو بلیو پرنٹ یا کسی لڑکی کو خود لے کر ان ہوٹلوں میں ''تفریح'' کر سکتا ہے۔

لاہور کی اہم شاہراؤں جیل روڈ، فیروز پور روڈ، مال روڈ، چوبرجی، نیلا گنبد، لبرٹی مارکیٹ گلبرگ، برکت مارکیٹ، گارڈن ٹاؤن، مون مارکیٹ علامہ اقبال ٹاؤن، ریلوے اسٹیشن اور دوسرے بارونق علاقوں میں جسم فروش لڑکیاں اور عورتیں اپنے گاہکوں کی تلاش میں گھومتی پھرتی نظر آتی ہیں۔

بلیو فلمیں ہماری ذہنی پستی کی وجہ ہیں

27 اپریل 1998ء لڑکیوں کو بے آبرو کرنے اور بلیک میل کرنے والا وی سی آر ہاؤس کا مالک خرم جرال رنگے ہاتھوں گرفتار کر لیا گیا۔ پیپلز پارٹی ضلع میرپور کی صدر انجم بی جرال کا سگا بھائی خرم جرال عرصہ دراز سے بڑے پیمانے پر بلیو فلموں کا کاروبار کر رہا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ انتظامیہ کے اعلیٰ افسران کو بھی فلمیں سپلائی کرتا تھا اس لئے اسے کوئی گرفتار نہیں کر سکتا۔ پرزور عوامی شکایات کے پیش نظر ایس پی صابر حسین کی خصوصی ہدایات پر تھانہ تھوتھال کے ایس ایچ او راجہ عرفان سلیم اور اے ایس آئی محمد شبیر نے پولیس نفری کے ہمراہ کامیاب چھاپہ مار کر اسے گرفتار کر لیا اور اس کے قبضہ سے فحش فلمیں برآمد کر لیں۔

یہ فلمیں مختلف شریف گھرانوں سے تعلق رکھنے والی بے راہ روی کا شکار کم عمر لڑکیوں کی بنائی گئی تھیں۔ ملزم نے دورانِ تفتیش کئی انکشافات بھی کئے ہیں۔ پولیس نے چند اہم دستاویزات بھی برآمد کر لیں۔ معلوم ہوا ہے کہ فیصل آباد نرس کیس کے منظر عام پر آنے کے بعد خرم جرال نے غازی الٰہی بخش گورنمنٹ کالج میرپور کی ایک طالبہ کو بلیک میل کیا۔ اس کی عریاں فلم بنا کر اس کے ذریعہ دیگر شریف خاندانوں کی بچیوں کو بھی اپنی ہوس کا نشانہ بنایا مگر لوگ اپنی عزت چھپانے کے لئے اس مکروہ راز پر پردہ ڈالتے رہے اور اس بات کا ناجائز فائدہ اٹھا کر خرم جرال نجی محفلوں میں کہتا ہوا پایا گیا کہ میں ''پرنس'' ہوں اور میرپور کی شہزادیاں مجھ پر مرتی ہیں۔

ملزم نے کئی خاندانوں کی عزتوں کے چراغ گل کیے۔ اس نے کچھ عرصہ پہلے میر پور کے ایک انتہائی بااثر خاندان کی بیٹی کو ورغلا کر اپنے دامِ محبت میں گرفتار کیا اور اس سے نکاح کا ناٹک رچایا۔ لڑکی کے گھر والوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے رازداری سے ایدھی ویلفیئر کے میر پور میں موجود ذمہ داروں اور بعض وکلاء سے رابطہ کیا جن کی مخلصانہ کوششوں کے نتیجہ میں طلاق حاصل کی گئی مگر بھیڑیا صفت خرم اس پر بھی باز نہ آیا اور اس نے شریف خاندان کی مجبوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں بلیک میل کرنا شروع کر دیا۔

مذکورہ لڑکی نے بتایا کہ میں اس ذلیل شخص کی فریب کاری کو محبت سمجھ کر اس کے جال میں پھنس گئی اور نکاح کر لیا مگر قریب ہونے کے بعد مجھ پر یہ راز کھلا کہ جو شخص اپنی بہنوں سے اس قدر "فری" ہے وہ میرے ساتھ کیسا سلوک کرے گا؟ اس نے بتایا کہ وہ مجھ سے بعد میں دھندا کرانے کا سوچ رہا تھا اس لئے میں نے اس کے جال سے نکلنے کا فیصلہ کیا۔

خرم جرال کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ جعلی کیپٹن بن کر بعض شریف لڑکیوں کو فون پر تنگ بھی کرتا رہا اور اس سلسلہ میں کچھ عرصہ قبل ایک بااثر شخص نے اسے دوستوں کے ہمراہ اس کی چھترول بھی کی تھی۔

پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

طوائفوں کا مؤقف ہے کہ پیپلز پارٹی کے دورِ حکومت میں انہیں کاروبار کرنے کی آزادی نہیں تھی لیکن نواز شریف حکومت کے بدلے انہیں کاروبار کرنے کی آزادی ملی۔ طوائفوں کا کہنا تھا کہ الیکشن میں جیتنے کے بعد مسلم لیگ کے ممبر قومی اسمبلی میاں شہباز شریف نے ان کے علاقے میں زبردست ترقیاتی کام کروائے اور مسلم لیگ کی حکومت نے ہمیں کاروبار کا تحفظ دیا۔ اس سے پہلے اس علاقے میں غنڈہ گردی ہوئی اور پولیس انہیں بڑا تنگ کرتی اس لئے ہم مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے۔

ان خیالات کا اظہار زمرد بیگم نامی ایک طوائف نے مسلم لیگ کے قومی اسمبلی کے امیدوار شہباز شریف کے انتخابی مہم کے دورہ کے دوران جلسہ سے خطاب کے دوران کیا۔ مسلم لیگ (ن) کے امیدوار شہباز شریف نے حلقہ این اے 96 میں انتخابی مہم کے دوران بازارِ حسن میں دورے کا وقت رات 2 بجے مقرر کر رکھا تھا اور جب وہ معمول کے مطابق رات 2 بجے کے بعد بازارِ حسن پہنچے تو طوائفیں ان کا بھرپور استقبال کرتیں۔ اس موقع پر شہباز شریف نے طوائفوں کو یقین دلایا کہ مسلم لیگ برسرِ اقتدار آ کر بازارِ حسن کے مکینوں کے حقوق کا تحفظ اور مسائل حل کرے گی۔

میاں شہباز شریف نے اپنے استقبال پر طوائفوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ انہیں

امید ہے کہ اس علاقہ کے لوگ اس مرتبہ بھی انہیں کامیاب کرانے میں اہم کردار ادا کریں گے جبکہ وہ یہاں کی رہائشی خواتین کے تعاون کے بغیر این اے 96 کی نشست نہیں جیت سکتے۔ قبل ازیں جب شہباز شریف علاقے کے معززین حاجی حنیف، ملک امجد اور چودھری ستار وغیرہ کے ہمراہ بازارِ حسن پہنچے تو طوائفوں نے ان کا استقبال کیا۔ ان سے لپٹ گئیں اور بوسے لئے۔ اس تمام منظر کو مقامی اخبار کے فوٹوگرافرز نے کیمرے کی آنکھ سے محفوظ کرنے کی کوشش کی تو مسلم لیگ کے چند متوالے مشتعل ہو گئے اور فوٹوگرافر سے کیمرہ چھین کر فلم ضائع کر دی۔

میاں شہباز شریف نے انتخابی مہم کے سلسلے میں جب اگلے روز دوبارہ پہنچے تو ان کا پہلے سے بھی بڑھ کر استقبال کیا گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے شادی یا میلے کا سماں ہو۔ ان کا استقبال کرنے کے لئے اس بازار کے حسین وجمیل چہرے کھڑکیوں سے جھانک رہے تھے اور کچھ ظالم حسینائیں سڑک پر ڈانس کر رہی تھیں۔ ایک طرف لڑکیاں ڈانس کر رہی تھیں تو دوسری طرف خوبصورت گھوڑے قطار اندر قطار ڈانس کر رہے تھے۔

عینی شاہدوں کے مطابق جب میاں شرافت کی جھنڈی لہراتے بازارِ حسن کے علاقے میں داخل ہوئے تو بازارِ حسن کے خوبصورت "مال" نے نعرے لگا کر ان کی حمایت کا اعلان کیا اور گھروں کی کھڑکیوں سے میاں صاحب پر روپوں کی بارش کی۔ اس ضمن میں ایک اخبار نے ایک تصویر بھی شائع کی جس میں دو تین حسینائیں کھڑکی میں کھڑی میاں شہباز شریف پر دولت کی بارش کرتی ہوئی صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ ایسے لگتا تھا کہ میاں صاحب کے طوائفوں کے علاقے میں تشریف لاتے ہی ہر طرف طوائف الملوکی چھا گئی۔ ان کی کھلی گاڑی میں انکل مشاہد حسین بھی نظر آ رہے تھے اور یوں لگتا تھا جیسے وہ شرما رہے تھے کیونکہ اخباری تصویر میں ان کی نظریں جھکی ہوئی تھیں جبکہ میاں شہباز شریف سینہ تانے کسی فاتح جرنیل کی مانند کھڑے تھے۔ نہ جانے مشاہد حسین کیوں شرما رہے تھے؟ کیونکہ اول تو میڈیا منیجر شرماتا نہیں، مخالفین کو ڈراتا اور دھمکاتا ہے۔ دوم یہ

وہی محلہ ہے جس کا ذکر مذکورہ تصویر کی اشاعت کے ایک روز قبل سیتا وائٹ نے اپنے بیان میں کیا تھا اور کہا تھا کہ جب عمران خان اسے سیر کے لئے مری لے کر گئے تو ان کے ساتھ ان کے جگری دوست یوسف صلاح الدین بھی تھے جو اپنے ساتھ ہیرا منڈی سے "گڈی" نامی کال گرل کو لائے تھے۔

مشاہد حسین کے گھبرانے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ انہیں شاید گڈی نظر آ گئی ہو ویسے ان کی تصویر سے یوں تاثر ملتا تھا جیسے وہ کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہوں۔ بہرحال ہمارا خیال ہے کہ میاں شہباز شریف نے مشاہد حسین کو ساتھ لے جا کر غلطی کی کہ وہ شرماتے ہی رہے۔ اگر وہ نذیر ناجی کو ساتھ لے جاتے تو میاں صاحب کی ہیرا منڈی کی خوبصورت ووٹریں ناجی صاحب کو دیکھ کر شرماتیں کہ یہ کہاں کھڑے ہیں؟

بازارِ حسن سے اقتدار کے ایوانوں تک

دلال ''ننھا'' کے انکشافات

کراچی پولیس اور عورتوں کا سرکردہ دلال ''ننھا'' ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں کیونکہ ننھا اور اس کے گروپ میں شامل نائکہ پولیس کو یہ مکروہ کاروبار منظم انداز میں چلانے کے لئے نہ صرف بھاری رشوت دیتے ہیں بلکہ بوقت ضرورت اعلیٰ پولیس افسران اور ان کے دوست احباب کی جنسی خواہشات کی تکمیل کے لئے لڑکیاں بھی فراہم کرتے ہیں۔

دلال ''ننھا'' کی خدمات سے استفادہ کرنے والوں میں پولیس افسران کے علاوہ سرکردہ سیاستدان، کھلاڑی، اسٹیبلشمنٹ کے اعلیٰ افسران کے علاوہ ایوانِ اقتدار کی غلام گردشوں میں گھومنے والی بعض اہم شخصیات بھی شامل ہیں کیونکہ عورتوں کی اعلیٰ سطح تک فراہمی کا دھندہ ہر دورِ حکومت میں جاری رہا ہے صرف اس کا طریقہ کار اور اس سے استفادہ کرنے والوں کی فہرست تبدیل ہوجاتی ہے۔

سرکاری سطح پر عورتوں کی دلالی کے ذریعے ایوانِ اقتدار تک رسائی حاصل کرنے اور

فوائد سمیٹنے کا کام 70 کی دہائی میں جنرل یحییٰ خان کے دورِ حکومت میں عروج پر رہا۔ سقوطِ ڈھاکہ کے وقت بھی اس وقت کے حکمران شراب وشباب کی محفلوں میں گم تھے۔ ان تمام باتوں کو تقویت حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ کے ان حصوں میں ملتی ہے جس میں ایوانِ صدر آنے والی ان سرکردہ خواتین کے نام ہیں جو صدر یحییٰ خان کا دل بہلانے کے لئے رات دن کی تمیز کے بغیر ایوانِ صدر آیا کرتی تھیں۔ اس خدمت کے عوض جنرل یحییٰ خان کا دل بہلانے والی ان نمایاں خواتین اور ان کے شوہروں کو ملنے والے فوائد اب کھلی کتاب کی طرح ہیں۔ اس دور میں بھی جنرل یحییٰ خان سمیت بااثر شخصیات کی خواہشات کی تکمیل اور نمایاں خواتین سے رابطوں کے لئے ''ننھا'' جیسا کوئی نہ کوئی دلال خدمت کے لئے ضرور موجود ہوگا کیونکہ پاکستانی سیاست، اسٹیبلشمنٹ کے افسران کی ''مخصوص خدمات'' انجام دینے کے لئے ''ننھا'' دلال ایسا کردار بن چکا ہے جس کا صرف چہرہ تبدیل ہوتا ہے۔

ملک بھر میں فحاشی کے اڈے چلانے والی یا تو عمر رسیدہ طوائفیں ہیں یا پھر بازارِ حسن کے ماحول میں پرورش پانے والے وہ نوجوان جو کم عمری میں کسی طوائف زادی کے مخصوص خادم کی حیثیت سے خدمت انجام دینے کے بعد اپنا ''دھندہ'' کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔ ویسے بھی 70 اور 80 کی دہائی میں نہایت سرگرم اور اعلیٰ پیمانے پر کراچی، لاہور اور اسلام آباد کے فیشن ایبل علاقوں میں قحبہ چلانے والی عمر رسیدہ طوائفوں کی دوسری بلکہ تیسری پشت اب بازار میں دھندہ کررہی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہ خوبصورت کم عمر طوائف زادیاں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد پرانی طوائفوں سے مختلف نظر آتی ہیں۔ بعض پرانی طوائفیں اپنی ڈھلتی عمر کے ساتھ نائکہ کے روپ میں قحبہ خانے چلا رہی ہیں یا پھر اپنی بیٹیوں کی شادی بھاری معاوضوں کے عوض کسی وڈیرے، سیاستدان یا بااختیار بیوروکریٹ سے کرکے مزے کی زندگی گزار رہی ہیں۔ یوں بازارِ حسن میں ''بائی'' کہلانے والی نائکہ فیشن ایبل معاشرے میں میڈم یا آنٹی کہلاتی ہیں۔

بوڑھی طوائفوں کی تعلیم یافتہ بیٹیوں کا خاص ہدف دولت مند گھرانوں کے عیاش طبع نوجوان ہوتے ہیں جنہیں وہ اپنے ناز و انداز سے زلفوں کا اسیر بنا لیتی ہیں۔ بعض دولت مند جذباتی نوجوان خاندان سے جھگڑا مول لے کر ان طوائف زادیوں سے شادی کر لیتے ہیں مگر یہ شادیاں پائیدار ثابت نہیں ہوتیں۔ علیحدگی کے بعد طوائف زادیاں کسی دلال کی مدد سے فحاشی کا اڈہ قائم کر کے بعض ضرورت مند اور بعض شوقین لڑکیوں کو عصمت فروشی کے دھندے پر لگا دیتی ہیں۔

70 کی دہائی میں قحبہ خانوں اور طوائفوں کا کاروبار شہر کے مخصوص علاقوں تک محدود تھا مگر جنرل ضیاء الحق کی جانب سے 1977ء میں برسر اقتدار آنے کے بعد سخت قوانین کے اطلاق کے بعد طوائفوں اور مجرا کرنے والیوں نے مخصوص علاقوں میں اپنی حیثیت کے مطابق کراچی، لاہور اور اسلام آباد کے رہائشی علاقوں میں سکونت اختیار کر لی۔ یوں یہ کام منظم انداز میں ہونے لگا۔ بیوٹی پارلر، بوتیک، گیسٹ ہاؤسز، اسٹیٹ ایجنسیاں اور بڑے بڑے ہوٹل ان پیشہ ور طوائفوں کے مرکز بن گئے کیونکہ انہیں ہر جگہ پولیس اور بیوروکریسی کی مکمل حمایت اور تائید حاصل تھی۔

80 کی دہائی میں سرکردہ سیاست دانوں کی جانب سے اعلیٰ سرکاری افسران کے اعزاز میں منعقد کی جانے والی ناچ گانے کی محفلوں اور مجروں میں پڑھی لکھی خوبصورت طوائفیں مجرے کے لئے آنے لگیں جنہیں بااثر افراد کو بھاری معاوضوں کے عوض ان کی جنسی خواہشات کی تکمیل کے لئے پیش کیا جاتا۔ ان خوبرو اور خوبصورت طوائفوں کو اگر مجرے کے مخصوص لباس کے علاوہ عام زندگی میں دیکھا جائے تو یقین نہیں آئے گا کہ وہ کوئی طوائف ہے۔ اسی وجہ سے دلالوں نے اس قسم کی لڑکیوں کا معاوضہ 50 ہزار سے ایک لاکھ روپے تک مقرر کر رکھا ہے۔ نظروں میں آنے والی طوائف زادی کی حفاظت پر بھی دلالوں کا مخصوص گروہ مامور ہوتا ہے۔

کراچی میں بڑے پیمانے پر ''عورتوں کی دلالی'' کا سکینڈل اس وقت منظر عام پر آیا

جب اسلام آباد سے آنے والے ایک اعلیٰ آفیسر کا سروس کارڈ اور کریڈٹ کارڈ عیش کے لئے آنے والی ایک لڑکی اس آفیسر کی جنسی خواہش کے بعد اپنے ساتھ لے گئی۔ سروس کارڈ کی اہمیت کے پیش نظر بعض اداروں نے لڑکی فراہم کرنے والے دلال کی تلاش شروع کی۔ شہر کے کئی چھوٹے بڑے دلالوں سے پوچھ گچھ کی گئی تو دلال ''ننھا'' کا نام سامنے آیا۔

سرکاری ادارے نے ننھے کو طلب کیا تو اس نے بالآخر سرکاری آفیسر کا سروس کارڈ منگوا کر دے دیا مگر ساتھ ہی اس نے اس ادارے کے افسران کے سامنے سول، ملٹری، بیوروکریسی، پولیس افسران اور بعض سرکردہ سیاستدانوں کے بارے میں نہایت سنسنی خیز انکشافات کئے۔ ننھے نے بتایا کہ کراچی پولیس کے کئی افسران نہ صرف اس سے فحاشی کے اڈے چلانے کا معقول بھتہ وصول کرتے ہیں بلکہ وہ اپنی جنسی خواہشات کی تکمیل کے لئے لڑکیاں بھی طلب کرتے ہیں۔

ننھا نے بتایا کہ وہ کلفٹن اور ڈیفنس، درخشاں اور بوٹ بیسن تھانے کے ہر ایس ایچ او، ڈی ایس پی، ایس پی سمیت دیگر افسران کو منہ مانگی رقم دیتا ہے کیونکہ پولیس کو رشوت نہ دے کر وہ سکون سے کام نہیں کر سکتا۔

ننھا نے بتایا کہ کئی اہم بیوروکریٹ اور سیاستدان بلاواسطہ اس کے واقف ہیں۔ عورت کے دھندے میں ملوث کراچی پولیس کے بعض افسران کے بارے میں ننھا نے بتایا کہ فیشن ایبل علاقوں میں تعینات رہنے والا ہر آفیسر اس کے پے رول پر رہا ہے۔ ننھے نے بتایا کہ پرل کانٹی نینٹل، شیرٹن ہوٹل اور ڈیفنس سوسائٹی میں واقع کارٹن ہوٹل کی انتظامیہ کے کہنے پر وہ خاص مہمانوں کے لئے لڑکیاں ان ہوٹلوں میں بھی بھجواتا ہے۔

ننھے نے بتایا کہ پرل کانٹی نینٹل ہوٹل کا ایک منیجر پولیس، ایف آئی اے سمیت اسلام آباد سے آنے والے اعلیٰ سرکاری افسران کی خدمت کے لئے اس کی خدمات حاصل کرتا ہے۔ ننھا نے بتایا کہ لڑکیوں کی دلالی میں اس کی مالی معاونت انکل عیسیٰ خان کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس

کا کافی مقروض ہے۔

عیسیٰ خان کا مقروض ہونے کی وجہ بتاتے ہوئے ننھا نے کہا کہ اس کی لڑکیوں کی دبئی میں بھی مانگ ہے جس کی وجہ سے وہ اے کلاس کی لڑکیوں کو گروپ کی صورت میں دبئی بھی لے جاتا ہے۔ اس نے اے کلاس کی وضاحت کرتے ہوئے ان کے ریٹ 20 سے 25 ہزار بی کلاس 10 سے 15 ہزار اور سی کلاس لڑکی کا معاوضہ 3 سے 5 ہزار روپے بتایا۔

ننھا نے کہا کہ اس نے لڑکیاں مطلوبہ مقام تک پہنچانے کے لئے گاڑیاں اور لڑکی کے ساتھ جانے کے لئے معقول معاوضے پر لڑکے رکھے ہوئے ہیں جو لڑکی کو مطلوبہ مقام پر اتار کر معاوضہ پیشگی وصول کر کے ننھا کو پہنچا دیتے ہیں۔

ننھا نے بتایا کہ ایک مرتبہ جب وہ لڑکیاں لے کر دبئی جا رہا تھا تو ایف آئی اے کے ایک آفیسر نے اسے ائیرپورٹ پر روک لیا مگر بعد میں ایک کرنل کی سفارش پر اسے جانے کی اجازت دے دی گئی۔

ننھا نے انکشاف کیا کہ اس کے اڈے پر ڈیفنس اور کلفٹن کے فیشن ایبل گھرانوں کی لڑکیاں بطور ایڈونچر بھی اس دھندے میں ملوث ہیں۔

ننھا کی اس بات میں صداقت یوں بھی محسوس ہوتی ہے کہ ڈیفنس سوسائٹی میں ایک سینئر بیوروکریٹ کی بیٹی اکثر شام کو اپنی گاڑی میں سڑکوں پر گھومتی رہتی ہے اور کسی بھی نوجوان کو گاڑی میں لفٹ دے کر اپنے ساتھ لے جاتی ہے۔ یہ لڑکی شراب پی کر کئی مرتبہ زمزمہ اسٹریٹ اور بوٹ بیسن پر غل غپاڑہ کر چکی ہے۔

نگینہ خانم، وفاقی وزراء سے طوائفوں کا سودا کرتی تھی

21 اپریل 1996ء کو نگینہ خانم ایک سیاسی کارکن کو ایس پی کینٹ کے سٹاف آفیسر احمد سلیم نے رستم پارک گلشن راوی میں چھاپہ مار کر 10 مرد و خواتین سمیت برہنہ حالت میں گرفتار کر لیا اور ان کے خلاف حدود آرڈیننس کے تحت مقدمہ درج کر کے تھانہ سول لائنز کی حوالات میں بند کر دیا۔ سٹاف آفیسر احمد سلیم نے بتایا کہ اسے اطلاع ملی کہ ارشد امین چودھری کے قتل کیس کا مرکزی ملزم عامر بٹ جو کہ مفرور ہے نگینہ خانم کے ڈیرے پر موجود ہے۔ اس اطلاع پر چھاپہ مارا گیا تو وہاں عامر بٹ تو موجود نہیں تھا تاہم نگینہ خانم، رینا، راحیلہ، نادیہ، کرن، حاجی سیف الدین، سرور خان، عبدالستار اور مشک خان کے ساتھ برہنہ حالت میں موجود تھیں۔

نگینہ خانم کے خلاف بدکاری، فحاشی یا حدود کا یہ پہلا مقدمہ نہیں بلکہ اس سے دو سال قبل ڈی ایس پی طاہر عالم نے بھی ایسے ہی الزامات کے تحت گرفتار کیا تھا۔ 1980ء میں بھی نگینہ خانم اور اس کے شوہر کے خلاف مقدمہ درج ہوا تھا اور اس وقت ان کے ڈیرے سے شراب کی بوتلیں

اور لڑکیاں برآمد ہوئی تھیں۔

نگینہ خانم........... فلم اسٹوڈیوز اور شرافت کی سیاست کا ایک ایسا نام ہے جسے ہر بااثر اور شوق رکھنے والا جانتا ہے۔ ماضی میں بھی اسے کئی بار گرفتار کیا گیا لیکن وہ سزا دینے کا اختیار رکھنے والوں کو شیشے کے اندر اتارنے میں کامیاب رہی۔ لاہور میں یکے بعد دیگرے ماڈل گرلز کے قتل میں اس کا نام سامنے آتا رہا لیکن وہ اپنے قیمتی "ہیروں" کو پولیس آفیسروں کی خدمت پر لگا کر صاف بچ جاتی رہی۔ وہ فلموں میں مسلسل جسم فروشی کے بعد ایکسٹرا گرل کے طور پر آئی تھی اور پھر اس نے ایک ایسا اڈہ چلایا کہ لاکھوں میں کھیلنے لگی۔

نگینہ خانم نے ابتداء میں خود جسم کی نمائش کی تھی اور سنگین تجربات سے گزر چکی تھی اس لئے وہ عورت کے جذبات کا راز پا چکی تھی۔ اسے یہ بھی اندازہ تھا کہ فلم کے شوق میں گھروں سے بھاگ کر آنے والی لڑکیوں کو سکرین کی بجائے دوسروں کے بستر کی زینت کیسے بنایا جا سکتا ہے؟ ایسی ہی لڑکیوں کی مجبوریوں کے ساتھ کھیلتے کھیلتے وہ ایک کار اور کوٹھی کی مالک بن گئی۔

نگینہ خانم سیاست کی آڑ میں اڈہ چلایا کرتی تھی۔ وہ شرافت کی سیاست کرنے والی ایک جماعت کے پرائمری یونٹ کی سربراہ تھی۔ مسلم لیگ کے عہدِ اقتدار میں وفاقی وزراء تک ان کی رسائی تھی جو ان کے اڈے پر حاضری دینا عین عبادت سمجھتے تھے۔

نگینہ خانم نے سرحد اور بلوچستان کے کئی وفاقی وزراء اور صوبائی سیاستدانوں کے ساتھ بھی تعلقات استوار کر رکھے تھے۔ یہ وزراء بھی ان کے گھر کی زیارت کرتے پائے گئے۔ نگینہ خانم کے مکروہ دھندے کے ایک پہلو کا انکشاف اس وقت ہوا جب پولیس نے ایک خوبرو حسینہ کو کار چوروں کے ایک گروہ کے ساتھ رنگ رلیاں مناتے ہوئے گرفتار کر لیا۔ اس خوبرو لڑکی نے پولیس کو بتایا کہ نگینہ نے اس کی قیمت 10 ہزار روپے میری ماں کو ادا کر رکھی ہے۔ میری ماں ایک مجبور عورت تھی نگینہ نے پہلی ہی نظر میں تاڑ لیا کہ وہ ہمارے خاندان کی مجبوریوں سے فائدہ

اٹھا سکتی ہے۔ نگینہ نے میری ماں کو 10 ہزار روپے دیئے تاکہ ہم سود پر حاصل کیا گیا قرض ادا کر سکیں۔

میری مقروض ماں نے اس سود خود پٹھان کا قرض تو ادا کر دیا لیکن نگینہ خانم نے میری ماں سے جو تحریر لکھوائی اس کے نتیجہ میں اس نے مجھے گروی رکھ لیا۔ اب میں ہر رات کے 10 ہزار روپے لیتی ہوں۔ اپنی عزت بیچ کر ایک عرصہ سے مال نگینہ خانم کو تھما دیتی ہوں لیکن 10 ہزار روپے کا قرض ابھی تک نہیں اترا اور اب وہ سود ملا کر کئی لاکھ روپے ہو چکا ہے۔ اس لڑکی کی رہائی کے لئے نگینہ خانم نے 15 ہزار روپے پولیس کو دیئے اور اسے رہا کرا کر لے گئی۔

نواں کوٹ پولیس اسٹیشن کے اہلکار بتاتے ہیں کہ ہم نے آج تک ایسی خوبرو حسینہ نہیں دیکھی لیکن وہ نہیں جانتے کہ اس حسینہ کی مجبوریاں کیا ہیں؟ اور نگینہ خانم نے اپنے انتقام کی بھٹی میں اس جیسی کتنی حسیناؤں کو ڈال رکھا ہے؟ نگینہ خانم کے اسمگلروں کے ساتھ خصوصی تعلقات ہیں۔ وہ اپنا مال لاہور کے اعلیٰ ہوٹلوں میں بھی سپلائی کرتی ہے۔ اس نے ایک رسالہ بھی شروع کر رکھا ہے۔ اپنے نام کی رسوائی کے باعث وہ اس رسالے پر بیگم رب نواز خان کے حوالے سے اپنا نام بطور چیف ایڈیٹر شائع کرتی ہے۔

نگینہ خانم کے گھر کے بھیدی بتاتے ہیں کہ وہ اپنے گھر میں جن سیاست دانوں کو "شراب، شباب اور کباب" مہیا کرتی ہے اس کی ویڈیو فلم بھی بناتی ہے۔ یہ ویڈیو فلمیں ان سیاست دانوں کو بدنام کرنے کے کام بھی آ سکتی ہیں اور بلیک میلنگ کے ہتھیار کے طور پر بھی استعمال ہو سکتی ہیں۔ ایسے بلیو پرنٹ وہ ان لڑکیوں کو بھی دکھاتی ہے جو اس کے اڈے کی رونق ہوتی ہیں۔

نگینہ خانم نے خوبرو لڑکیوں کو اپنے جال میں گرفتار کرنے کے لئے ایک آرٹ اکیڈمی بھی کھول رکھی ہے۔ عیش و نشاط کے لمحات کو رنگین اور سنگین بنانے کی تربیت یہاں دی جاتی ہے۔

نگینہ خانم نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ خدمت خلق کرتی ہے۔ایسی لڑکیوں کو جو ''ٹکے ٹوکری'' بنی پھرتی ہیں وہ ہزاروں کا مال بنا دیتی ہے۔ان جسم فروش لڑکیوں کو احترام دلواتی ہوں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں سے تحفظ بھی۔ ان لڑکیوں اور ان کے جسم سے کھیلنے والوں کو مجھ سے ''عقیدت'' ہے۔کئی صحافی بھی مجھ سے اپنی من پسند غذا حاصل کرتے ہیں لیکن بعض صحافی نہ جانے کیوں میرے دشمن بن گئے ہیں اور وہ میرے سماجی جام کی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں۔

نگینہ خانم کی واردات کے کئی طریقے ہیں۔اس نے اپنے کاروبار کو چلانے کے لئے ایک پرائیوٹ تعلیمی ادارے کی مالک خاتون کی خدمات بھی حاصل کر رکھی ہیں۔اس پرائیوٹ تعلیمی ادارے میں صرف ان تعلیم یافتہ حسیناؤں کو ملازمت ملتی ہے جو دن میں تدریس کے فرائض ادا کرنے کے ساتھ ساتھ رات کے اندھیروں میں اپنے حسن کی شمع روشن رکھنے کے لئے تیار ہوں۔صوبائی اسمبلی کے ایک سابق رکن بھی نگینہ خانم کی ''مہربانیوں'' تلے دبے ہوئے ہیں۔مسلم لیگ کے ایک گروپ کے عہدیدار شیخ بشیر احمد بھی اس کے مستقل گاہک ہیں اور نگینہ خانم کو ہر قسم کا تحفظ فراہم کرتے ہیں۔

نگینہ خانم نے جو فلم شروع کر رکھی ہے اس میں ابھی تک کوئی قابل ذکر ہیروئن یا اداکارہ شامل نہیں کی گئی جبکہ بہت سی نامور اداکارائیں اس کے ذریعے اعلیٰ سرکاری افسروں اور سیاست دانوں تک پہنچتی ہیں۔نگینہ نے پولیس کے کئی افسران کو بھی بیٹا بنا کر رکھا ہوا ہے۔وہ ہر سال ''ایوارڈ'' تقسیم کرنے کی ایک تقریب منعقد کرتی رہی ہے جس میں خوبرو کال گرلز کے علاوہ ایسے لوگوں کو بھی ایوارڈ دیئے جاتے ہیں جو جسم فروشی کے دھندہ میں اس کی سرپرستی کرتے ہیں۔

نگینہ خانم کے 1977ء اور پھر 1983ء میں جسم فروشی اور شراب نوشی کے کئی مقدمات میں چالان ہو چکے ہیں لیکن اسے آج تک کبھی سزا نہیں ہوئی۔کئی مردوں کے علاوہ سیاست دان عورتیں بھی اس کی سرپرست ہیں جن میں تہمینہ دولتانہ' بیگم امینہ غنی گھمن اور بیگم سردار

خادم حسین قابل ذکر ہیں۔اسلام آباد میں ''سپلائی'' کی جانے والی عام سی لڑکی دس ہزار مانگ لیتی ہے خوبرو لڑکیوں کی قیمت 50 ہزار روپے تک ملتی ہے جبکہ خصوصی شہرت رکھنے والی لڑکیوں کی قیمت زیادہ ہوتی ہے۔نگینہ خانم' بابرہ شریف سے لے کر کال گرلز تک کی سرپرست ہے اور اپنے ہر گاہک کی خواہش کی تکمیل میں ثانی نہیں رکھتی۔

نگینہ خانم نے علامہ اقبال ٹاؤن' ماڈل ٹاؤن لاہور میں کئی کوٹھیاں اور وفاقی دارالحکومت میں گیسٹ ہاؤسز کے کئی کمرے مستقلاً کرائے پر لے رکھے ہیں جہاں وہ اپنے گاہکوں اور لڑکیوں کو مکمل تحفظ فراہم کرتی ہے۔اپنے ماہنامہ جریدہ ''عنبر'' میں وہ اپنی ایک زیر تکمیل فلم میں نئے چہروں کو متعارف کروانے کا ڈھنڈورہ بھی پیٹتی ہے۔اس فلم کی آڑ میں وہ مجبور لڑکیوں کو کیمرے کے آگے ننگا کر دیتی ہے۔کیمرے کی آنکھ میں کئی سیاست دانوں کے چہرے بھی محفوظ ہیں۔

ایک مرتبہ پولیس نے اس کے گھر سے ''بلیو پرنٹ'' برآمد بھی کر لئے تھے جن میں ایک سابق وزیر اور ایک رکن صوبائی اسمبلی کا چہرہ بھی تھا۔پولیس نے بااثر لوگوں کی مداخلت اور ذاتی لالچ کے باعث سیاست دانوں کے ''بلیو پرنٹ'' تو چھپا لئے لیکن یہ پرنٹ بعض خفیہ ایجنسیوں کے ریکارڈ میں آج تک محفوظ ہیں۔

نگینہ خانم اپنے دھندے کو بچانے کے لئے کئی طریقے اپناتی ہے۔اس کا طریقہ واردات گھناؤنا ہے لیکن اس معاشرے میں کامیابی سے یہ واردات جاری ہے جس میں سب لوگ حقائق کو سکینڈل کہتے ہیں۔لاہور میں بہت سی تنظیمیں ایوارڈ تقسیم کرنے کا ''شوق'' رکھتی ہیں۔ایسی تنظیموں کے مرکزی ''کردار'' دراصل سپلائر ہوتے ہیں۔نگینہ خانم ''ایوارڈ'' دینے والوں کی سرپرستی کرتی ہے۔

نگینہ خانم جسم فروشی کا دھندہ کرنے والی لڑکیوں کو ایسی تقاریب میں وزیروں' کبیروں

سے ایوارڈ دلواتی ہے۔ تصویریں بنوا کر جسم فروش لڑکیاں ان کے ساتھ اپنے تعلقات ظاہر کرتی ہیں۔ یہ تصاویر پولیس سے بچنے کے کام بھی آتی ہیں اور جسم فروش لڑکیوں کی مارکیٹ بھی بڑھاتی ہیں۔

نگینہ خانم نے کسی سیاست دان کو معاف نہیں کیا اور ہر بااثر کردار کے ساتھ کسی نہ کسی لڑکی کی تصویر بنا کر اپنے ریکارڈ میں رکھی ہوئی ہے جسے وہ ضرورت پڑنے پر استعمال کرتی ہے۔ ایوارڈ تقسیم کرنے والی یہ تنظیمیں نگینہ خانم کو بھی ایوارڈ دیتی ہیں اور وزراء کے ساتھ تصویر بنا کر وہ پولیس والوں کو بھی اپنے وسیع تعلقات کا ''چکر'' دیتی ہے۔ نگینہ خانم کا یہ سیاسی ہتھیار اس قدر کارگر ہے کہ بعض پولیس آفیسر باقاعدگی کے ساتھ اس کے ہاں حاضری لگواتے ہیں اور ترقیاں پاتے ہیں۔

نگینہ خانم کی ایک سہیلی مس ضیاء نے ملتان روڈ پر ایک پرائیوٹ سکول بنا رکھا ہے۔ اس محترمہ نے تعلیم کی روشنی پھیلانے کی آڑ میں جنسی کھلاڑی پیدا کرنے کی ایک اکیڈمی کھول رکھی ہے جس نے کئی گھروں کے چراغ گل کر رکھے ہیں۔ توقیر نام کی ایک عورت خوبرو لڑکیوں کو معلمات کے روپ میں لاتی ہے بعد میں انہیں ایسی خواتین سے ملوایا جاتا ہے جو انہیں گناہ کی جانب راغب کرتی ہیں۔

گناہ کی زندگی میں ''لذت'' اور ''راحت'' کے سبب یہ بدنصیب لڑکیاں ایسی دلدل میں پھنس جاتی ہیں جہاں توقیر اور نگینہ ''سانپ'' بن کر بیٹھی ہوئی ہیں۔ ان لڑکیوں کو جو نوکری کے حصول کے لئے گھر سے باہر قدم رکھتی ہیں ایسی حالت کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس کا انہوں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوتا۔ جب وہ اس ماحول میں ڈھل جاتی ہیں تو سکول کے رجسٹر سے ان کا نام کٹ جاتا ہے اور تھانے کے رجسٹر میں درج ہونے کا اندیشہ ان کے اردگرد منڈلانے لگتا ہے۔

نگینہ خانم کے پاس 1970ء سے لے کر آج تک اپنی ''سیاسی'' خدمات کا ریکارڈ

موجود ہے۔ وہ پیپلز پارٹی کی بھی باقاعدہ عہدیدار رہی ہے۔ صوبائی اور وفاقی سطح پر اہم لوگوں کے ساتھ اس کے روابط تھے۔ جنرل ضیاء الحق برسراقتدار آئے تو نگینہ خانم نے سرحد کے ایک سیاست دان کی خدمات حاصل کیں۔ اسے دعوتِ عیش و نشاط دی اور پھر پانچوں انگلیاں گھی میں اور ....اس نے پیپلز پارٹی چھوڑ دی اور ایک تنظیم ضیاء حمایت تحریک کی سرپرستی شروع کر دی۔ جنرل ضیاء الحق کے دور کی ابتداء میں نگینہ خانم کو کچھ مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ اس کی چند لڑکیاں بھی گرفتار ہو گئیں۔ 1977ء میں خود اس کے خلاف بھی مقدمات بنے لیکن جلد ہی نگینہ نے عیش و نشاط کے راستے ڈھونڈ نکالے اور یوں ''کلیئر'' ہو گئی بلکہ شراب و شباب کے رسیاؤں کی اس کے گھر میں لائن لگ گئی۔

جنرل ضیاء الحق کے دورِ حکومت میں ایک وفاقی وزیر اکثر ان کے گھر آیا جایا کرتے تھے اور اس کے اثر و رسوخ کا یہ عالم تھا کہ بعض فلم سازوں کو اپنی فلمیں سنسر سے پاس کروانے کے لئے نگینہ خانم کی خدمات حاصل کرنا پڑتی تھیں۔ جنرل ضیاء الحق کا دور ختم ہوا تو نگینہ خانم مسلم لیگ میں شامل ہو گئی۔ وہ اپنے گاہکوں کی طرح جماعتیں تبدیل کرنا بھی کاروبار سمجھتی ہے۔ وہ پرائمری یونٹ کی صدر بن گئی۔ بظاہر تو وہ پرائمری یونٹ کی صدر تھی مگر اس کے اثر و رسوخ کا یہ عالم تھا کئی پرانی مسلم لیگی خواتین اس کے گھر کا طواف کیا کرتی تھیں۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ لاہور کا کوئی سیاسی سماجی کردار نگینہ خانم کے دھندے کو بظاہر پسند نہیں کرتا اور اس کے کرتوتوں سے آگاہ ہیں لیکن پھر بھی وہ سیاسی اہمیت حاصل کرتی ہے۔ یہ صرف مسلم لیگ کا المیہ نہیں بلکہ پیپلز پارٹی اور بعض دیگر جماعتوں کا ''پرابلم'' بھی ہے۔

سیاست کا صحافت کے ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس بناء پر نگینہ خانم نے اپنے مکروہ دھندے کو وسیع کرنے اور اس کے تحفظ کے لئے صحافت کے میدان میں اپنا بھاری بھرکم پاؤں رکھا ہے۔ ملک کے عام صحافیوں کی زندگی بیت جاتی ہے لیکن وہ محکمہ اطلاعات کی جانب

سے جاری ہونے والے ایکریڈیشن کارڈ حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔

نگینہ خانم نے اپنے جریدہ ''عنبر'' کا اجراء کیا۔ ادھر اجراء ہوا ادھر اس کا ایکریڈیشن کارڈ بن گیا جس کے باعث اسے سفری اور دیگر سہولتیں ملنے کے علاوہ ایک معزز مقام بھی مل گیا جو اکثر حقدار صحافیوں کو بھی نہیں ملتا۔ یہ عورت اپنی فنکاری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بعض ایسے لوگوں سے تعلقات بنانے میں بھی کامیاب رہی جس کا کوئی پرائمری یونٹ عہدیدار تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس کے سیاسی سرپرستوں کی ایک لمبی فہرست ہے۔

نگینہ خانم کی آرٹ اکیڈمی کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ اس اڈہ سے بعض کار چور ایک حسین و جمیل لڑکی کو ایک رات کے لئے 10 ہزار روپے میں بک کر کے لے گئے تھے۔ اس لڑکی کی بدقسمتی تھی کہ پولیس نے اس رات ان کار چوروں کے گھر چھاپہ مارا جس میں وہ لڑکی بھی پولیس کے ہتھے چڑھ گئی۔ اس کے حسن و جمال نے پولیس والوں کی نگاہیں خیرہ کر دیں اور تھانے کے قریب قریب سبھی افراد نے اس سے زیادتی کی۔ اس پر تشدد بھی کیا جاتا رہا۔ دو دن بعد اس لڑکی نے بتایا کہ کار چوروں سے اس کا براہ راست کوئی تعلق نہیں۔ وہ تو خانم کے اڈہ سے بک ہو کر وہاں آئی اور پکڑی گئی تھی۔ اس پر پولیس نے خانم سے رابطہ قائم کیا اور اس سے ہزاروں روپے وصول کر کے لڑکی نگینہ خانم کے حوالے کر دی۔ نگینہ خانم نے اس لڑکی اور اس کی والدہ سے اسٹام پر لکھوایا کہ اس ماں بیٹی نے خانم سے پچاس ہزار روپے قرض لئے ہیں جب تک یہ رقم نگینہ خانم کو واپس نہیں کی جائے گی اس وقت تک رقم کا بیس فیصد خانم کو بطور سود ادا کیا جاتا رہے گا۔

''کی کلب'' عیاش بیورکریٹس کی آماجگاہ

''کی کلب'' کئی ادوار سے گزری ہے۔ پہلے دور میں ممبر ایک لڑکی ساتھ لاتا تھا جو عام طور پر غیر مسلم ہوتی تھی۔ بیشتر کا تعلق گوا سے بتایا جاتا تھا۔ کاروں کی چابیوں کے ذریعے پارٹنر کا انتخاب ہوتا اور ممبر اپنے پارٹنر کو لے کر واپس چلے جاتے۔ پھر کمروں کا دور آیا۔ بڑے بڑے بنگلے حاصل کئے گئے جس کے ہر کمرے میں پارٹنر پہلے سے موجود ہوتا۔ کمرے کے نمبروں کی قرعہ اندازی ہوتی اور رات گئے پردے میں شیطان کا رقص ہوتا۔ ''عوامی دور'' میں کمرے میں صرف وزیروں کے لئے رہ گئے' باقی لوگ ہال ہی میں مکروہ چہرے لئے شیطان کو شرماتے۔ زیادہ تر پارٹیوں کا انتظام جن چار بنگلوں میں کیا جاتا رہا یہ بنگلے ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی' کلفٹن' شہید ملت روڈ اور مزار قائداعظم کے پاس واقع تھے۔

''کی کلب'' کی پارٹیوں کو دو درجوں میں تقسیم کیا گیا۔ اول درجے کی پارٹیوں میں صرف وفاقی وزراء ان کے ہمجولی شریک ہوتے جبکہ دوسرے درجے کی پارٹیاں صوبائی وزراء' افسران' تاجروں اور بڑے بڑے سرمایہ داروں کے لئے ہوتیں۔ شرکاء کی تعداد بڑھی تو ''شکار'' پھانسنے کے لئے ریڈیو اور ٹی وی کے عملے کے بعض ارکان کی خدمات بھی حاصل کی گئیں کہ وہ شوقین فنکاراؤں کو ''کی کلب'' کی راہ دکھا دیں۔ چند بڑی بیگمات بھی یہ کارہائے نمایاں انجام دیتی رہیں۔

ہمارے ہاں جو روایت ہو چکی ہے کہ قانون نافذ کرنے والے ادارے اس وقت حرکت میں آتے ہیں جب پانی سر سے گزر جاتا ہے۔ برائی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے دعویداروں کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ انہیں اب تک ان اڈوں کے بارے میں پتہ کیوں نہیں چل سکا؟ ہمارے سراغ رساں اداروں کی نظر ان اڈوں پر کیوں نہیں پڑی؟ آخر وہ کون سے عوامل تھے جن کے باعث ان اڈوں سے مبینہ طور پر اغماض برتا گیا؟

راولپنڈی، اسلام آباد میں ایسے کلبوں کا انکشاف بھی ہوا جنہیں "کی کلب" (Key Club) کا نام دیا گیا۔ اکثر وزراء ان کلبوں کو رونق بخشنے کے لئے اپنی محبوباؤں کے ساتھ اکثر جاتے اور رات بھر ساغر و مینا کا کھیل کھیلنے کے بعد صبح واپس لوٹتے۔ ایسے لوگوں میں سابق وزیر ملک مختار احمد اعوان اور ملک مشتاق اعوان پیش پیش تھے۔ ان کلب میں دادِ عیش دینے کا ایسا طریقہ اختیار کیا جاتا جو اپنے لحاظ سے نہایت ہی منفرد تھا۔ اس کلب کو بنانے میں راولپنڈی اور اسلام آباد کے بعض بااثر افراد شامل تھے۔ کلب کے ممبران ویک اینڈ (اختتامِ ہفتہ) پر ایک منتخب کردہ گیسٹ ہاؤس میں اکٹھے ہوتے، ہر ممبر پر لازم ہوتا کہ وہ اپنی بیوی کو ساتھ لے کر آئے اگر کنوارہ ہے تو کسی بھی لڑکی کا ساتھ ہونا ضروری ہوتا۔ ہر بنت حوا کو ایک کمرہ الاٹ کر دیا جاتا اور اس کے شوہر یا ساتھی کو چابی دی جاتی۔ یہ چابیاں لکڑی کے صندوق میں ڈال کر دی جاتیں اور صندوق کو ہلایا جاتا کہ چابیاں مل جائیں۔

پروگرام کے آغاز میں کلب ممبران اور ان کی ساتھی لڑکیاں گیسٹ ہاؤس کے بڑے ہال میں اکٹھے ہو جاتے اور پھر جام و ساقی لنڈھائے جاتے۔ پینے پلانے کے دور کے بعد ناچ کی محفل ہوتی اور جب یہ پروگرام اپنے عروج پر پہنچتا تو عورتوں کو ان کے متعلقہ کمروں میں بھیج دیا جاتا۔ کلب ممبران صندوق میں سے ہاتھ آئی چابی اٹھا لیتے اور چابی پر درج کمرہ کھول کر اس عورت کے ساتھ شب بسری کرتے۔ اس طریقہ واردات کے علاوہ بعض اوقات کاروں کی

چابیاں بدل کر رات کو دادِ عیش دینے کے لئے ساتھی کا انتخاب کیا جاتا تھا۔

باخبر ذرائع کے مطابق یہ "کی کلب" اسلام آباد کے متعدد گیسٹ ہاؤسز میں ہوتے۔ ذرائع نے اس امر کا انکشاف بھی کیا کہ کلب کے ممبران کے اکٹھے ہونے پر بجلی بند کر دی جاتی اور انہیں اجازت ہوتی کہ وہ وہاں پر موجود جس لڑکی کا ہاتھ پکڑ لیں اسے اپنے ساتھ کمرے میں لے جائیں۔ عوامی حلقوں کے مطابق گیسٹ ہاؤسز میں فحاشی اور بدکاری کا علم 1979ء کے اوائل میں ہوا جس کے لئے عوام الناس نے پہلے دبے دبے الفاظ میں انتظامیہ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ یہ سلسلہ زور پکڑتا تھا۔ باخبر ذرائع نے اس امر کی بھی تصدیق کی کہ ضلعی انتظامیہ بشمول سی آئی اے سٹاف اور مقامی پولیس ایسے عناصر سے ملی ہوئی تھی اور ایسے اڈروں کی سرپرستی بھی کرتی تھی۔

عام حالات میں ہوٹلوں پر چھاپے مارے جاتے، بدکردار افراد کو گرفتار کیا جاتا اور بڑی دھوم دھام سے اخباری کانفرنسوں میں اس کی تشہیر کی جاتی مگر گیسٹ ہاؤسز پر ہاتھ کیوں نہیں ڈالا گیا؟ وجہ یہ تھی کہ اگر یہ فحاشی کے اڈے بند ہو جاتے تو "جیالے" اور پی پی پی کے شرفاء اپنی عادات کو پورا کرنے کے لئے کہاں جاتے؟

اسلام آباد کے گیسٹ ہاؤسز کی اندرونی کہانی:

بدقسمتی سے قیامِ پاکستان سے لے کر اب تک اس ملک میں جتنے بھی حکمران گزرے ہیں ان میں سوائے چند ایک کے ہر ایک نے اس ملک کو باپ دادا کی جاگیر، سرکاری خزانے کو مالِ غنیمت اور ملک وقوم کی مجموعی ترقی کے ساتھ وہ سلوک کیا جو کہ مغربی ممالک میں ایک عاشق اپنی غیر منکوحہ بیوی کے ساتھ کرتا ہے۔ مغربی اور مشرقی روایات میں فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں پر اگر کوئی سربراہِ مملکت یا حکومت کا کوئی ذمہ دار فرد غیر اخلاقی سرگرمیوں میں ملوث پایا جاتا ہے تو اسے اپنی ملازمت کے عہدے سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے جبکہ ہمارے ہاں جو نہی کسی شخص کو کوئی اہم ذمہ

داری سونپی جاتی ہے تو حکومت کی طرف سے جو سہولتیں اسے دی جاتی ہیں شراب و شباب اور کباب بھی ان سہولتوں کے لازمی جزو تصور ہوتے ہیں۔

پیپلز پارٹی کے پہلے دورِ حکومت کی کئی مثالیں ایسی ہیں کہ وزیروں کی شراب اور عیاشیوں کے بل سرکاری خزانے سے ادا کیے گئے لیکن کسی نے ان کی باز پرس نہ کی۔ ہمارے علم کے مطابق پاکستان میں ابھی تک کوئی ایسی مثال نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ فلاں وزیر نے جنسی یا مالی کرپشن کی وجہ سے وزارت چھوڑ دی ہو بلکہ یہاں پر اگر ایک وزیر کی بدعنوانیوں کا ثبوت ملتا ہے اور عدالت اسے بدعنوان قرار دیتی بھی ہے تو اس کے ہم خیال اسے بے گناہ ثابت کرنے کے لئے اس کی وکالت کی ٹھان لیتے ہیں اور یہ بھی ہمارے ہاں ہی ہوا کہ راولپنڈی کے ایوب پارک میں اگر ایک وزیر کسی سرکاری ملازمہ کے ساتھ رنگ رلیاں مناتا ہوا پکڑا گیا اور اس کی خبر چھپی تو اس نے اخبار کے ایڈیٹر کو ایک کروڑ روپے ہرجانہ کا نوٹس بھیج دیا جبکہ تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ ماضی قریب میں جاپان کے سیاسی افق پر سیکس سکینڈل کا شکار ہو کر کئی ممتاز شخصیات کو اپنے سیاسی کیریئر کی قربانی دینا پڑی۔ امریکہ کے صدارتی امیدوار گیری ہارٹ نامی شخص کو اس وجہ سے دستبردار ہونا پڑا کہ اس کے ایک عورت کے ساتھ جنسی تعلقات تھے مگر ایک ہمارے لیڈر ہیں کہ عوام اور وطن کے مستقبل کو تاریک کر کے اپنی راتوں کو رنگین بنائے ہوئے ہیں۔

متذکرہ گیسٹ ہاؤسز اسلام آباد کے انتہائی جدید ترین اور مہنگے سیکٹرز میں قائم تھے جہاں ایک کوٹھی کی قیمت کروڑوں کے حساب میں تھی۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ان گیسٹ ہاؤسز کے ہمسائے میں بسنے والے لوگوں نے سی ڈی اے، ضلع انتظامیہ اور حکومت کے اربابِ اعلیٰ کی خدمات میں کئی بار اپنی شکایات گوش گزار کیں مگر انتظامیہ کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ ان گیسٹ ہاؤسز کو چلانے میں سیاسی اور ضلعی انتظامیہ میں موجود با اثر شخصیات کا ہاتھ

تھا جو کہ پیسہ کمانے کے علاوہ با اثر شخصیات کے لئے ان گیسٹ ہاؤسز میں شراب، شباب، رقص و سرور کی محفلیں سجاتے، نرم جسموں کو گرمایا جاتا، ساغر و مینا حرکت میں آتے، مخلوط مجلسوں کا یہ دور ساری رات چلتا، سرکاری افسروں کو خوش کرنے کے لئے اس قسم کی محفلوں میں کئی غیر ملکی دوشیزاؤں کو بھی بڑے اہتمام سے مدعو کیا جاتا جو کہ انتہائی فیشن ایبل علاقوں میں رہتیں اور ان میں سے اکثر کا تعلق کسی نہ کسی طرح جاسوسی کرنے والے اداروں سے ہوتا۔ شباب اور شراب کا دور چلتا، بھیگی راتوں میں ساغر و مینا جب اپنی اثر آفرینی دکھاتے تو مخلوط مجلسوں کے شرکاء کے تن لباس کے تکلف سے آزاد ہو جاتے۔ اس وقت غیر ملکی جاسوس حسیناؤں کو اپنے خفیہ اداروں کو "سیکرٹ" خبریں پہنچانے کے لئے بہت کچھ مل جاتا۔ مگر شراب کے نشے میں مست بنئے کے بیٹوں کے دام و فریب کے اسیر منٹوں میں وہ سب کچھ اگل دیتے جس کے لئے غیر ملکی خفیہ ایجنسیوں کو سال ہا سال انتظار کرنا پڑتا ہے لیکن اس بات کا احساس اس وقت ہوا جب بہت سارا پانی پلوں کے نیچے سے گزر چکا تھا۔ علاوہ ازیں گیسٹ ہاؤسز کے مالکان اس قسم کی محفلیں سجا کر نہ صرف مال کماتے بلکہ وہ ان با اثر عیاش وزیروں اور مشیروں کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کی ہمدردیاں اور خوشنودی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتے جس کو وہ بعد میں غلط مقاصد کے لئے استعمال کرتے۔

گیسٹ ہاؤسز کی وباء کیوں؟

اسلام آباد میں بھی اچھے ہوٹلوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی شدید کمی محسوس کی جاسکتی ہے۔ مارگلہ کی پہاڑیوں کے دامن میں آباد اسلام آباد میں اسلام کے علاوہ اب ہر چیز کی آبادکاری ہو رہی ہے۔ دارالحکومت ہونے کی وجہ سے لوگوں کو اپنے کام کے سلسلے میں اکثر پی ایم سیکرٹریٹ اور وزراء کے دفاتر کے سامنے ملاقات کے لئے گھنٹوں انتظار کرنا پڑتا اور بعض اوقات کئی کئی دن قیام کرنا پڑتا مگر ہوٹلوں میں جگہ کی کمی کے علاوہ بہت زیادہ پیسے وصول کئے جاتے لہٰذا مسافر ان

گیسٹ ہاؤسز کا رخ کرتے جہاں پر انہیں ہوٹل سے زیادہ سہولتیں بہم پہنچائی جاتیں اور دام بھی انتہائی مناسب ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ اب ہم وطنوں کے علاوہ غیر ملکی سیاحوں نے بھی ان گیسٹ ہاؤسز کا رخ کرنا شروع کر دیا۔ وجہ یہ تھی کہ یہاں پر قحبہ خانے‘ شراب خانے اور جوا خانے کے اڈے اور مجرے کی محفلیں رات گئے تک جاری رہتی تھیں۔ فائیو اسٹار ہوٹلوں میں سیکیورٹی کے علاوہ حکومت کی طرف سے بھی ان پر ایک چیک ہوتا ہے۔ نامعلوم اسلام آباد کے گیسٹ ہاؤسز اس چیک سے مبرا کیوں تھے؟ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ان گیسٹ ہاؤسز میں جن لوگوں کے لئے شراب اور شباب کی محفلیں بجتی رہیں‘ ساغر و مینا حرکت میں آتے رہے اور جن کے لئے جوان اور گرم جسموں کی نمائش منعقد کرائی جاتی رہی رات بھر بادہ نوشی اور حسن کا کھیل کھیلا جاتا رہا وہ اتنے بااثر تھے کہ انتظامیہ کی رسائی ان تک نہیں ہو سکتی تھی۔

اس سلسلے میں سردست ایک چھوٹا سا واقعہ پیش کرتے ہیں جسے قارئین کی نذر کیا جاتا ہے جو کہ ایف سیون کی خوبصورت کوٹھیوں میں گھرے ہوئے ایک ریسٹ ہاؤس میں اپریل 90ء میں اسلام آباد کے رہائشی علاقے میں آباد ایک غیر قانونی گیسٹ ہاؤس میں پیش آیا جس میں ایک وفاقی وزیر اور ایک وزیر مملکت ملوث تھے۔ ان دو وزراء کی ’’کارشیطانیوں‘‘ کا قصہ کچھ یوں ہے کہ اپریل کی ایک رنگین رات میں کچھ تھرکتے جسم‘ عوام کے مسائل کے بوجھ تلے دبے ان دونوں وزراء کی دل پشوری کے لئے سامانِ عیش فراہم کر رہے تھے۔ رقص کے ساتھ ساتھ شراب کا دور بھی چل رہا تھا مگر جب رات زیادہ بھیگ چکی تو دونوں وزراء کے ’’جیالوں‘‘ میں ٹھن گئی۔ رقاصائیں کم تھیں اور چاہنے والے زیادہ۔ اسی دھندے کو مذکورہ گیسٹ ہاؤس کے مالک کے ساتھ مل کر چلانے والے سی آئی اے کے ایک سب انسپکٹر نے پورے وزیر کا استحقاق مجروح نہ کرتے ہوئے ان کی رات کو رنگین بنانے کا فیصلہ کیا مگر انہی کے ہم قبیلہ وزیر مملکت کے حواری جیالوں نے رنگ میں بھنگ ڈال دی اور پھر گیسٹ ہاؤس میں فائرنگ کی آواز سن کر کوہساروں میں بیٹھی پولیس موقع

پر پہنچ گئی۔ پولیس نے 30 بور کا ریوالور تو برآمد کر لیا مگر وزیروں کی وجہ سے ایف آئی آر نہ کٹ سکی۔

گیسٹ ہاؤس کے مالک نے اپنے دھندے کو تباہ ہونے سے بچانے کے لئے پولیس کو ایف آئی آر نہ کاٹنے پر پچیس ہزار روپے کی پیشکش بھی کی۔ پولیس رضامند نہ ہوئی تاہم یہ معاملہ دس ہزار روپے میں طے پایا اور وزیروں کی بجائے کسی اور کو قربانی کا بکرا بنایا گیا۔ بہرکیف اس سب انسپکٹر کو معطل کر دیا گیا جو ان وزیروں کے لئے لڑکیاں لایا تھا اور اس طرح دونوں وزراء چلے گئے تاہم ایک وزیر کو اپنی انگوٹھیاں سنبھالنے میں خاصی ’’محنت‘‘ کرنا پڑی۔

اسلام آباد کے مسافر خانے جو کہ اب قحبہ خانوں میں تبدیل ہو چکے تھے میں عیاشی اور بدکاری اور انتہائی جدید طریقوں سے کی جا رہی ہے۔ خوبصورت اور پڑھی لکھی لڑکیاں اس دھندے میں پیش پیش ہیں اور مبینہ طور پر بعض فیشن ایبل لڑکیاں تو ان گیسٹ ہاؤسز کی آمدنی میں برابر کی حصہ دار بھی ہیں اور ان کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ وہ مختلف سرکاری و نیم سرکاری دفتروں‘ پرائیوٹ سیکٹر میں نوکری کرنے والی خوبصورت لڑکیوں اور ہسپتالوں کی نرسوں سے برابر رابطے رکھتی ہیں اور ایک عام شخص کے لئے ایسی (سپلائی کرنے والی) عورتوں کی پہچان انتہائی مشکل ہے کیونکہ اس قسم کی لڑکیاں ویل ڈریس ہونے کے علاوہ بڑی روانی سے انگلش میں بھی گفتگو کر لیتی ہیں۔

ہماری اطلاعات کے مطابق ان قحبہ خانوں کی بعض مالکان نے کال گرل ہوم سروس بھی شروع کر رکھی ہے جس میں فون پر سودا طے پاتا ہے اور سودا کرتے وقت بعض دواؤں اور گاڑیوں کے نام کو کوڈ ورڈ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور لڑکی کو مطلوبہ جگہ پر پہنچا دیا جاتا ہے۔ واپسی پر گاہک خود اس لڑکی کو ٹھکانے پر پہنچا دیتا ہے۔ ان بدکردار لڑکیوں کی وجہ سے شریف اور بس اسٹاپ پر کھڑی معصوم لڑکیوں کو سخت پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایک اور اطلاع کے

مطابق اسلام آباد کے گیسٹ ہاؤسز کے مالکان نے خوبصورت لڑکوں اور لڑکیوں کو تنخواہ پر باقاعدہ ملازم رکھا ہوا ہے جو کہ روانی سے انگلش بول لیتے ہیں اور ان لوگوں کا کام صرف یہ ہے کہ وہ ائیر پورٹ چلے جائیں اور بیرونِ ملک سے آنے والے لوگوں کو اپنا تعارف گائیڈ کی حیثیت سے کرائیں۔ گائیڈ کی حیثیت سے یہ ماڈل گرلز دن رات ان کے ساتھ رہتی ہیں اور یوں ان غیر ملکیوں کو گرل فرینڈز کی کمی محسوس نہیں ہوتی۔ اسی طرح فیشن ایبل علاقوں کے نوجوان لڑکے بھی ائیر پورٹ سے غیر ملکی لڑکیوں کو گائیڈ کرتے ہیں' پورا شہر گھماتے ہیں۔

رات کی تاریکی میں جب ان گیسٹ ہاؤسز میں شراب وشباب کی شبینہ محفلیں سج رہی ہوتی ہیں اور اسلام آباد کی اونچی ناہموار سڑکیں شہرِ خموشاں کا منظر پیش کر رہی ہوتی ہیں جہاں پر پورے شہر میں موت کا سناٹا چھایا ہوتا ہے یہ گائیڈ ان غیر ملکیوں کو شکر پڑیاں اور دامن کوہ کا نظارہ کروا رہے ہوتے ہیں اور ان لوگوں کی حتیٰ الامکان یہ کوشش ہوتی ہے کہ ہمارے یہ غیر ملکی مہمان کسی اور کے ہتھے نہ چڑھ جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب یہ غیر ملکی کچھ دن اسلام آباد میں گزار کر جاتے ہیں تو ان کے ذہن میں پاکستان کے بارے میں بنا ہوا اسلامی مملکت کا تصور چکنا چور ہو چکا ہوتا ہے۔ لمحہ فکریہ یہ ہے کہ یہ غیر ملکی سیاح ان شکاریوں کی محبت میں چند دن گزار کر جب اپنے وطن واپس لوٹ کر لوگوں کو پاکستان کے عوام اور مخصوص ماحول کے بارے میں اس قسم کے ریمارکس سن کر شدید دھچکا لگتا ہوگا۔ اس لئے حکومت وقت کو اس سلسلے میں کوئی عملی اقدام اٹھانا چاہئے اور بیرونی ممالک میں پاکستانی قوم کے امیج کو تباہ ہونے سے بچانا چاہئے۔

شراب کے اڈے:

اسلام آباد میں شراب اور اوباش لڑکیوں کی فراہمی کے سلسلے میں گیسٹ ہاؤسز اور اسٹیٹ ایجنسیوں کے علاوہ یہاں کے بعض سفارت خانے بھی بڑا اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ ان سفارت خانوں میں آئے دن ہونے والی طرح طرح کی تقریبات میں سیاست دان' اعلیٰ افسران'

صحافی اور دیگر حضرات تو جاتے ہیں اور ان میں بعض افسران وصحافی بدنامی کے ڈر سے وہسکی کے گلاس کو رومال یا ٹشو سے لپیٹ کر پیتے نظر آتے ہیں۔ بعض سفارت خانوں کے چھوٹے ملازمین کھلے عام شراب فروخت کرتے ہوئے بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ فلپائن' تھائی لینڈ' انڈیا اور بنگلہ دیش اسی طرح تیسری دنیا کے کئی غریب ممالک اس دھندے میں پیش پیش ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان متذکرہ بالا سفارت خانوں کے بعض سفارت کار اور خاص طور پر ان سے متعلقہ پاکستانی عملہ اسلام آباد میں ہر شراب نوش افسر' صحافی اور وزیر سے بخوبی واقف ومتعارف ہے۔

ایم این اے ہوسٹل اور شراب وشباب کی محفلیں

ایم این اے ہوسٹل میں شراب وشباب کی خصوصی محفلیں معمول کی باتیں ہیں۔ایک مرتبہ لڑکیوں کے معاملے پر باقاعدہ ہنگامہ کھڑا ہوگیا۔یہ 11 ستمبر 1990ء کا واقعہ ہے ہاسٹل کے کمرہ نمبر 112 میں رنگین محفل عروج پر تھی۔شراب وشباب کی اس محفل کو رنگین بنانے کے لئے راولپنڈی کی حنا اور عشرت کو بلایا گیا تھا۔محفل جب عروج پر پہنچی تو ان تینوں افسروں میں ایک حسینہ کے معاملے پر جھگڑا ہوگیا۔لال پری نے محفل کے شرکاء کی مت ماری ہوئی تھی۔تینوں افسروں نے ایک دوسرے پر چڑھائی کردی۔بات چاقو چھرے تک پہنچ گئی۔امتیاز شدید زخمی ہو گیا۔ہاسٹل انتظامیہ نے پولیس سے مدد طلب کرلی جس نے بعدازاں زخمی کو ہسپتال داخل کرادیا۔انتظامیہ نے کاروائی کرتے ہوئے کمرہ نمبر 113، 112، 52، 95 کو سیل کردیا اور محفل سجانے والی دوشیزہ سمیت 4 افسروں کو 14 روز کے ریمانڈ پر اڈیالہ جیل بھیج دیا۔تحقیقات پر معلوم ہوا کہ شراب وشباب کی محفل کو سرکاری افسر فہیم خان نے سجایا تھا تاہم چھاپے کے دوران فہیم خان، عشرت کے ہمراہ فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔

طاہر سلطان

طاہر سلطان (ایم این اے) جھنگ کے معزز خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔قومی اسمبلی کے رکن رہے لیکن اللہ عزوجل کے اتنے کرم کے باوجود "دل پشوری" سے باز نہیں آئے۔حتیٰ کہ ان کی اہلیہ شنیلا جیلانی نے ان کے خلاف کورٹ میں رٹ دائر کردی جس میں مطالبہ کیا گیا کہ طاہر کو گھریلو اخراجات ادا کرنے کا حکم دیا جائے۔

شنیلا کا کہنا تھا کہ 30 مئی 1980ء کو میری شادی طاہر سلطان سے ہوئی۔کچھ عرصہ تو تعلقات بہت اچھے رہے لیکن پھر طاہر کے رویہ میں تبدیلی آنا شروع ہوگئی۔وہ گھر کم آتے اور باہر زیادہ وقت صرف کرتے۔میں احتجاج کرتی تو کہتے لوگوں کے کام کاج میں دیر ہو جاتی ہے سیاست کام ہی ایسا ہے۔

شنیلا کہتی ہیں دراصل صورتحال ایسی نہیں تھی۔طاہر نے غیر عورتوں میں دلچسپی لینا شروع کردی تھی۔شراب وشباب کی خاطر انہوں نے گھر بار تک فراموش کردیا۔ان حرکات سے گھریلو زندگی تلخ ہونا شروع ہوگئی۔شنیلا نے طاہر کو ان حرکتوں سے باز آنے کے لئے کہنا شروع کردیا جس سے آئے روز کا جھگڑا معمول بن گیا۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ طاہر نے دو سال قبل شنیلا کو دونوں بچوں سمیت گھر سے نکال دیا اور وہ اپنے دونوں بچوں کو لے کر اپنے والدین کے گھر آگئی۔

اتنے بڑے حادثے کے باوجود طاہر نے اپنے لچھن درست کرنے کے بجائے ایک

اور خوبصورت شائلہ سے شادی کر لی۔ شائلہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اکثر مالدار لوگوں سے شادیاں رچا کر ان سے زمین و جائیداد اپنے نام لکھوا لیتی ہے اور کچھ عرصہ کے بعد طلاق لے لیتی ہے۔

شنیلا بتاتی ہیں کہ طاہر کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ شائلہ نے دو کروڑ کی زرعی اراضی اپنے نام منتقل کرا لی۔ جب طاہر کا ہاتھ تنگ ہونا شروع ہوا تو انہوں نے شنیلا کو خرچہ بھیجنا بند کر دیا حالانکہ ان کی بیٹی شرمین سلطان الیناٹ فاؤنڈیشن گلبرگ میں اور بیٹا حیدر سلطان لاہور گرائمر سکول ایم ایم عالم روڈ میں زیر تعلیم تھے۔ جب گھریلو طور پر معاملہ حل نہ ہوا تو شنیلا نے عدالت میں دعویٰ کر دیا اور اس طرح ایک معزز گھرانہ سرعام رسوا ہوا۔

رانا حیات

نواز شریف کے ذاتی دوست اور اس وقت کی حکمران جماعت آئی جے آئی کے رکن قومی اسمبلی رانا حیات کا خاندان ''بھائی پھیرو کے رانا'' کہلاتا ہے اور اس خاندان کے بعض افراد طالبات کے سرکاری سکول میں گھس کر ایک طالبہ فرحانہ سے زیادتی کے الزام میں خاصی شہرت پا چکے ہیں۔

اس کے علاوہ ان کے خاندان کے چند بدمعاشوں نے اپنے خلاف آواز اٹھانے پر ایک ڈاکٹر اسحق کچھی کے کلینک میں گھس کر اور توڑ پھوڑ کے بعد اسلحہ کے زور پر ڈاکٹر کو ننگا نچوایا' بیٹے کو زدوکوب کیا اور ایک لاکھ روپے تاوان کی ادائیگی کی شرط پر زندہ چھوڑ دیا۔

اس ظلم کی خبریں جب اخبارات میں شائع ہوئیں تو رانا حیات اسمبلی میں اخبارات پر گرجتے برستے رہے اور وزیراعظم نواز شریف سے آئی جے آئی کے پارلیمانی اجلاس میں بھی الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کے مصداق احتجاج کیا کہ اخبارات جھوٹی خبریں چھاپ رہے ہیں۔

ان کی شکایت پر وزیراعظم نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا کہ آپ فکر نہ کریں میں جانتا ہوں کہ آپ لوگ شریف آدمی ہیں۔ آپ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوگی۔ جواب میں بھائی پھیرو کی شہری انجمن نے کہا کہ اگر رانا خاندان کے دہشت گردوں کو سزا نہ ملی تو سینکڑوں لڑکیاں خود کو آگ لگا کر ہلاک کرنے پر مجبور ہو جائیں گی۔ ان کا کہنا تھا کہ حکمران جماعت کا ایم این اے

رانا حیات چھوٹا شخص ہے۔اس پر درجنوں فوجداری مقدمات ہیں جن میں اغوا برائے تاوان‘ ٹارچر سیل چلانے اور مار پیٹ کے علاوہ منشیات کے اڈوں کی سرپرستی اور ایک ملزم کے تھانے کے لاک اپ سے زبردستی چھڑانے کا مقدمہ بھی شامل ہیں۔

اخباری اطلاعات میں بھی بتایا گیا کہ ایم این اے رانا حیات کے سگے چچا اور ضلع کونسل کے رکن رانا باغ نے ایک بے سہارا عورت کی 28 ایکڑ زرعی اراضی جعلسازی سے ہتھیا لی اور مقدمہ کرنے پر اسے نکاح کا پیغام بھجوا دیا۔ یہ عورت جو پہلے لاکھوں میں کھیلتی تھی آج کل وہ اپنی دو نوجوان لڑکیوں کے ساتھ چھوٹے سے مکان میں پناہ گزین ہے اور اس کا ذریعہ آمدنی بھی کوئی نہیں کہ مقدمہ بازی کر سکے۔

احمد کمال

اقوامِ متحدہ میں پاکستان کے مستقل مندوب احمد کمال کی سرکاری رہائش گاہ پر دیکھی جانے والی فحش فلموں کا کرایہ بھی قومی خزانے سے ادا کیا جاتا رہا۔ تفصیل کے مطابق 18 نومبر 96ء کو سیکرٹری خارجہ نجم الدین شیخ افغانستان پر ہونے والی کانفرنس میں شرکت کے لئے آئے تو انہوں نے احمد کمال کے گھر پر مہمان کی حیثیت سے قیام کیا۔ ان کے قیام کے دوران فحش اور جنسی فلمیں دیکھی گئیں جن کا بل 9 ڈالر 90 سینٹ پاکستان مشن کے اکاؤنٹ سے ادا کیا گیا۔ احمد کمال اپنی اہلیہ اور بیٹے بیٹی کے ہمراہ نیویارک میں مقیم ہیں۔

ماما موداکے چونکا دینے والے انکشافات

انجمن اتحاد فنکاراں موسیقی رجسٹرڈ کے صدر محمود احمد نے ایک ملاقات میں بتایا کہ اس بازار میں ان دنوں پانچ سو کے لگ بھگ رقاصائیں اور مغنیائیں اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔ یہ لڑکیاں شرفاء کی بیٹیاں ہیں چونکہ ان کے والدین نے یہاں کی طوائفوں سے ناجائز تعلقات قائم کر رکھے تھے اس کے نتیجہ میں یہ لڑکیاں پیدا ہوگئیں۔ ان شرفاء کو ہمارا شکرگزار ہونا چاہئے کہ ہم نے ان کی بیٹیوں کو سنبھال کر رکھا ہے۔ انہیں پالا پوسا اور پروان چڑھایا اور اگر وہ اس کاروبار کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو ایسے غیرت مند باپوں کو چاہئے کہ سب سے پہلے وہ اپنی بیٹیاں یہاں سے لے جائیں ہمیں اس پر قطعاً کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

میاں محمود احمد نے دعویٰ کیا ہے کہ کوئی وفاقی، صوبائی وزیر اور کوئی قومی اسمبلی یا صوبائی اسمبلی کا رکن ایسا نہیں جو گانا نہ سنتا ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ ان میں بعض گانا سننے بازار میں کسی کوٹھے پر آ جاتے ہیں اور بعض کوٹھے والی کو اپنی کوٹھی پر بلا جی بہلا لیتے ہیں۔ ہم اپنے مطالبات کے حق میں جلوس اس لئے نہیں نکالتے کہ جو شخصیتیں رات کے اندھیرے میں ہمارے قدموں میں ہوتی ہیں وہ دن کے اجالے میں ہمارا ساتھ دینے سے قاصر رہتی ہیں کہ اس سے ان کی شہرت خراب ہوتی ہے۔ چنانچہ کھلم کھلا ساتھ دینے کی بجائے وہ لوگ در پردہ مدد کرنا پسند کرتے ہیں۔

اصل میں بازارِ حسن تو ایک اکیڈمی ہے فلموں کی تمام مشہور اور مقبول ہیروئنیں اسی بازار کی بخشش ہیں۔ پھر یہ دوہرا معیار یا منافقت کیوں ہے کہ حکومت اپنے اہتمام میں ناچ گانا کرائے تو وہ ثقافتی شو کہلائے اور طوائف یہی کام کرے تو اسے مجرے کا نام دیا جائے۔ لطف یہ ہے کہ ثقافتی شو کرنے والوں سے کوئی ٹیکس بھی نہیں لیا جاتا جبکہ رقاصائیں اور مغنیائیں ہر قسم کے ٹیکس ادا کرتی ہیں۔ حتیٰ کہ ان سے بجلی پانی اور گیس کے بل بھی کمرشل نرخوں کی بنیاد پر وصول کئے جاتے ہیں۔ حکومت خود کوئی ثقافتی شو کراتی ہے تو کسی کو اسلام کی یاد نہیں ستاتی حالانکہ اس شو میں گانے اور رقص کے علاوہ اور بہت کچھ بھی ہوتا ہے یا ہو جاتا ہے مگر کسی کی مجال نہیں ہوتی کہ ان بڑے بڑے سرکاری افسروں کی طرف انگلی بھی اٹھا سکے کیوں؟

بازارِ حسن کے لوگ تو اپنی قومی خدمات کا بھی شاندار ریکارڈ رکھتے ہیں۔ 1965ء اور پھر 1971ء کی پاک بھارت جنگوں میں ہم لوگوں نے بڑا کام کیا۔ سرحدوں پر مورچوں پر جا کر ملی نغمے اور قومی ترانے گائے۔ کیا اس وقت یہ سب کچھ گناہ نہیں تھا۔

ان سے دریافت کیا گیا کہ پولیس جب بھی اس بازار پر چھاپہ مار کر یہاں سے ناچ گانا کرنے والیوں کو پکڑتی ہے تو آپ لوگ اس نوعیت کے بیانات جاری کرتے ہیں کہ ہم شرفاء کو ننگا کریں گے اور بتائیں گے کہ اس بازار میں کس کس شریف خاندان کی بیٹیاں بیٹھی ہیں لیکن آپ نے کبھی اس دھمکی کو عملی جامہ نہیں پہنایا؟ آپ نے اپنے گاہکوں کو کبھی ننگا کرنے کی زحمت نہیں کی

(وہ تو اس بازار میں خود ننگے ہو جاتے ہیں) آپ کبھی ان شرفاء کو منظر عام پر نہیں لائے جو اس بازار کے سب سے بڑے سرپرست ہیں؟ کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں ہوتا کہ آپ یہ دھمکی صرف بلیک میل کرنے کے لئے دیتے ہیں؟

محمود احمد نے کہا کہ ''ہم بلیک میلنگ کے لئے ایسا کوئی بیان نہیں دیتے ہمارے پاس اس امر کے ٹھوس ثبوت موجود ہیں کہ یہاں بڑے بڑے شرفاء کی بیٹیاں موجود ہیں۔''

''آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ وہ شرفاء کی بیٹیاں ہیں۔ یہاں ایک شخص گانا سننے آتا اور چلا جاتا ہے آپ جو دعویٰ کرتے ہیں کیا آپ نے ان لوگوں کی کوئی تصاویر بنا رکھی ہیں کہ یہ لوگ گانا سننے آئے اور رات بسر کر کے گئے؟''

نہیں ہم تماش بینوں کی تصاویر نہیں بناتے لیکن وہ شرفاء جو یہاں کی طوائفوں سے عشق

لڑاتے ہیں یا انہیں داشتہ رکھتے ہیں یا ان سے متعہ یا نکاح کرتے ہیں ان کے بارے میں ہمارے پاس ٹھوس ثبوت موجود ہوتے ہیں کیونکہ ان تماش بینوں کے بارے میں ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ جب کسی لڑکی سے ان کا دل بھر جائے گا تو اسے چھوڑ کر چلتے بنیں گے اور پھر مڑ کر پیچھے کبھی نہیں دیکھیں گے چنانچہ جن طوائفوں سے ان کے بچے پیدا ہوتے ہیں ان بچوں کے مستقبل کو محفوظ کرنے کے لئے ہم ایسے ثبوت اپنے پاس رکھتے ہیں جو تصاویر، ویڈیو فلم یا نکاح نامے کی صورت میں ہوتے ہیں۔

''کیا آپ ان شرفاء کے نام بتا سکتے ہیں جن کی بیٹیاں یہاں دھندا کرتی ہیں؟''

آپ مجھ سے سوال نہ کریں ایسے انکشافات اس ''پیشہ کے آداب'' کے خلاف ہیں۔

آپ مجھ سے پوچھیں کہ کس کی بیٹیاں یہاں نہیں ہیں۔ اس حمام میں سبھی ننگے ہیں۔ کچھ دیر توقف کے بعد محمود احمد نے کسی کا نام لئے بغیر کہا کہ گجرات کے ایک بہت بڑے شریف النفس سیاست دان جن کی شرافت اور غیرت کے بڑے چرچے ہیں اس کے یہاں کئی طوائفوں سے تعلقات رہے ہیں۔ اسی طرح پاکستان پیپلز پارٹی کے ایک بڑے نیک اور صالح حضرت کا بھی اس بازار سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ بلوچستان کا ایک بہت بڑا سردار بھی اس بازار میں دھکے کھاتا رہا ہے ویسے وہ آج کل قوم کا ایک بڑا لیڈر ہے۔

محمود احمد نے اس فہرست میں ایک اسپیکر کا نام بھی لیا اور پھر کہا کہ ''میں تو بہت کچھ بتا سکتا ہوں لیکن آپ وہ سب کچھ چھاپ نہیں سکتے۔''

انہوں نے کہا کہ میں حکومت پنجاب کے ایک بڑے افسر کو جانتا ہوں جو بظاہر بڑی نیک شہرت رکھتے ہیں۔ انتظامی امور میں وہ خاصی سخت گیری کا مظاہرہ بھی کرتے ہیں لیکن رات کو یہاں منہ لپیٹ کر آتے ہیں اور مجرا سنتے ہیں اور مجرا سننے کے بعد کسی نہ کسی لڑکی کو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ دن کے اجالے میں وہ پھر حسب سابق نیک اور سخت گیر افسر بنے رہتے ہیں۔ ان

سے پوچھا گیا کہ شرفاء اپنی اولاد کو اس بازار میں اس محض اس لئے چھوڑ جاتے ہیں کہ ان کی عزت وشرافت کا بھرم نہ کھل جائے۔ محمود احمد نے جواب دیا کہ ''عزت وشرافت کا تو انہیں اتنا زیادہ احساس نہیں ہوتا بیشتر وہ اس لئے اپنی بیٹیوں کو بازار میں چھوڑ دیتے ہیں کہ یہ اولاد (جائز یا ناجائز) ان کی جائیداد میں حصہ دار نہ بن جائے۔ (عزت تو ان کے نزدیک محض ایک مصنوعی خول ہے) اصل حقیقت جائیداد ہے جس سے وہ اپنی سگی بیٹیوں کو بھی محروم رکھتے ہیں کہ جائیداد دوسرے خاندان میں نہ چلی جائے۔ یہ بازار اصل شرفاء اور معززین کے دم قدم سے آباد ہے اور پھر اس بات کو دہراتا ہوں کہ اگر اس کاروبار کو بند کرنا مقصود ہے تو شرفاء اپنی بیٹیاں یہاں سے لے جائیں۔ ویسے تو یہ لوگ بڑے غیرت والے بنے پھرتے ہیں' معاشرہ میں ان کا اونچا مقام بھی ہے لیکن ان کی غیرت کا یہ عالم ہے کہ ان کی بیٹیاں یہاں دھندا کرتی ہیں اور وہ چلو بھر پانی میں ڈوب کر نہیں مرتے۔ ان کا اونچا مقام اتنا پست ہے کہ ان کی بیٹیاں بازار میں بیٹھتی ہیں ان کا ضمیر انہیں کبھی تو آواز دیتا ہوگا۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ یہاں ان کسبیوں کی نتھ کھلوائی جاتی ہے؟ کیا انہیں خبر نہیں کہ ان کے جگر گوشے ہر اجنبی کی رات کو رنگین بناتے ہیں؟

''آپ ان طوائفوں کی نمائندگی کے دعویدار ہیں آپ کو حق نمائندگی کیسے حاصل ہو گیا؟ ان طوائفوں سے آپ کا کیا تعلق ہے؟''

یہ بھی ایک درد بھری داستان ہے میرے باپ نے 70 سال پہلے میری ماں سے نام نہاد قسم کی شادی کی تھی۔ میری ماں اسی بازار کی تھی۔ اس شادی کے نتیجہ میں میں پیدا ہوا۔ میرے باپ کی شخصیت کی حیثیت وعظمت کا اندازہ اس امر سے کرلیں کہ میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ میرے پردادا میاں امیر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ میرے والد میاں محمد حسین کوٹلہ شریف کے رہنے والے تھے۔ اس سے آپ میرے خاندان کی عظمت کا کچھ اندازہ کر سکتے ہیں۔ میرے والد پچاس سال تک مجھ سے نہیں ملے۔ 50 سال بعد وہ مجھ سے ملے تو میری ماں نے بتایا کہ یہ تمہارے باپ ہیں لیکن باپ نے مجھے کبھی اپنی شفقت ومحبت سے صرف اس لئے نہیں نوازا کہ کہیں میں اس کی جائیداد میں حصہ دار نہ بن جاؤں حالانکہ اس باپ کا قبل ازیں اپنی پہلی بیوی سے کوئی بچہ نہ تھا۔ ابتداء میں وہ کچھ عرصہ میری ماں کو گھر کے اخراجات کے لئے کچھ پیسے بھیجتے رہے بعد میں وہ بھی بند کر دیئے۔ اس شادی کو والد نے خفیہ رکھا تھا اگر یہ شادی خفیہ نہ ہوتی تو آج میں اس بازار میں نہ ہوتا۔

''بہت سی طوائفیں ناچ گانے کی آڑ میں جسم فروشی کا دھندا کرتی ہیں اس بارے میں آپ کیا کہیں گے؟''

یہ بات غلط ہے کہ اس بازار میں جسم فروشی نہیں ہوتی۔ یہ دھندا تو اب پورے لاہور کے گلی کوچوں میں پھیل گیا ہے۔

محمود احمد نے انکشاف کیا کہ لاہور میں کم سے کم دس ہزار قحبہ خانے ہیں جہاں عصمت فروشی ہوتی ہے اور عصمت فروش لڑکیوں کی تعداد چالیس ہزار سے زائد ہے۔ انہوں نے یہ انکشاف بھی کیا کہ ان قحبہ خانوں پر لڑکیاں پانچ ہزار روپے سے ایک لاکھ روپے تک میں بھیڑ بکریوں کی طرح فروخت ہوتی ہیں۔ کئی لڑکیوں کے جھوٹے اور جعلی عاشق اپنا دل بھرنے کے

بعد انہیں فروخت کر دیتے ہیں۔ بعض لڑکیوں کے باپ نشہ باز ہوتے ہیں وہ اس طریقے سے اپنی بیٹی کا بوجھ بھی سر سے اتار دیتے ہیں اور نشہ کے لئے کچھ رقم بھی پا لیتے ہیں۔

ان سے سوال کیا گیا کہ اس بازار میں ایسے دلال بھی ملتے ہیں جو یہ دعوت دیتے ہیں کہ اگر کسی کو یہاں سے ''مال'' چاہئے تو وہ مہیا کر دیں گے یہ لوگ کون ہیں؟

انہوں نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس بازار سے باہر اپنے قحبہ خانے قائم کر رکھے ہیں ان دلالوں کا اس بازار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایوب خان کے دور سے پہلے یہاں گلی شیخو پوریاں' کوچہ سبز پیر اور ٹبی گلی وغیرہ میں عصمت فروشی ہوتی تھی لیکن اب یہ سلسلہ قطعی ختم ہو چکا ہے۔

''پولیس نے کچھ عرصہ قبل اس بازار پر ریڈ کیا تھا اس کے کیا مقاصد تھے؟''

ایس پی سٹی ذوالفقار چیمہ راولپنڈی سے آئے تھے انہوں نے راولپنڈی گلی قصائیاں میں

بھی ایسی ہی کاروائی کی تھی۔ یہاں آ کر بھی انہوں نے اپنے طور پر یہ کاروائی کی۔ اس کی جڑیں بہت گہری ہیں یہ سب ہمارے معاشرتی نظام کی پیداوار ہے چنانچہ اس سلسلہ کو ختم کرنے کے لئے اس معاشرتی نظام کو بھی ختم کرنا ہو گا جو طوائفوں کو جنم دیتا ہے۔

''کیا آپ انجمن چلانے کے لئے ان فنکاروں سے کوئی ماہانہ چندہ وغیرہ لیتے ہیں؟''

ہم کوئی ماہانہ چندہ نہیں لیتے لیکن جو طوائفیں بازار سے باہر مجرا کرنے جاتی ہیں اس سے ہم دو سو روپیہ لیتے ہیں۔ ہر مجرا کرنے والی کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ محمود احمد سے ''راہداری'' حاصل کرے۔ اس سلسلہ میں ہمارے رجسٹر میں ان کی آمدورفت اور انہیں لے جانے والے شخص کا باقاعدہ اندراج ہوتا ہے۔

محمود احمد نے کہا کہ یہ راہداری اس لئے ضروری ہوتی ہے کہ راستہ میں پولیس انہیں تنگ نہ کرے۔ ان سے پوچھا گیا کہ گوری نے پچھلے دنوں پولیس آپریشن کے سلسلہ میں یہ بیان دیا تھا کہ وہ بڑے بڑے شرفاء کو ننگا کرے گی۔ کہا جاتا ہے کہ گوری بہت بڑے باپ کی بیٹی ہے؟

محمود احمد چند لمحے خاموش رہے اور پھر انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا کہ ہمیں بھی یہی پتہ چلا ہے کہ گوری کا باپ واقعی بہت بڑا آدمی ہے لیکن اس کا صحیح نام تو گوری کی ماں ہی آپ کو بتا سکتی ہیں۔

''پولیس عام طور پر یہاں کی عورتوں اور ان کے آشناؤں کو حدود آرڈیننس کے تحت گرفتار کر لیتی ہے۔ آپ بتائیں کہ کیا پولیس کی یہ کاروائی صحیح ہوتی ہے؟

پولیس غیر قانونی طور پر یہ زیادتی کرتی ہے۔ حدود آرڈیننس صرف وہاں لاگو ہوتا ہے اور اس کے تحت کاروائی ہو سکتی ہے جہاں چار متقی پرہیز گار گواہوں نے موقع پر یہ فعل ہوتے دیکھا ہو لیکن پولیس محض اپنی کارکردگی دکھانے کے لئے اس آرڈیننس کے تحت بلا جواز کاروائی کرتی ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پچھلے دنوں پولیس نے جتنے لوگوں کو پکڑا تھا عدالت نے ان سب کو چھوڑ دیا۔

''کہا جاتا ہے کہ ہر طوائف پولیس کو ایک ہزار روپے ماہانہ دیتی ہے؟''

یہ بازار فنکاروں کی اکیڈمی ہے فلم انڈسٹری کو بڑی بڑی فنکارائیں اسی بازار سے ملیں۔ ان میں پاکستان فلم انڈسٹری کی بابرہ شریف، نادرہ، نیلی، فردوس، شمیم آراء، سپنا، ریما، صائمہ، نرگس، دیبا، بہار، عالیہ، انجمن، زمرد اور گوری وغیرہ شامل ہیں۔ جبکہ بھارتی فلم انڈسٹری کی معروف اداکارائیں بھی اسی بازار سے آئیں۔ ان میں کجن بائی، نرگس، نمی، وحیدہ رحمان، ممتاز، نادو بائی، نسرین، منور سلطانہ، شمشاد بیگم، گلوکارہ ثریا اور مختار بیگم وغیرہ شامل ہیں۔

خود میڈم نور جہاں ل 1941ء میں اس بازار کے ایک مکان 14-A چیت رام روڈ پر ٹائم لگاتی رہی ہیں۔ میرے بھائی کی شادی پر انہوں نے مجرا بھی کیا تھا۔ فلم اسٹار رانی بھی اسی بازار سے تعلق رکھتی تھی اس کا والد اسے فریدہ خانم کے سپرد کر گیا تھا۔ یہاں اس نے رقص کی تربیت حاصل کی ''لولی پیلس'' میں وہ یہاں ٹائم بھی لگاتی رہی۔ ملکہ پکھراج کا تعلق جموں و کشمیر سے تھا لیکن وہ بھی اس بازار سے وابستہ ہیں۔

محمود احمد نے اس امر پر دکھ کا اظہار کیا کہ یہ معاشرہ ایک طرف تو انجمن کو سونے کا تاج پہناتا ہے اور دوسری طرف ان کی بہن گوری کو دفعہ 294 کے تحت گرفتار کر کے ذلیل و رسوا بھی کرتا ہے۔

انہوں نے یہ بھی کہا کہ مریم راے اور مس اس ایم ظفر اگر ٹی وی پر گانا گائیں تو وہ ثقافت کہلاتا ہے لیکن ہماری لڑکیاں اگر بند کمروں میں گانا سنائیں تو فحاشی کہلاتا ہے۔ یہ کیسا انصاف ہے؟ ہماری کسی رقاصہ کے ساتھ کوئی تماش بین بغل گیر نہیں ہو سکتا لیکن فلمی رقص کے مناظر میں بغل گیری بھی ہوتی ہے اور بوس و کنار بھی حتیٰ کہ خواب گاہوں کے مناظر تک دکھا دیئے جاتے ہیں اور اس ''مقدس معاشرہ کے پاک لوگ'' مزے لے لے کر یہ سین دیکھتے ہیں۔ صرف مرد ہی نہیں بلکہ ان میں عورتیں بھی، بہنیں بھی، بیٹیاں بھی اور بیویاں بھی ہوتی ہیں۔

''ٹی وی پر اس بازار کی جو فنکارائیں کام کرتی ہیں وہ اس بازار سے نکل کر دوسرے علاقوں میں منتقل ہو گئی ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

وجہ صرف یہ ہے کہ ٹی وی حکام نے اس امر کی پابندی لگا رکھی ہے کہ جن فنکاراؤں کا تعلق ہیرا منڈی سے ہو گا انہیں ٹی وی پر کام نہیں ملے گا اس لئے رقاصاؤں اور گلوکاراؤں نے اپنے ٹھکانے بدل لئے ہیں یہ ان کی مجبوری ہے۔ ملک غلام مصطفیٰ کھر نے پنجاب میں اپنی گورنری کے دنوں میں ایک طوائف ناہید سے شادی کی تھی۔

محمود احمد نے بتایا کہ اس بازار سے بعض معروف کرکٹر بھی ابھرے ہیں مثلاً نذر محمد، مدثر نذر، جمشید الیاس اور شفیق وغیرہ۔

ریما......ایک رات دولاکھ روپے

فلمی حسینائیں خصوصاً بازارِ حسن کا پس منظر رکھنے والی اداکارائیں کبھی کسی سے وفانہیں

کرتیں۔ ایسے واقعات شاذ و نادر ہیں کہ ان عورتوں نے کسی سے وعدے نبھائے ہوں۔ ان دنوں ریما بھی جسے لاکھوں نوجوان دلوں کی دھڑکن ہونے کا دعوٰی ہے۔ خود بھی رسوائے زمانہ سیاست دان شیخ رشید پر بری طرح ریجھی ہوئی ہے اور ممکن ہے کہ اس کی پسند بالآخر عشق کے درجہ کو چھولے اور دونوں میں کوئی مستقل بندھن قائم ہو جائے۔

وفاقی دارالحکومت اسلام آباد کے ایک انگریزی ہفت روزہ pulse کے مطابق شیخ رشید نہ صرف منہ پھٹ ہونے کے لحاظ سے معروف ہے بلکہ غیر ملکی دورے بھی اس کی ایک کمزوری سی بن گئے ہیں۔ غیر ممالک میں ہمارے سفارتی دفاتر اس منہ پھٹ انسان سے ہمیشہ خوفزدہ رہتے ہیں کیونکہ انہیں اس کے چھوڑے ہوئے بل اور وعدہ وعید خود پورے کرنا پڑ جاتے ہیں۔ 13 جولائی 1993ء کو اس نے اداکارہ کو دولاکھ روپے کی ایک رقم کی ادائیگی کی۔

اس امر کو آپ شیخ رشید کی قسمت کہہ لیجئے کہ اس رقم کی ادائیگی کے صرف چھ دن بعد اس وقت کے وزیر اعظم میاں نواز شریف کو اپنے اقتدار سے ہاتھ دھونا پڑا اور وہ 19 جولائی کو وزارت عظمٰی کے عہدہ سے دستبردار ہو گئے۔ تفصیلات کے مطابق گھی کارپوریشن آج بھی اتنی خوشحال ضرور ہے کہ نیشنل فلم ڈویلپمنٹ ایوارڈ کے نام پر بھاری بھر کم رقوم بطور عطیہ دے سکے۔ اسی نے ریما کو بھی رقم کی ادائیگی کی جو مبینہ طور پر ٹلی کے ساتھی کا کردار ادا کرتی رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ دن میں نواز شریف کے لئے دن بھر شدید "محنت" کرنے والے ٹلی کو رات آرام سے گزارنے کا موقع ہونا چاہئے تھا تا کہ وہ تازہ دم ہو کر اگلے دن کی "محنت مشقت" کے لئے تیار ہو سکے۔ جس چیک کے ذریعہ ریما کو ادائیگی کی گئی اس کا نمبر 82477124 ہے اور یہ چیک یونائیٹڈ بینک کی دیال سنگھ برانچ نے کیش کیا۔

خیال رہے کہ اس بینک میں گھی کارپوریشن کے اکاؤنٹس جمع ہیں۔ دریں اثناء ریما نے ایک بیان میں کہا کہ ان دنوں میں اس امر پر سنجیدگی سے غور کر رہی ہوں کہ فلموں کی رات کی شوٹنگ میں کام کرنا بند کر دوں۔ اس فیصلہ پر عمل در آمد عید کے بعد ممکن ہوگا۔ ریما صرف دن کی

شوٹنگ کو کیوں ترجیح دینے
لگی ہے اور اسے رات کی
شوٹنگ سے کیا خوف محسوس
ہوتا ہے؟ یہ کوئی نفسیاتی
مسئلہ نہیں بلکہ خالصتاً مالیاتی
معاملہ ہے۔

ریما اگرچہ یہ دعویٰ
کرتی ہے کہ ایک تو رات
کی شوٹنگ میں حصہ لینے سے
صحت پر برا اثر پڑتا ہے دوسرے
معاشرتی طور پر انسان سب
سے کٹ کر رہ جاتا ہے۔
دن رات کام کی مصروفیت
کے باعث سماجی سرگرمیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ کہیں آنا جانا ممکن نہیں رہتا لیکن ریما رات کی شوٹنگ
سے صرف ''سماجی سرگرمیوں'' کے لئے دستبردار نہیں ہو رہی۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ راتوں
کو کسی شوٹنگ کا معاوضہ اس حد تک نہیں پہنچتا جیسا کہ ایک رات کی مصروفیات سے دو لاکھ روپیہ کما
سکتی ہے یا کما لیتی ہے؟ چنانچہ اسے کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ راتوں کو فلموں کی شوٹنگ میں ماری
ماری پھرے اور اپنی ''صحت'' کو داؤ پر لگائے۔ پھر یہی نہیں کہ اس کی بعض راتیں بہت ''قیمتی''
ثابت ہوتی ہیں بلکہ یہ بھی ہے کہ راتوں کو کوٹھیوں اور بنگلوں میں جو مجرے ہوتے ہیں ان کی آمدنی
بے انداز ہوتی ہے۔ ان مجروں میں اس پر چاروں طرف سے کرنسی نوٹ برستے ہیں۔ چونکہ اسے
مدعو کرنے والے امیر کبیر لوگ ہوتے ہیں اس لئے وہ رقمیں لٹانے میں کوئی جھجک محسوس نہیں

کرتے۔

اب اگر ریما راتوں کو شوٹنگوں میں لگی رہی تو مجروں کا ''زرخیز'' کاروبار بری طرح متاثر
ہوتا ہے اس لئے اسے واقعی سنجیدگی سے یہ طے کرنے کی ضرورت ہے کہ اپنی راتوں کا معاوضہ
فلموں کی شوٹنگ میں گنوانے کی بجائے مجروں اور ملاقاتوں سے ایک ہی رات میں لاکھوں
روپے کما لے۔ انکم ٹیکس والوں کے لئے یہ ایک قابل غور پہلو ہے۔ بہرحال چونکہ ریما کی شہرت و
دولت کا آغاز فلموں سے ہوا ہے اس لئے وہ انہیں مکمل طور پر چھوڑ دینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔
اس کا کہنا ہے کہ رات کو شوٹنگ میں کام کرنا ہی پڑا تو میں اپنے رویہ میں لچک رکھوں گی اور
ایمرجنسی کی صورت میں رات کو بھی کام کروں گی۔

ریما ان دنوں تو بہت مصروف ہو گئی ہیں لیکن جب مصروف نہ تھی تو اس کا یار طبلے، سارنگی
اور ہارمونیم والوں کا طائفہ ایک یا سوا لاکھ روپے لے کر ایک شہر سے دوسرے شہر جایا کرتا تھا۔
کراچی والوں نے ان دنوں جب ریما کی پتنگ سارے ہی رنگوں میں رنگی اٹھ رہی تھی بے پناہ
''مجرے'' کرائے۔

ریما ایک دن مجرے کے اور دو دن تحفے خریدنے کے نام پر تین دن لگا کر لاہور لوٹتی
تھی۔ ریما جی کو ''گود'' بھر کے تحفے لینے اور پانے کا رواج اس شہر سے صحیح معنوں میں ملا۔ اب وہ
جب بھی آتی ہے پہلے شاپنگ کی بات طے کر لیا کرتی ہے۔ اس شہر میں ''کھو'' اور یوں کہا پورا ہو
جاتا ہے جیسے ساون کے دنوں میں بادل ادھر آیا ادھر گیا۔

سابقہ حکومت کے ایک مزاحیہ دور والے وزیر کو جب موقع ملتا تو ریما کو یاد کرتے اور اگر
وہ خود کسی ایسی محفل میں دیر سے آئے جس کی صدارت وہ کر رہے ہوں تو اسے ''جھاڑ'' بھی دیتے
کہ ایسے لوگ اتنی تاخیر کے باوجود ان کی راہ دیکھتے ہیں۔ دراصل ان دنوں حکومت جانے تک وزیر
صاحب اور ریما نوک جھونک جی بھر کر چلتی تھی۔ دونوں ایک دوسرے پر جوار کرتے تھے تو ایسا

معلوم ہوتا کہ بڑی طے شدہ ریہرسل کے بعد کئے گئے ہیں۔ یہ سلسلہ دراز ہوتا جارہا تھا کہ ریما کی خوش قسمتی کہئے کہ نہ صرف وزیر صاحب بلکہ ان کی حکومت بھی چلی گئی۔ ویسے وہ وزیر صاحب اب بھی ''ریما'' کی تصویریں ادھرادھراوپر کی جیب میں رکھتے سنے گئے ہیں۔ اب ہر کوئی تو ایسا نہیں ہے کہ ان کو قریب پانے کے لئے فلم بنانے کا دھندا شروع کردے اور دس بیس لاکھ داؤ پر لگا دے اس لئے پہنچ والے لوگوں کی تعداد ''زینت'' کے دروازوں تک کچھ بہت زیادہ ہو نہیں پا رہی۔

ریما کی نانی کی طرف سے ریما کو اجازت ہے کہ بے بی تم جب چاہو اصل نسل آدمی دیکھ کر شادی کرسکتی ہو۔ اصل نسل آدمی وہ ہوتا ہے جو جاگیردار' وڈیرہ یا صنعت کار ہو۔ ویسے کئی صنعت کار صرف مدعائے تمنا ریما تک لے کر پہنچے بھی لیکن نانی نے ریما کو یہ بات اصول کے طور پر بتادی کہ ان لوگوں سے شادیاں عارضی ہوا کرتی ہیں۔ سال' دو سال' تین سال اور پھر واپسی یقینی ہے۔ البتہ پلاٹ' مربعے' حویلیاں جتنے سال رہو گی اتنی ہی زیادہ لے کر آؤ گی۔

اولاد کے یہ لوگ قائل نہیں اس لئے یہ مسئلہ تم کو تنگ نہیں کرے گا کیونکہ وڈیرہ' زمیندار جس کی ہو کر جاؤ گی وہ پہلے ہی خاندانی بیوی رکھتا ہوگا۔ اس خاندانی بیوی کو بچانے کے لئے وہ تم کو اپنے سارے خاندان والوں سے الگ رکھے گا۔ پھر ایک دن یہ ساتھ چھوٹ جائے گا ایسا ہی ہوتا ہے اور ہوتا ہی رہتا ہے۔

ریما کی نانی نے ہر طرف سے ہوشیار خبردار کردیا ہے اس لئے وہ نہ بھٹک رہی ہے۔ نہ اٹک رہی ہے' جدھر جاتی ہے تلوار کی طرح پار ہو جاتی ہے۔ اس کی اڑان بھی ایسی ہے کہ اڑتے اڑتے من چاہے تو پرگن لو' آسمان میں کھو جانا اس نے نانی اماں سے سیکھا ہی نہیں۔ نانی کہتی ہے کہ ''پرندہ وہ اچھا کہ جہاں چاہے بیٹھے اور دانہ دنکا چگ لے اور پھر اپنے ہی پنجرے کی طرف لوٹ آئے۔

ریما کے مجرے تو ہر شب چلتے ہیں۔ اگر کسی مجرے میں جو ریما کے خاندان والوں کی

طرف سے کیا گیا ہو اور اس میں ریما موجود نہ ہو تو دو لفظوں میں بتا دیتے ہیں کہ بے بی شوٹنگ پر ہیں جیسے ہی وہاں شارٹ او کے ہو فوراً ادھر آجائیں گی۔

مدیحہ شاہ اور وزراء کے بیٹے

احمد پور شرقیہ کے نواحی گاؤں ٹھیری ضبطی میں معروف فلمی اداکارہ اور رقاصہ مدیحہ شاہ کے نیم برہنہ لباس میں سرعام مجرے کا مقدمہ درج ہونے کے باوجود بہاولپور پولیس نے کسی بھی

ملزم کو گرفتار نہ کیا کیونکہ اس مجرے کا اہتمام سابق وفاقی وزیر مملکت شہزاد سید الرشید عباس کے بیٹے سابق گورنر سندھ کے بھتیجے عدنان اور مقامی ایم پی اے نے کیا تھا۔

روبی رضا عرف مدیحہ شاہ عرف مدھو کے بارے میں ایک صنعت کار سیّد واجد علی شاہ نے بعض انکشافات کر کے لوگوں کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ سیّد واجد علی شاہ نے بتایا کہ مدیحہ سے ان کی پہلی ملاقات پیر پگاڑا کے صاجزادے کے ہاں ایک ''برتھ ڈے'' پارٹی پر ہوئی۔ ملاقات کے بعد مدیحہ شاہ میرے پیچھے پڑ گئی اور میرے ساتھ ہر قسم کے تعلقات رار کھے۔ مدیحہ شاہ جس کا اصل نام روبی رضا ہے نے مجھ سے کہا کہ میں شرافت کی زندگی اختیار کرنا چاہتی ہوں۔ میں نے اس کی خواہش کو صرف ''بچپن کی سوچ'' کے انداز میں لیا لیکن اسے لفظ ''شاہ'' کی بے حرمتی کی اجازت نہیں دوں گا۔

مدیحہ شاہ آج جن حالات میں ہے اور وہ جسے عزت سمجھتی ہے یا شہرت میں اسے کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ فلمی حلقوں میں سیّد واجد علی شاہ نے کہا کہ آپ اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ پاکستان میں صرف ایک فیصد افراد اعلیٰ قسم کی تماش بینی کے متحمل ہیں۔ مجھے اکثر یہ پتہ چلتا رہا ہے کہ اس وقت مدیحہ کس ہوٹل میں کس وزیر کے ساتھ ہے۔ اس ایک فیصد طبقہ میں میرے دوست ہیں۔ اگر میں نے مدیحہ شاہ کو بدنام کرنا یا پریشان کرنا ہوتا تو اس کے دوستوں اور گاہکوں کی فہرست بلکہ انتہائی طویل فہرست اخبارات کو اشاعت کے لئے جاری کر دیتا۔

سیّد واجد علی شاہ نے کہا کہ مجھے تو یہ علم نہیں کہ شوبزنس کی دنیا میں تمام لوگ صرف ''کنواری'' دوشیزاؤں کو پسند کرتے ہیں میں تو یہ جانتا ہوں کہ شوبزنس میں آجانے والی لڑکی کبھی کنواری نہیں رہتی۔

اداکارہ مدیحہ شاہ کی سب سے بڑی خوبی اس کے جسمانی خدوخال ہیں۔ اس کے سینے کے نشیب وفراز بڑے بڑے دل گردے والے لوگوں کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتے اور ان ہی ''نشیب وفراز'' کی بدولت وہ قوم کے سیاست دانوں سے دولت بٹورنے میں کامیاب رہتی ہے۔

اداکارہ خوشبو اور اسلام الدین شیخ

قومی احتساب بیورو کے افسروں نے اداکارہ خوشبو کو کراچی ائیرپورٹ پر پی آئی اے کی لاہور آنے والی پرواز سے آف لوڈ کر کے اس کے سابق شوہر معطل رکن قومی اسمبلی اسلام

الدین شیخ کی تحقیقات کے سلسلہ میں پوچھ گچھ کی۔ خوشبو چند روز قبل کراچی گئی تھیں اور انہیں 9 مئی کو الحمرا کے اسٹیج ڈرامے ''بکرا قسطوں پر پارٹ 4'' میں شرکت کے لئے لاہور آنا تھا مگر حساس اداروں نے لاہور روانگی سے قبل اسے روک لیا۔ خوشبو نے ابتدائی تفتیش میں اسلام الدین شیخ کی ایک بچی کی ماں ہونے کا اعتراف بھی کیا اور کہا کہ اسلام الدین شیخ اس پر ماہانہ لاکھوں روپے خرچ بھی کرتا رہا تاہم وہ اسے اب چھوڑ چکی ہے۔

اسلام الدین شیخ کے بعد اس وقت اداکارہ خوشبو اپنی عمر سے کم ایک نوخیز اداکار ارباز خان کے ساتھ ناطہ جوڑ چکی ہے۔ ارباز خان' اداکار آصف خان کا بیٹا ہے جو ماضی میں اردو اور پشتو فلموں کا مقبول اداکار رہ چکا ہے۔

اداکارہ خوشبو بھی اپنے جسمانی نشیب و فراز کی بدولت لوگوں کی توجہ اپنی جانب متوجہ کرنے کی ماہر ہے اور ہمیشہ سکینڈل میں رہتی ہے۔

اراکین پنجاب اسمبلی اور ریما کا مجرا

باوجود اس کے کہ ملک سیاسی بحران، شدید عدم استحکام اور پریشانی کے سمندر میں ڈوبا ہوا ہے پنجاب مسلم لیگ کے صدر چودھری پرویز الٰہی کی قیادت میں اسلام آباد کے میرٹ ہوٹل میں سیاسی پناہ لینے والے مسلم لیگی لوٹوں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا کہ وہ ریما کا ڈانس دیکھنا چاہتے ہیں۔

ان لوگوں کی ان حرکات پر بے حد تنقید ہوئی مگر انہوں نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی۔ باوجود کہ ہر چند مختلف اوقات میں تفریح مہیا کرنے کے لئے قوالی اور دیگر آئٹم وغیرہ پیش کیے گئے تھے مگر ان کا اصرار تھا کہ وہ ہر حال میں ریما کا ڈانس دیکھیں گے۔

لوگوں کو بتایا گیا کہ اس ہوٹل میں مجرا کسی صورت بھی منعقد نہیں ہو سکتا۔ صحافی آپ کی حرکات پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہیں لہٰذا اجتناب کریں مگر ان کی ایک ہی ضد تھی کہ ہم ریما کا مجرا دیکھیں گے ورنہ سب لوگ یہاں سے چلے جائیں گے۔ پھر فوری طور پر اسلام آباد کے F-8 میں مجرا سیشن کا اہتمام کیا گیا اور تمام لوگوں کو وہاں لے جایا گیا۔ جناب شہباز شریف کے خصوصی حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ریما خصوصی طور پر لاہور سے بڑے اہتمام کے ساتھ روانہ ہوئی اور ان لوگوں کے سامنے ڈانس کر کے اپنے بھرپور فن کا مظاہرہ کیا۔

سکندر مرزا کے زمانے میں ناہید مرزا کا حکم چلتا تھا۔ یحییٰ کی داشتہ ''رانی'' کا حکم چلتا تھا

اور مسلم لیگ دور میں حکومتی حلقوں میں اداکارہ ریما کا طوطی بولتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب بھی کسی کلیدی عہدے پر فائز کسی بڑے افسر (سیکرٹری، ایس پی، ڈی آئی جی، کمشنر، کلکٹر، انکم ٹیکس آفیسر، ایم ایس ڈاکٹر، ڈائریکٹر وغیرہ) کا ٹرانسفر یا معطلی وغیرہ ہوتی ہے تو وہ فوراً کسی جیولری کی دوکان سے نایاب اور قیمتی ہار وغیرہ خرید کر اداکارہ ریما کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا مسئلہ بیان کرتا۔

اداکارہ ریما فوراً فون کر کے اس متعلقہ افسر کی سفارش کرتی ہے اور متعلقہ افسر کے ٹرانسفر یا معطلی کے آرڈر رک جاتے اور متعلقہ آفیسر اداکارہ ریما کو دعائیں دیتا ہوا رخصت ہو جاتا۔

ایم پی اے ہوسٹل یا طوائفوں کا اڈہ

پنجاب اسمبلی میں ایک رکن اسمبلی نے یہ انکشاف کیا ہے کہ ایم پی اے ہوسٹل میں اراکین اسمبلی پیتے ہیں۔ طوائفیں ان کے بستر گرم کرنے کے لئے آتی جاتی ہیں۔ کئی اراکین اسمبلی نے نشے کی حالت میں ان کو بھی پریشان کیا۔ اس ضمن میں حافظ اقبال خاکوانی ایم پی اے نے کہا کہ ایم پی اے ہوسٹل میں ارکان شراب نوشی کرتے اور رات کو طوائفیں ہوسٹل میں آتی ہیں۔ راتوں کو حسین بدنوں سے یہ جسمانی تسکین حاصل کرتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ امن وامان کا مسئلہ بنے اسپیکر کو ایکشن لینا چاہئے۔

انہوں نے کہا کہ کئی مرتبہ شراب کے نشہ میں دھت ارکان نے میرے دروازے پر دستک دی۔ مجھے یہ بتاتے ہوئے شرم آرہی ہے کہ اس موقع پر اس وقت کے سپیکر جناب محمد حنیف رامے موجود نہیں تھے اس لئے ان کے فرائض ادا کرتے ہوئے قائم مقام سپیکر میاں افضل حیات نے کہا کہ آپ یہ مسئلہ سپیکر چیمبر میں اٹھائیں۔

ممبران اسمبلی کے مکروہ کردار کی یہ ایک معمولی سی جھلک ہے جو ایک رکن اسمبلی نے دکھائی ہے۔ طوائفیں کوئی آسمانی مخلوق نہیں ہیں۔ اس سلسلے میں ایک بار نہیں ہزار بار یہ بات منظر عام پر آچکی ہے کہ وہ سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور سیاسی کرداروں کی ہی اولاد ہیں۔ ہیرامنڈی کے ایک ترجمان کا کہنا ہے کہ طوائفیں ایم پی اے ہوسٹل نہیں جائیں گی تو اور کہاں

جائیں گی؟ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اراکین اسمبلی کی اکثریت اور طوائفوں کی اکثریت کی رگوں میں ایک ہی طبقے کا خون گردش کررہا ہے۔

شراب نوشی اور شباب لازم وملزوم ہیں۔ شراب پر ملک بھر میں پابندی ہے لیکن مراعات یافتہ طبقے کے لوگ اسے سرعام پیتے ہیں۔ اراکین اسمبلی ایم پی اے ہوسٹل میں بھی باز نہیں آئے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں اس سے پہلے قومی اسمبلی کے اراکین اور ''معززین'' وفاقی وصوبائی وزراء کے بارے میں یہ حقائق منظر عام پر آچکے ہیں کہ وہ شراب وشباب کے رسیا ہیں۔ ممبرانِ اسمبلی جب ووٹ لینے کے لئے عوام کے پاس جاتے ہیں تو اپنی نیک نامی کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں۔ انہیں باکردار، بااصول، دیانتدار اور جرأت مند کہا جاتا ہے حالانکہ ان لوگوں میں ایسی کوئی خوبی موجود نہیں ہوتی۔ عوام سادگی کے ساتھ نسل درنسل ایسے لوگوں کو اقتدار میں لاتے ہیں جن کا کردار قابل نفرت ہوتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ صوبائی اسمبلی کے ایوان میں ایک شخص تو پیدا ہوا جس نے حق کی آواز بلند کی۔ ہم سپیکر کے کردار پر اعتراض اس لئے نہیں کرسکتے کہ اس طرح ''معززایوان'' کا استحقاق مجروح ہوجائے گا۔ یہ کیسا استحقاق ہے کہ جب عوام کی بے حرمتی ہوتی ہے تو سپیکر کہتا ہے کہ اسمبلی میں بات کرو۔

جب اراکین اسمبلی کے زانی اور شرابی ہونے کی بات ہوتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ سپیکر کے بند کمرے میں بات کرو۔ کون نہیں جانتا کہ ہمارے سیاست دانوں اور اراکین اسمبلی حتیٰ کہ وزراء کی ایک بڑی تعداد شراب کی رسیا ہے۔ ان کے ذرائع آمدن مکروہ ہیں۔ ان کی بدعنوانیاں ننگی ہیں۔ یہ عوام کا خون نکالتے ہیں اور شراب پی کر رنڈیوں کو نچواتے ہیں۔ صوبائی اسمبلی کے اسی ایوان میں جب ایک رکن اسمبلی نے ایک پچیس سالہ خاتون کی آبروریزی کی بات کی تو سپیکر نے یہ نہیں کہا کہ یہ بات سپیکر چیمبر میں کی جائے۔

جب اراکین اسمبلی کی شراب نوشی اور ایم پی اے ہوسٹل میں رات کے وقت طوائفوں

کے آنے کا ذکر ہوا تو سپیکر کے ''استحقاق اور معززین'' نے جوش مارا اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ یہ بات سپیکر چیمبر میں کریں۔ چنبہ ہاؤس' پیپلز ہاؤس' ایم پی اے ہوسٹل اور اسلام آباد کے ایم این ہوسٹل سے لے کر سرکاری مہمان خانوں تک تمام جگہوں پر اسمبلیوں کے اجلاس کے دوران طوائفوں اور کال گرلز کا راج رہتا۔ اس مقصد کے لئے کراچی اور لاہور میں خصوصی ادارے قائم ہیں جہاں سے صحت مند اور خوبرو لڑکیاں سیاسی عیاشیوں کے لئے مہیا کی جاتیں۔ اجلاس شروع ہوتے' خوبرو لڑکیوں کے سوداگر کہتے کہ ہمارا ''دھندہ'' شروع ہو گیا ہے۔

اکثر اوقات مال کی کمی بھی پیش آ جاتی۔ کئی ایسی دوشیزائیں بھی ہوتی ہیں جن کے جسم کے خریدار بیک وقت کئی کئی ایم پی اے اور ایم این اے ہوتے۔ ان حالات میں مال سپلائی کرنے والے کئی بہانے بناتے ہیں اور ایسے لوگوں کو مطلوبہ ''کاکی'' دی جاتی جو زیادہ دولت مند یا بااثر ہوتے۔

اسلام آباد میں میڈم طاہرہ یہ دھندہ کرتی رہی جبکہ لاہور میں ایک نیا کردار ''نورین'' کے نام سے سامنے آیا۔ نورین اس وقت لاہور میں تین کوٹھیوں کی مالک ہے۔ اس نے کئی گاڑیاں اور موبائیل فون رکھے ہوئے ہیں۔ وہ عمر کے اعتبار سے ادھیڑ عمر کہلاتی ہے لیکن ''برے کام کے لئے بری نہیں سمجھی جاتی۔'' اس کی اداکاری دیکھ کر لوگ اسے کوئی بہت بڑی بزنس ویمن خیال کرتے ہیں جبکہ وہ ایک ایسی ماڈرن عورت ہے کہ اراکین اسمبلی' سیاست دانوں اور سرکاری افسروں کو خوبصورت لڑکیاں فراہم کرنا اس کا اصل دھندہ ہے۔ ہمارے علم میں اس کا ایک موبائیل نمبر اور تین کوٹھیوں کے نمبر ہیں۔ یہ ٹیلی فون نمبر ایک خفیہ ایجنسی کے ریکارڈ سے ملے ہیں۔

''نورین'' کی فائل میں لکھا ہوا ہے کہ وہ کن کن سیاستدانوں' اراکین اسمبلی کو مال مہیا کرتی ہے۔ اس کی تین کوٹھیاں ماڈل ٹاؤن' گلبرگ اور ڈیفنس کی جدید آبادیوں میں واقع ہیں۔

وہ ماڈلنگ کے حوالے سے لڑکیاں ڈھونڈتی ہے اور پھر انہیں بڑے لوگوں کے ساتھ رنگ رلیاں منانے کا عادی بنا دیتی ہے۔ اس وقت لاہور میں اس کی فراہم کردہ دوشیزاؤں کا ریٹ دس ہزار روپے تک ہے۔ نورین جب کبھی اپنے کام کی غرض سے اپنے گاہک ایم پی اے یا وزیر کے دفتر میں جاتی ہے تو اس کا استقبال کرتے ہوئے مذکورہ کردار کے من مندر کی گھنٹیاں بجنے لگتی ہیں۔ اس نورین خالد کو کوئی گرفتار نہیں کر سکا۔ اس لئے کہ وہ مجبوریاں خریدتی ہے اور حسین دوشیزاؤں کو فروخت کر کے اہل اقتدار طبقوں کے دلوں پر حکمرانی کرتی رہی ہے۔ اراکین اسمبلی عام طور پر ہیرا منڈی نہیں جاتے کیونکہ یہاں اکثر لڑکیاں شہرت یافتہ ہوتی ہیں۔ طوائفوں کے ساتھ رنگ رلیاں منانے کے لئے وہ کوٹھیوں کا رخ کرتے ہیں اور ایسے عشرت کدے لاہور کی تمام جدید آبادیوں یا ماڈرن علاقوں میں قائم ہیں۔

اراکین اسمبلی کو ان کے چمچے بھی خوش رکھنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے ایسی لڑکیوں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے جو خوبصورت ہوتے ہوئے سرکاری ملازمت اختیار کرنے کی غلطی کرتی ہیں۔ ایسی خوبرو دوشیزاؤں کو اراکین اسمبلی کے ایجنٹ معطل یا دور دراز علاقوں میں تبدیل کروا دیتے ہیں۔ یہ دوشیزائیں مختلف جگہوں سے ہوتی ہوئی بالآخر رکن اسمبلی کے ''ایجنٹ'' کی خدمات حاصل کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ اب ممبرانِ اسمبلی اس لڑکی کا مسئلہ حل کرنے کے لئے اس کے جسم سے کھیلنا اپنا حق سمجھتا ہے۔ ایسی کئی لڑکیاں سیکرٹریٹ' اسمبلی ہال کی رہائش گاہوں کے اردگرد دھکے کھاتی پھرتی نظر آتیں۔ ان دوشیزاؤں میں اکثریت محکمہ تعلیم اور محکمہ صحت سے تعلق رکھتی تھی۔ سیاست دانوں کی عیاشی کی بھینٹ چڑھ جانے والی بعض لڑکیاں تو اپنا مطلب نکال کر جان چھڑا لیتی ہیں لیکن کئی حالات کی چکی میں پس کر ہر روز ایک نئے بستر کی زینت اور ایک نئے گاہک کی پیاس بجھانے کی عادی ہو جاتی ہیں۔ ایسی لڑکیوں اور ایسے اراکین اسمبلی کی ایک لمبی فہرست ہے جس کو قلم بند کرنے کے لئے الگ کئی کتابوں کی ضرورت ہے۔

پنجاب اسمبلی

گذشتہ دور میں پنجاب اسمبلی کے بیشتر اراکین پر یہ الزام لگتا رہا ہے کہ ایم پی اے ہوسٹل میں اراکین شراب نوشی کرتے ہیں اور راتوں کو حسین بدن ان کی جسمانی تسکین کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ایوان کے کچھ معزز اراکین نے خود بھی نشاندہی کی۔ ایم پی اے ہوسٹل میں راتوں کو مجرے کی محفلیں سجتی ہیں۔ طوائفیں، اراکین اسمبلی اور ان کے حواریوں کا دل بہلاتی ہیں۔ لہٰذا اسپیکر قومی اسمبلی کو اس سلسلے میں فوری ایکشن لینا چاہئے لیکن اسمبلی کے فلور پر جب بھی یہ مسئلہ اٹھایا گیا بعض اراکین کو اپنا استحقاق یاد آ گیا۔

ایک مرتبہ جب ایک رکن اسمبلی نے یہ بات سپیکر کے سامنے رکھی تو قائم مقام سپیکر میاں افضل حیات نے انہیں یہ مسئلہ سپیکر ہاؤس میں اٹھانے کا مشورہ دیتے ہوئے بات گول کر دی۔

شاہین منور

شاہین مظفر گڑھ کے جاگیردار کی خرمستیوں کے باعث حکمرانوں کے دلوں کی دھڑکن بن گئی۔ اس خوبرو دوشیزہ نے پنجاب کے کرتا دھرتا کو اپنی زلفوں کے جال میں گرفتار کرنے کے بعد اپنی پیاس بجھانے کے لئے ادھر اُدھر منہ مارنا شروع کر دیا۔ اس وقت پنجاب کے وزیر اعلیٰ کے ایک ایڈوائزر ”قادیانی“ اور شاہین کے شکار کے سبب بڑی شہرت رکھتے تھے۔ شاہین کو دولت کی ہوس تھی اس قدر کہ اس نے ایک ایڈوائزر ”احمد“ کی موجودگی میں ایک صوبائی وزیر کو پھنسا لیا۔ یہ صوبائی وزیر ملتان کا ایک جاگیردار تھا۔

یہ عورت جاگیردار کی باقاعدہ بیوی بن گئی لیکن دوسرے کرداروں کو بھی جنسی ملاپ کا موقع فراہم کرتی رہی۔ انہی عاشقوں میں سندھ کا ایک وڈیرہ ”پیر“ بھی تھا جو آج کل بھی شاہین کا عاشق ہے۔ اس عورت نے بعد میں جاگیردار سے طلاق لے لی جس کے باعث جاگیردار کو اتنا صدمہ ہوا کہ وہ پاگل ہو گیا۔ وہ پاگل پن میں ایک بار مجھے مل گیا اور اپنے گھر لے جا کر شاہین کی آواز کے ٹیپ سنوانے لگا۔ اس آواز میں شاہین انتہائی بدتر انداز میں ”ایم کے“ کو گالیاں دیتے ہوئے سنی گئی۔

شاہین نے بعد میں جہلم کے اس کردار سے شادی کر لی جو ”قادیانی“ ہونے کے حوالے سے مشہور تھا۔ یہ خاوند آج کل بھی ایک صوبے میں اہم سیاسی پوزیشن کا حامل ہے۔ اسے

یہ پوزیشن صرف شاہین کی بدولت ملی ہے کیونکہ کئی بڈھے سیاستدان آج بھی شاہین سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور وہ اس کے خاوند کو اقتدار کے قریب تر رکھنے پر مجبور ہیں۔ میانوالی کا ایک بڈھا جاگیردار بھی شاہین کی حسین آنکھوں کا شکار ہے۔ شاہین کی ایک بچی کی شادی ہو چکی ہے لیکن آج بھی اس کی قربت حاصل کرنے والے جیسیں درندوں کا کہنا ہے کہ ''آتش ابھی جوان ہے۔''

اس دور کا ایک ایک کردار نرالا ہے جیسا کہ (ملک صاحب) جن کی بہن ملتان میں فحاشی کا اڈہ چلاتی تھی۔ اس فحاشی کے اڈے کی بدولت ممتاز کئی بار جیل گئی۔ تماش بینوں کے پاس جاتے جاتے وہ تجربہ کار ہو گئی۔ ممتاز نے ملتان کے کئی جاگیرداروں کو اپنا شکار بنایا اور اپنے بھائی کو صوبائی اسمبلی اور بعد میں صوبائی کابینہ کا رکن بنوالیا۔ صوبائی کابینہ میں ملک صاحب نے عیاشی کے تمام ریکارڈ توڑ ڈالے۔ موصوف نے جس پر ڈالی بری نظر ڈالی۔ ایک دفعہ ان کی نظر ایک خاتون صحافی پر پڑ گئی اور بس پھر وہ ہاتھ دھو کر اور پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ گئے۔ بالآخر اس خوبرو دوشیزہ نے ملک کو اپنا خاوند بنالیا لیکن وہ آج تک اسے انسان نہیں بنا سکی۔

ملک کو کئی بار خوفناک مظالم کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے جیل میں توبہ بھی کی اور جیل سے آتے ہی ملتان کے ایک جدید ہوٹل میں توبہ توڑ دی۔ ان کی جنسی درندگی کا یہ عالم بھی ''خلق خدا'' نے دیکھا کہ ملتان کی نگری میں ذاتی مکان ہوتے ہوئے وہ بیوی سمیت ہوٹل میں رہائش پذیر رہتے اور اپنی بیوی کی موجودگی میں ایک ہی کمرے میں پڑے ہوئے دوسرے بیڈ پر عصمتوں سے کھیلتے رہے۔ ان کی بیوی ان سے ایسی پارٹی ورکرز کو دور رکھتی تھی جنہیں خوبصورت کہا جا سکتا ہے۔ اب ان کی بیوی کو سیاسی کام بھی کرنا پڑتا ہے اور اپنے خاوند پر نظر بھی رکھنا پڑتی ہے۔

کچھ عرصہ قبل انہیں لاہور میں سرکاری افسروں اور جاگیرداروں کے ساتھ فیصل ٹاؤن کی ایک کوٹھی میں پولیس نے گرفتار کر لیا تھا۔ ان کے ساتھ موجود مرد اور عورتیں ننگی تھیں۔ رہائی

کے بعد ملک نے پولیس کارروائی کو سیاسی انتقام بتایا۔ اس عوامی حکومت کا ایک کردار اپنی جنسی عیاشی کے باعث بہت شہرت رکھتا تھا۔ اس نے کبھی اپنی کابینہ میں کسی ایک بھی ایسے وزیر کو نہیں رکھا جو شراب و شباب کا رسیا نہ ہو۔ ان کی صوبائی کابینہ کے ایک رکن میاں صاحب جیل سے رہائی کے بعد ایک انٹرویو میں بتاتے ہیں کہ شملہ پہاڑی کے نزدیک ایک بار ان کی نظر ایک خوبرو دوشیزہ پر پڑ گئی۔ یہ خوبرو دوشیزہ خواتین کے کسی کالج میں لیکچرار تھی۔ اس نے اپنے چمچوں کو حکم دیا کہ کسی طرح اس خوبرو دوشیزہ کو قابو کر لیں۔ کارندوں نے مختلف حیلوں اور بہانوں سے اس دوشیزہ کو لالچ دیا کہ وہ جس سیاسی کردار کو بہت انسانیت پسند کہتی ہے وہ شخصیت اس سے ملنا چاہتی ہے۔ کارندے اہم شخصیت سے ملوانے کے لئے اس دوشیزہ کو گورنر ہاؤس تک لے آئے۔ سابق وزیر کے بقول جب یہ دوشیزہ گورنر ہاؤس سے نکلی تو وہ پاگل ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ ان کی آخری ملاقات ایک قبرستان میں ہوئی تھی جہاں وہ اپنی والدہ کی قبر پر بیٹھی اپنی عصمت لٹنے پر فریاد کناں تھی۔

اس صوبائی وزیر کا کہنا تھا کہ ''جب میں جیل میں تھا تو میرا ضمیر ملامت کرتا رہا کہ میں خود اس لڑکی کو بے آبرو کرنے کے گناہ میں شریک تھا۔ آج میں اس عورت کو ڈھونڈ رہا ہوں تا کہ اس کے پاگل پن کا علاج کروا کر اپنی بہن سمجھ کر اپنے گھر میں رکھوں اور اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کر سکوں لیکن وہ مجھے کہیں نہیں ملتی اور ضمیر کی خلش مجھے بے چین رکھتی ہے۔ آج بھی مجھے اس دوشیزہ کی معصومیت اور اس جنسی درندگی کا واقعہ یاد آتا ہے تو میری آنکھوں کے ساتھ ساتھ میرا دل بھی روتا ہے لیکن اب پچھتاوے کیا ہو سکتا ہے یوں لگتا ہے کہ پچھتاوا میرا مقدر بن گیا ہے۔''

اعظم خان ہوتی

1977ء کی تحریک نظامِ مصطفیٰ میں شامل صف اول کی رہنما بیگم نسیم ولی کے بھائی اور سابق وفاقی وزیر اعظم ہوتی کے پاکستان فلم انڈسٹری کی اہم اداکاروں سمیت بھارتی اداکاراؤں ہیما مالنی، ریکھا اور جوہی چاولہ کے ساتھ بھی تعلقات تھے۔ یہ انکشاف اعظم ہوتی کی مبینہ بیوی زیبا خان نے ایک خصوصی انٹرویو میں کیا۔

انہوں نے بتایا کہ اعظم ہوتی سے میری ملاقات لاہور کے فلیٹیز ہوٹل میں کتابوں کی نمائش میں ہوئی۔ پہلی ملاقات میں ہی اس نے میرے گھر والوں سے ملنے کی خواہش ظاہر کی اور میرے گھر رشتہ لے کر پہنچ گیا۔ وہ پکا جھوٹا اور فراڈیا ہے۔ مجھ سے کہا کہ میں بہت مظلوم آدمی ہوں میری بیوی مجھے چھوڑ کر چلی گئی ہے۔ گیارہ سال سے تنہا ہوں نسرین (ولی خان کی بیٹی) نے مجھے بڑا دکھ دیا ہے۔ میں متاثر ہوگئی اور گھر والوں کو بتائے بغیر 12 اکتوبر 92ء کو مردان میں اعظم سے خفیہ نکاح کر لیا جہاں سے وہ مجھے فرنٹیئر ہاؤس اسلام آباد لے آیا۔ وہاں پر وہ مجھے ایک کمرے میں بند رکھتا۔ میں ضرورت کی چیزیں انٹرکام پر ملازمین سے منگواتی تھی۔ وہ اس وقت وزیر تھا اس کا پرائیوٹ سیکرٹری مشتاق اور شاہ جہاں میرے پاس آیا کرتے تھے۔ اعظم اکثر میرے پاس آنے کی بجائے ساتھ والے کمرے میں رہ جاتا اور کہتا کہ میں میٹنگ کر رہا ہوں۔ بعد میں ملازمین سے پتہ چلتا کہ وہاں لڑکیاں آتی تھیں۔ پھر وہ مجھے یہ کہہ کر کہ میں عمرہ کرنے جا رہا ہوں دبئی چلا

گیا اور وہاں سے لندن چلا گیا جہاں بھارتی اداکاراؤں کے ساتھ عیاشی کرتا رہا۔

وزارت کے بعد اعظم ہوتی نے مجھے ایف ایٹ اور آئی ٹین میں رکھا اور ایک مرتبہ میں اس کے پاس ایف ٹین میں گئی تو اس کے بیڈ روم میں ایک عورت لیٹی ہوئی تھی اس نے مجھے دیکھتے ہی ڈانٹنا شروع کر دیا۔ بعد میں ملازمین نے بتایا کہ وہ اعظم کی بیوی طلعت ہے وہ فرسٹ ویمن بینک کی وائس پریذیڈنٹ ہے۔ طلعت نے مجھ سے میرے گھر کا پتہ لیا اور بتایا کہ اعظم نے اس طرح کئی اور شادیاں کر رکھی ہیں اور آئے دن نئی لڑکیوں کے ساتھ گھومتا ہے۔ بعد میں ہم دونوں نے مل کر چھاپہ مارا۔ اعظم مجھے نوشہرہ لے گیا وہ بچے پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں نے ضد کی تو اس نے مجھ پر تشدد کیا اور پولیس بلا کر مجھے تھانے بھیج دیا کہ یہ عورت میری خود ساختہ بیوی بن کر مجھے نقصان پہنچانا چاہتی ہے۔

زیبا خان نے کہا کہ میں ثابت کر کے رہوں گی کہ اعظم نے مجھ سے نکاح کیا ہے اور میں اس کی بیوی ہوں۔ مجھے اعظم کے غنڈوں سے ڈر ہے اس لئے روپوش زندگی گزار رہی ہوں۔

زیبا خان کے بارے میں مزید معلومات ملی ہیں۔ ذرائع کے مطابق اعظم ہوتی نے زیبا خان کو پہلی دفعہ دیکھتے ہی اپنی مادری پشتو زبان میں اپنے ساتھ کھڑے ایک پٹھان سے کہا کہ بجلی ہے بجلی۔ مختلف ذرائع نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ اعظم ہوتی اس بجلی کے گرتے ہی وزیر اعظم نواز شریف کے ابتدائی ایام میں لاہور کے ہو کر رہ گئے اور اکثر زیبا کو رات کے کھانے پر مدعو کرتے تھے۔ بعد ازاں اسلام آباد آنے اور وزیر بننے کے بعد اعظم ہوتی نے بار بار لاہور جانے اور ''بجلی'' پر اپنا وقت ضائع ہونے سے بچانے کے لئے زیبا خان کو مستقل خود پر گرانے کا فیصلہ کر لیا مگر زیبا خان' اعظم ہوتی کو تڑپانے اور خود پر پیسے لٹوانے کے لئے اعظم ہوتی کو ادائیں دکھا کر غائب ہونے لگی جس پر اعظم ہوتی نے ''بجلی'' سے مکمل طور پر محفوظ ہونے کے لئے اس سے وقتی شادی کا فیصلہ کر لیا۔

اعظم ہوتی کی نجی محفلوں کے مختلف ذرائع اور ان کے ایک قریبی دوست کے مطابق اعظم ہوتی نے جب زیبا خان سے شادی کی آفر کی تو زیبا خان کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا کہ ایک وفاقی وزیر اور صوبہ سرحد کا اہم سیاسی ''شہزادہ'' اس سے شادی کر لے گا۔ ذرائع نے یہ بھی انکشاف کیا ہے کہ زیبا خان کو اس بات کا علم تھا کہ اعظم ہوتی پہلے سے شادی شدہ ہونے کے علاوہ ایک عاشق مزاج شخص ہے۔

زیبا کی خواہش تھی کہ اعظم ہوتی اسے برملا اپنی بیوی تسلیم کرے لیکن اعظم ہوتی نے نہ صرف اس کی اس حقیقت سے انکار کر دیا بلکہ زیبا پر طرح طرح کے الزامات لگانے سے بھی گریز نہیں کیا۔ زیبا سے جب کوئی بات نہ بن پڑی تو اس نے عدالت سے رجوع کرنے کا فیصلہ کیا۔ 1988ء کے اوائل میں زیبا، عاصمہ جہانگیر سے ملی اور تمام صورتحال سے آگاہ کیا۔ تب جا کر لوگوں کو معلوم ہوا کہ شراب وشباب کے گناہ آلود کھیل میں ایک نام اعظم ہوتی کا بھی ہے۔

زیبا نے اپنا حق حاصل کرنے کے لئے عدالت سے بھی رجوع کیا لیکن وہاں اس کی شنوائی نہ ہوئی حالانکہ زیبا نے دعویٰ کیا تھا کہ اعظم ہوتی اسے اپنی بیوی تسلیم نہیں کرتا تو اس کے خلاف زنا کا مقدمہ قائم کیا جائے مگر عدالت عالیہ نے رٹ آف ڈسپوز کر دی۔ بس اس کے آگے ہم کچھ کہیں گے تو مبادا توہین عدالت ہو جائے گی اس لئے چپ رہنا ہی بہتر ہے۔

اکرام اللہ خان نیازی

اکرام اللہ خان نیازی ایک معروف مسلم لیگی تھے۔ 1999ء کے آغاز میں انہیں گھر میں گھس کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ظاہری طور پر ایک دیرینہ جھگڑے کا شاخسانہ لگتا تھا لیکن میانوالی کے عوام آج بھی نیازی صاحب کا ذکر کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ایک لونڈے کے باعث نیازی صاحب جان سے چلے گئے۔ دراصل نیازی صاحب ایک خوبرو لڑکے کے گرویدہ تھے لیکن وہ کسی اور کی دسترس میں تھا۔ صرف اس کے حصول میں بات بڑھ گئی اور جو بالآخر نیازی صاحب کے قتل پر منتج ہوئی۔

مولانا کوثر نیازی

بین الاقوامی سمگلر اونٹنی والا نے کراچی میں مزار قائد کے قریب عیاشی کا ایک اڈہ بنا رکھا تھا جہاں حفیظ پیرزادہ، جام صادق، ولی جاموٹ، عبدالستار گبول، مولانا کوثر نیازی اور محمد خان جونیجو مستقل آتے تھے۔ یہاں غیر ملکی شراب اور حسین دوشیزائیں پیش کی جاتی تھیں۔ ایک بار بدقسمتی سے اس اڈہ پر ایک نوجوان سب انسپکٹر قاضی محمد ارشد نے اپنے کچھ ساتھیوں کے ہمراہ ریڈ کی۔ اس انسپکٹر اور اس کے ساتھیوں کو ہوم سیکرٹری کی ہدایت پر ملازمت سے برطرف کر کے جیل بھیج دیا گیا۔

مولانا کوثر نیازی کے بارے میں ڈیلی نیوز نے باقاعدہ تصویری کہانیاں شائع کیں ان کی جولانیاں اس حد تک بڑھیں کہ قصر ناز کے کمسن بیروں نے ان کے خلاف ہڑتال کر دی۔

دوشیزاؤں کی رنگ رلیاں اور برہنگی

جے بلاک گلبرگ لاہور کے ایک گیسٹ ہاؤس میں شراب کے نشہ میں دھت اونچی سوسائٹی کے 7 نوجوان 5 دوشیزاؤں سمیت رنگ رلیاں مناتے برہنہ حالت میں پکڑے گئے۔ فردوس مارکیٹ پولیس نے ملزموں کا میڈیکل معائنہ کرایا۔ ملزموں کی سفارش کے لئے چوکی میں ٹیلیفون کالوں اور اعلیٰ افسران و افراد کا تانتا بندھ گیا کہ عملے نے اپنے فون کی تاریں ہی کاٹ دیں اور افراد کو باہر نکال کر چوکی کا مین گیٹ بند کر کے تالہ لگا کر مقدمہ درج کر لیا۔ پولیس کے مطابق ملزموں میں بلوچستان کی اعلیٰ شخصیت کا رشتہ دار عمران مینگل سمیت ننکانہ کے ایم۔ پی۔ اے ذوالقرنین کا بھانجا محمد شعیب اور ننکانہ ہی کے منظور احمد محبوب کے احمد محبوب الٰہی، احمد خان، محمد طارق اور گیسٹ ہاؤس کا منیجر عامر سلیم شامل تھے۔ پولیس کے مطابق گیسٹ ہاؤس پر چھاپہ مارا گیا تو منیجر نے دھمکیاں دیں کہ یہ گیسٹ ہاؤس ایک اعلیٰ شخصیت کا ہے تمہیں یہاں آنے کا مزہ چکھنا پڑے گا۔ اسے حراست میں لینے کے بعد انہوں نے کمروں پر چھاپے مارے تو وہاں سے تمام افراد شراب کے نشے میں دھت 5 لڑکیوں کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں پائے گئے۔ کمروں سے شراب کی 5 بوتلیں بھی برآمد ہوئیں۔ گذشتہ شام 4 بجے مجسٹریٹ عرفان قادر نے تھانہ پہنچ کر ملزموں کو جوڈیشنل ریمانڈ پر جیل بھیج دیا۔ مگر پولیس جیل کا ٹائم گزرنے پر ملزموں کو گلبرگ تھانہ لے کر پہنچی تو ملزموں نے حوالات میں جانے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہاں گندگی ہے۔ انہیں کسی کمرے میں رکھا جائے مگر پولیس نے انہیں زبردستی حوالات میں بند کر دیا۔

عمران مینگل نے پولیس کی حراست میں صحافیوں سے بات کرتے ہوئے کہا کہ خدا کے لئے خبر اور تصویر شائع نہ کریں کیونکہ پہلے ہی ان کی بہت رسوائی ہو چکی ہے خبر سے خاندان کی مزید بدنامی ہوگی مگر گرفتار ہونے والے دیگر افراد سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایک ملزم محمد شعیب کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ ننکانہ سٹی میں ایم۔ ایس۔ ایف کا صدر ہے۔

خواتین کونسلرز کے سیر سپاٹے

بلدیہ عظمیٰ لاہور کی 22 خواتین کونسلروں سمیت 193 ارکان پر مشتمل وفد کے ''مری یاترا'' کے دوران انتہائی شرمناک واقعات رونما ہوئے، جس سے نہ صرف بلدیاتی اداروں کی ساکھ متاثر ہوئی بلکہ کونسلروں کی نیک نامی پر بھی حرف آیا۔ سب سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ قومی خزانے کا غیر قانونی استعمال کیا گیا۔ 93 رکنی وفد جب مری پہنچا تو آدھی رات ہو چکی تھی اور میزبان انتظار کر کے جا چکے تھے۔ جس پر وفد میں افراتفری پھیل گئی اور سرکاری میزبان لارڈ میئر کی سیکرٹری مس ثمینہ اور چیف کارپوریشن افسر کے سیکرٹری عبداللہ نے لاہور رابطہ کیا جس پر انتظامات کرائے گئے۔ مری ہوٹل میں 21 کمرے بک کروائے گئے۔ قیام کے دوران ایک شرمناک واقعہ بھی رونما ہوا، وہ شرابی ایک خاتون کونسلر کے کمرے میں گھس گئے اور غل غپاڑہ مچانا شروع کر دیا۔ معلوم ہوا کہ دونوں شرابیوں کا تعلق بھی متعلقہ کونسلر کے محلے سے تھا اور ان کی بیٹیوں کے جاننے والے تھے، اس دوران یہ بات بھی سامنے آئی کہ ایک خاتون کونسلر اکثر رات کو غائب ہو جاتی اور بلدیہ مری کے چیف افسر کے ساتھ دیکھی جاتی۔ مری ہوٹل نے بلدیہ لاہور کو 33 ہزار روپے کا بل بھجوا دیا جس پر افسران چکرا گئے تھے کیونکہ دورے سے قبل کہا گیا تھا کہ بلدیہ مری تمام خرچہ اٹھائے گی۔ بعدازاں بلدیہ افسران نے بھی ٹی اے ڈی اے مانگ لیا جس پر کمشنر لاہور نے بلدیہ حکام سے وضاحت طلب کی کہ اس دورے کی منظوری کس نے دی تھی اور اخراجات کس مد میں کیے گئے۔

اداکارہ میرا کی خواہش

اداکارہ میرا کی والدہ شفقت زہرا بخاری نے ایک انٹرویو میں کہا کہ میں آئندہ الیکشن میں بھرپور حصہ لوں گی اور مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر عوام کی خدمت کروں گی۔ میری بیٹی میرا نے جس طرح فلمی دنیا میں نام پیدا کیا ہے اسی طرح میں سیاست دان بن کر چار چاند لگا دوں گی۔ اداکارہ میرا نے کہا کہ میری خواہش ہے کہ میری والدہ سماجی اور قومی مسائل حل کرنے میں سیاست میں آئے اور بینظیر بھٹو کی طرح مقبولیت حاصل کرے۔

مآخذ

کتابیات

☆ پارلیمنٹ سے بازارِ حسن تک — قیصر چوہان

☆ پارلیمنٹ سے اُس بازار تک — امجد حسین

☆ پارلیمنٹ سے بازارِ حسن تک (پارٹ ٹو) — ظہیر احمد خان

☆ معاشقے — قیصر زیدی

☆ سب سے پہلے پاکستان — پرویز مشرف

☆ سیاستدانوں کے معاشقے — خالد چوہدری

☆ ننگ وطن — ایم ایس رانا

☆ عورت گناہ کی سولی پر — سلطان شاہد

☆ پرنس اینڈ پلے بوائے — رائے اسد خان کھرل

☆ سیاست دانوں کی جبری نااہلیاں — احمد سلیم

☆ جنرل یحییٰ خان، شخصیت اور سیاسی کردار — منیر احمد

☆ رائیونڈ سازش — رائے اسد خان کھرل

☆ شہاب نامہ — قدرت اللہ شہاب

☆ دخترِ مشرق — بے نظیر بھٹو
☆ مینڈا سائیں — تہمینہ درانی
☆ پاکستان کیسے ٹوٹا؟ — رائے اسد خان کھرل
☆ بھٹو دی پولیٹیکل بائیوگرافی — سلمان تاثیر
☆ جو میں نے دیکھا (راؤ عبدالرشید) — منیر احمد منیر
☆ Beyond Belief — وی ایس نیپال
☆ نور جہاں اور میں — منیر احمد منیر
☆ اس بازار میں — شورش کاشمیری
☆ بازارِ حسن — مسعود احمد
☆ پارلیمنٹ سے بازارِ حسن تک — ظہیر احمد بابر
☆ فرزندِ پاکستان — شیخ رشید احمد
☆ مدھو بالا — موہن دیپ
☆ سیکنڈلز — شہباز خان
☆ عمران خان سیاست کے میدان میں — شہباز وقار
☆ پاکستان کے متنازعہ سیاست دان — مجاہد حسین
☆ ولی خان جواب دیں — ضیاء شاہد
☆ چوراہا — حسن نثار
☆ شرمیلا فاروقی اور احتساب ڈرامہ — سید اظہر فرید
☆ لوح ایام — مختار سیّد

روزنامہ

☆ پاکستان ٹائمز
☆ خلیج ٹائمز
☆ دی سن
☆ ڈیلی ایکسپریس
☆ جسارت
☆ سنڈے ایکسپریس
☆ ہیرالڈ
☆ امروز
☆ ڈان
☆ دی نیوز
☆ نوائے وقت
☆ صحافت
☆ نیا اخبار
☆ سیاست
☆ الاخبار
☆ مساوات
☆ اوصاف
☆ قومی اخبار
☆ سماچار
☆ کاوش
☆ چٹان
☆ جنگ
☆ فرنٹیئر پوسٹ
☆ مشرق
☆ خبریں
☆ دن

ماہنامہ

☆ قومی ڈائجسٹ
☆ نئی دنیا
☆ لباس انٹرنیشنل
☆ مون ڈائجسٹ
☆ اردو ڈائجسٹ

ہفت روزہ

- ☆ زندگی
- ☆ پاکیشیا
- ☆ سیاسی لوگ
- ☆ احوال
- ☆ تکبیر
- ☆ ٹائم
- ☆ میڈیا ٹائمز
- ☆ فرائیڈے اسپیشل
- ☆ اخبارِ جہاں
- ☆ وجود
- ☆ اخبار جہاں
- ☆ حرمت
- ☆ فخرایشیا
- ☆ پلس
- ☆ نیوز ویک
- ☆ افریشیا
- ☆ ایشیا ویک
- ☆ زندگی
- ☆ فیملی
- ☆ زنجیر